نواب خیر بخش مری

کے انٹرویوز

ترتیب و تالیف: سلام صابر

کندیل بلوچی کتابجا

WWW.QANDEEL.XYZ

صباء انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : نواب خیر بخش مری کے انٹرویوز

ترتیب وتالیف : سلام صابر

اشاعت اول : جنوری 2011

اشاعت دوئم : نومبر 2021

تعداد : 500

قیمت : 150 روپے

کمپوزنگ : عتیق آسکوہ بلوچ

سرورق : زانت بلوچ

پبلشر : صباء انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز

انتساب

علم کے نام
عقل کے نام
عشق کے نام
آزادی کے نام
اشتراکیت کے نام

انقلاب..... کتنے تیرے نام
سب اچھے، جتنے تیرے نام!

ترتیب

پیش لفظ	ڈاکٹر شاہ مری	6
عرضِ مرتب	سلام صابر	14

انٹرویوز

تشدد کا عمل متشددانہ ردعمل پیدا کرتا ہے

انٹرویو: مختار حسین 16

نواب مری کا افغانستان واپسی

انٹرویو: ہفتہ وار جریدہ "زندگی" 29

سامراج کی سرپرستی کے بغیر بلوچ کو زیرِ دست نہیں رکھا جاسکتا

انٹرویو: مطلب مینگل 38

قومی اہداف کا تعین ضروری ہے

انٹرویو: توار پینل 46

پنجابی یہ نہیں چاہے گا کہ وہ افغانستان، کشمیر اور بلوچستان سے ہاتھ کھینچ لے

انٹرویو: اعظم الفت 55

بلوچ نیشنلزم ابھی طفلی سطح پر ہے

انٹرویو: خادم لہڑی جاوید نصیر رند، حاصل نوردشتی 63

مسلح جدوجہد دشمن کو زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے

انٹرویو: بی بی سی 75

اصل ایشو حصہ داری نہیں، آزادی ہے

انٹرویو: شفیع موسیٰ منصوری 80

مظلوم عوام اور طبقات کو متحد ہونا ہوگا

انٹرویو: دی پوسٹ 87

اس دن کیلئے جینا چاہتا ہوں جب بلوچ ایک منزل پالیں

انٹرویو: وسعت اللہ خان 101

نیت بلوچستان کی آزادی کی ہو تو ہر محاذ پر لڑنا چاہئے

انٹرویو: عبدالحئی کاکڑ 106

سامراج قومی تحریکوں کا دشمن ہے

انٹرویو: ملک سراج اکبر 111

آزادی کا روبار نہیں ہے!

انٹرویو: نرگس بلوچ 117

ڈرون حملے ہمارے زخموں کو کینسر میں بدل دیں گے

انٹرویو: شاہد حسین 126

بیرونی امداد نہیں، اپنے زورِ بازو پہ بھروسہ ہے!

انٹرویو: وسیم بلوچ 130

بلوچستان کا مستقبل سوشلزم ہے!

انٹرویو: وینکس 143

ہمارے پاس لڑنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں

انٹرویو: وینکس 156

نواب مری: اشتراکیت اور مرغوں کی لڑائی

انٹرویو: سیلگ ہیریسن 173

پیش لفظ

عاجزی اور خامشی میں مورچہ بند رہنماء

بے شک اختلاف رکھ کر پڑھیے مگر یہ سوچ کر پڑھیے کہ یہ ایک عام فرد اور ایک عام لیڈر کے انٹرویو نہیں ہیں۔ یہ بلوچستان سے انٹرویو ہیں' بلوچستان کی حالیہ تاریخ سے انٹرویو ہیں۔ اس لئے کہ یہ بندر عباس سے لے کر تونسہ تک کے بلوچوں کے مقبول ترین اور معتبر ترین شخص سے انٹرویو ہیں۔ بلوچوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کی سیاست، اہداف اور حکمت عملی کی بہت ساری جزئیات سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی انہی کی طرح سوچتی ہے۔ یہ ایسے شخص کے انٹرویوز ہیں جس کی قیادت پر اُن تمام لوگوں کو اعتماد ہے جنہیں ایک چیلنج درپیش ہے؛ انقلابی پراسیسوں اور آزادی پہ یقین رکھنے والا چیلنج۔ اور اس شخص نے اُن لاکھوں انسانوں کے اعتماد کو ابھی تک صحیح سالم رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی بلوچستان میں' جہاں الیٹ طبقہ اور سردار حب الوطنی کے کسی بھی احساس سے محروم ہیں اور جو خود ہی اپنے مادرِ وطن کے خلاف عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اُس طبقے سے خود کو جدا رکھنا اور ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کے اعتماد کو برسوں تک قائم رکھنا غیر معمولی کام ہوتے ہیں۔ خیر بخش ایک غیر معمولی انسان ہے۔ اس کے انٹرویوز اسی لئے غور سے پڑھنے چاہئیں۔

اُن کے دادا خیر بخش مری (اول) بلوچوں میں بہت مقبول ہیں۔ وجہ سامراج دشمنی ہے' ظلم کے سامنے، حملہ آور غنیم کے سامنے، ڈٹ جانا ہے۔ جبکہ موجودہ خیر بخش کا نام، شہرت و ناموری، عوام الناس کے دلوں کی گہرائی میں موجود ہے۔ حالانکہ نہ تو وہ اپنے علاقہ میں عوام الناس کے بیچ رہے' نہ کوئی بڑی دعوتیں، جرگے منعقد کئے' نہ وسیع دسترخوان و لنگر رکھا' نہ سرداری رعب و دبدبہ اور کروفر دکھایا' نہ کوئی بڑی ولی اللہ ای دکھائی.....لوگوں میں کتے، مرغے لڑانے والے اور مخالفین کو قتل کروانے والے کے بطور مشہور کئے گئے' اور یہ کہ وہ عام آدمی سے ہاتھ ملانے کے بعد پٹرول سے اپنے ہاتھ دھوتا ہے.....مگر اس سب کے باوجود ایسی لاثانی مقبولیت، ایسا گہرا عقیدہ، ایسا بے کراں اعتماد!! گو کہ اس کے قبیلے کے بزرگ سن لوگ عقیدہ کے بطور انہیں ولی اللہ اور خدائی اوصاف کا مالک گردانتے ہیں مگر میں یہ بات اُن کے قبیلے تک محدود و مخصوص کر رہا ہوں اور نہ بوڑھے لوگوں کی بات کر رہا ہوں' میں عام بلوچ اور بالخصوص نوجوانوں میں اُن کی بے پناہ مقبولیت اور معتبری کی بات کر رہا ہوں۔ اور اگر کوئی کہے کہ عوام جاہل ہوتے ہیں تو کم از کم بلوچوں کی حد تک ایسا درست نہیں۔ وہ تو اپنی ایک ایک بھیڑ کے ایک چھٹا نگ اون تک کے بارے میں باشعور اور حساس ہے۔ وہ پچاس برس تک ایک ایسے شخص کو پوجنے کی حد تک چاہتے ہوں تو کوئی نہ کوئی سبب تو ہوگا' کوئی بات تو

ہوگی۔لوگوں کو وہی لوگ اچھے لگے ہیں جو عام رجحانات کی عکاسی کرے، جو ظالم سے ٹکر لے، جو نا برابری اور نا انصافی سے بھڑ جائے، جو جبر کی آنکھ میں آنکھیں ڈالے.....اور خیر بخش سے ہزار اختلاف رکھیے، انہوں نے یہ تینوں کام تو کئے ہی ہیں۔نواب خیر بخش ہمیشہ سے پاکستان میں حزبِ اختلاف میں رہے۔جب ایسا ہو تو یہاں ''فوج مخالف'' تو رہنا ہی پڑتا ہے کہ دو تہائی عرصہ فوجی حکومت رہی ہے۔اور چونکہ وہ بلوچ عوامی قومی تحریک سے وابستہ رہے اس لئے کثیر القومی ریاست ان کا سب سے مستحکم نظریہ رہا ہے۔اس طرح وہ اُس پورے فلسفہ کے مخالف رہے جس کے تحت اس ملک کو ایک قومی ملک قرار دیا جاتا رہا ہے۔چنانچہ ''مسلمان ایک قوم ہیں'' انہیں کبھی بھی قبول نہیں رہا۔حزبِ اختلاف کا آدمی حکمران کے تمام دوستوں کے خلاف رہا۔یعنی امریکہ، سعودی، سنٹو، سیٹو، نیٹو.....دلچسپ ہے کہ یہ سب سامراجی ادارے اور ممالک ہیں۔اِن تمام تلخ ترین مگر مدلل انٹرویوز میں نواب خیر بخش مری کے فقرے بہت نفیس اور نہایت ہی نپے تلے ہیں۔اُن کی گفتگو میں آپ کو بہت سارے نامانوس اور کبھی کبھی مروج سے زیادہ دُرشت باتیں ملیں گی مگر اُن میں کہیں بھی آپ کو کوئی گھن گھرج نہیں ملے گی، بلکہ لطیف الفاظ بھاری پن میں گندھے ملیں گے۔کوئی بڑے بول نہیں، کوئی بلند بانگ دعوے نہیں۔عاجزی اُن کے ایک ایک جملے سے چھلکتی ہے۔اس عاجزی کو نواب مری نے اپنی پوری زندگی کو اوڑھا دیا ہے؛ لباس میں عاجزی، پاپوش میں عاجزی، پورے طرزِ زندگی میں عاجزی۔سچی بات یہ ہے کہ اس محتاط و عجز بھرے شخص نے کبھی فتوے بازی کی ہی نہیں اور خود کو کسی بھی فتوے سے آج تک بچائے رکھا۔بلوچی زبان پر ناقابلِ یقیں حد تک عبور حاصل ہے۔اُن کا ہر جملہ نپا تلا ہوتا ہے۔خود تنقیدی اُن کا سب سے بڑا ہتھیار رہے۔اُن کے ہر انٹرویو میں آپ کو یہ تنقیدی نکتہ نگاہ ملے گا، ایک تجزیاتی طرز ملے گا۔انہوں نے بھاری بھاری بھرکم اصطلاحات کی بجائے سادہ عوامی زبان میں بات کی ہے۔اُن کا لہجہ بہت دھیما مگر بے حد مضبوط ہے۔

نواب خیر بخش مری اپنی تحریک کو ہر لحاظ سے شہزادہ عبدالکریم کی تحریک کا مترقی اور ترقی یافتہ تسلسل سمجھتے ہیں۔

اِن انٹرویوز میں اُن کی فکر کے پانچ پہلو نمایاں ہیں:

1۔ پہلا پہلو نظریاتی ہے۔آسمان کو چھوتی ہوئی انفرادیت پسندی، بے لگام کنزیومرزم، خود پسندی، بے حسی، بیگانگی، حرص، بیزاری والے سرمایہ دارانہ نظام کو بہت قریب سے دیکھ کر اس بہت ہی محتاط شخص نے سوشلزم کو اپنے اور اپنی قوم کیلئے حتمی منزل قرار دیا ہے۔

2۔ دوسرا پہلو سیاسی ہے۔گرم و سرد چشیدہ اس بزرگ نے اپنے وطن اور عوام کے لئے آزادی کا انتخاب کر لیا ہے۔

3۔تیسرا پہلو طرزِ سیاست کا ہے۔نواب خیر بخش مری (قلم اور جلسہ جلوس کے ذریعے کو ساتھ ملا کر) گوریلا طرزِ جدو جہد کو منتخب کر چکے ہیں۔

4۔نواب مری امریکی سامراج کو پاکستان کا پشت پناہ اور مربی گردان کر اُس کی زبردست مخالفت کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسی دنیا میں بلوچ عوام الناس کے جذبات کے ترجمان ہیں جب دنیا عالمی سرمایہ داری نظام کے عظیم ترین بحران سے گزر رہی ہے' بدترین معاشی تنزل سے اور بہیمانہ سامراجی جارحیت سے گزر رہی ہے۔لہٰذا سامراج دشمنی اُن کے طرزِ فکر کا ایک اہم ستون ہے۔

5۔وہ دنیا بھر کے مظلوموں کے اکٹھے مل کر جدو جہد کرنے کی بات کرتے ہیں۔مگر دوسروں کا انتظار نہیں کرتے۔ اپنی جدو جہد کو اُن کے منظّم ہونے تک کے لئے ملتوی نہیں کرتے۔

یہ سارے پہلو نہ صرف بہت وضاحت مانگتے ہیں بلکہ اِن سے اختلاف بھی کیا جاتا رہا ہے۔ بہت زیادہ بحثوں میں پڑے بغیر، بے تکبر انداز میں، دھیمی رفتار سے چلتے ہوئے نواب مری برسہا برس ثابت قدمی سے غیر محسوس انداز میں اور بغیر بڑی بڑی باتوں کے ایک ایسی تحریک منظّم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں جو اپنی سرشت میں سامراج دشمن، فیوڈل مخالف اور آزادی پسند ہے۔ایک ایسی تنظیم جس کی محسوس کی جاسکنے والی ایک فالوئنگ موجود ہے۔ظاہر ہے ایسی خفیہ انقلابی تنظیموں کی جڑیں اور ان کا ڈھانچہ خفیہ ہی رہتا ہے۔ نچلے ورکر سے لے کر اعلیٰ ترین لیڈر تک سب کچھ خفیہ ہوتا ہے۔مگر عوام الناس کے اندر ایسی تنظیموں کے اعمال واقدامات کی پذیرائی بتاتی ہے کہ یہ تحریک گذشتہ ساٹھ سالوں میں برصغیر کی اچھی خاصی مضبوط تنظیموں میں سے ایک کے بطور سامنے آئی ہے۔واضح رہے کہ برصغیر اور تنظیم سازی بالکل ہی الٹ مظہر ہیں۔مگر، نواب خیر بخش نے انقلابی خطوط پر ایک قبائلی اور بعدازاں بین القبائلی تنظیم کھڑی کر کے ہم سب کے اندازے غلط کر دیے۔اُن کو تاریخ جن باتوں پہ یادرکھے گی اُن میں سے ایک، عوام کی تنظیم سازی ہے۔انہوں نے ایسی باتوں سے ابتدا کی تھی جن میں فلسفہ تو نہ تھا مگر جوز ودفہم تھیں۔'' تیل نکالنے نہ دوں گا، زیر زمین دولت سارے بلوچوں کی ہے، ہم سرکاری چھاؤنی بننے نہ دیں گے۔'' سچی بات یہ ہے کہ عوام کی سمجھ میں، یہ باتیں آسانی سے آجاتی ہیں۔اسی تضاد سے وہ اُس فلسفے کی جانب جائے گا ہی جسے مارکسزم کہتے ہیں۔مکمل طور پر قبائلی لوگ جن میں ذرا ذرا قوم پرستی اور آفاقی انصاف کے اجزاء شامل تھے۔ بلوچ قومی عوامی تحریک کے پاس کوئی اخبار' کوئی ٹی وی نہیں ہے۔حتیٰ کہ اس کے پاس کوئی ایف ایم ریڈیو تک موجود نہیں ہے۔ یہ حتمی طور پر بلوچ قبائلی انداز میں چلنے والی

تحریک ہے۔شہر،شہریت اور شہری لوگ اس کا مخاطب نہیں رہے ہیں۔اطلاعات،خبروں،اور نظریاتی تعلیم کا اس کا اپنا متبادل نظام بن چکا ہے' جو بلوچ قبائلی طرز پر مبنی ہے۔کبھی کبھار کسی ٹی وی چینل یا اخبار کو انٹرویو دے کر نواب خیر بخش مری اپنی تحریک کی نظریاتی اور فلسفیانہ سمت کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔انقلابی تحریکوں کی کامیابی کا ڈیٹ اور ٹائم دینا نا صرف ناممکن ہے بلکہ نامعقول بھی۔لیکن یہ بات حتمی ہے کہ نواب کے اپنے بقول ''ابھی طفلی مرحلے پر موجود'' اس تحریک کو اب برباد نہیں کیا جاسکتا۔بلاشبہ ایک طویل سیاسی پراسیس میں سے وجود میں آنے والی یہ تحریک جو ابھی تک ان کے بقول ''ناپختہ'' ہے' سیاسی عمل کے دوران اپنی وضع،طرز اور صورت تبدیل کرتی رہے گی۔''ایک قدم آگے دو قدم پیچھے والا'' انقلابی داؤ پیچ تو خیر لازمی ہوتا ہی ہے۔اس کے علاوہ زیرِ زمین سے سطحِ زمین تک کی آمدورفت بھی جاری رہ سکتی ہے' مگر بیخ سے اسے اکھاڑنا' اب ناممکن ہے۔اور جو بھی شکل عوامی تحریک اختیار کرے گی،اس کے خمیر کا بڑا حصہ اسی تنظیم وفلسفہ سے ہوگا۔ہمارا خطہ انقلابات اور اتھل پتھل کے لحاظ سے دنیا کے ہر گوشے سے زیادہ تجربہ رکھتا ہے۔نواب مری (پیدائش کاہان، 28 فروری 1929ء) ابھی دودھ پیتے بچے تھے کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔کنیزوں اور سوتیلی ماؤں کے دودھ اور دیکھ بحال کی بدولت مرنے سے بچے رہے۔اُن کا نام ان کے دادا کے نام پر رکھا گیا جو ایک زبردست سامراج دشمن سردار تھے۔1933ء میں ابھی محض چار سال کے تھے کہ والد (سردار مہراللہ خان) کا انتقال ہوگیا۔قبیلہ دوداخان کی قائم مقام سرداری میں چلا گیا اور کم سن خیر بخش دوہری یتیمی کی گود میں۔انگریز نے اس توقع سے (چیفس کالج لاہور میں) تعلیم وتربیت کی کہ دادا (خیر بخش اول) کے برعکس ایک ''سدھرا نواب'' میسر ہوگا۔ مگر یہ نوجوان (1950ء میں سردار بنا۔سردار جو قبیلے کا سماجی،معاشی،آئینی اور سیاسی سربراہ ہوتا ہے) انگریز کے کام بھی نہ آیا۔اور انگریز کے بعد کے جاں نشینوں کو تو یہ شخص بہت مہنگا پڑا۔یہ سردار ایوب دور تک قومی سطح کی سیاست سے دُور محض ایک سردار رہا۔ایک مشرقی بڑے قبیلے کی مخصوص حکمران والی خوش مزاجی' خوش خوراکی' خوش لباسی' خوش سواری۔اور پھر ایوب کو پٹرول پینے کا شوق چڑھا' مری نے بلامشروط ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ڈائن ایوب نے ایک بار پھر بلوچستان کو فوج اور فوجی کاروائی سے آشنا کر دیا۔اور یوں ایک بے پرواہ اور مست نوجوان سردار سیاست میں دھکیلا گیا۔جو غم،تکلیف اور برداشت کا جہنم ہوتی ہے،اُس آگ میں تپ کر وہ لاابالی نوجوان سردار گرم وسرد چشیدہ ہو گیا۔یہ سیاسی شخص اپنے آج کے فیصلے تک یونہی نہیں پہنچا بلکہ سیاست کے سفر کے ندی نالوں،پیچ وخم اور اونچ نیچ کی چکی میں پس کر موجودہ سیاسی موقف تک آ گیا۔

نواب خیر بخش مری اپنے بلوچ سیاسی رفیقوں اور غیر بلوچ آٹھ سیاسی پارٹیوں کے متحدہ محاذ میں پاکستانی سیاست کے نشیب وفراز سے گزرے۔ اس کے ہر ذائقہ اور رنگ سے تجربہ لیتے رہے۔ پارلیمنٹ ممبر رہے۔ اور ایسے نتائج حاصل کرتے رہے جو خالصتاً اُن کے اپنے تھے۔ بالخصوص 1960ء کی دہائی کے آخری نصف اور 1970ء کی دہائی کے پہلے نصف پر مشتمل اُن کی زندگی کے دس سال بہت تیز رفتار اور بنیادی فیصلوں کے سال رہے۔ گوریلا جنگ اُن فیصلوں میں سے ایک تھا۔

یہ گوریلا جنگ ہے تو کیوبا، کاسٹرو اور چے گویرا سے متاثر لیکن اِس کا طرز کیوبا اور ویت نام دونوں جیسا رہا ہے۔ یہ دلچسپ ہے کہ آج کا بلوچ نوجوان کیوبا کو پڑھتا ہے، ویت نام کو نہیں۔

فوجی کاروائیوں، مارشلاؤں، جیلوں، مذاکرات، بحثوں اور مطالعہ نے نواب مری کی معلّمی کی۔ گو کہ انہوں نے ووٹ اور پارلیمنٹ کی سیاست کبھی ترک نہ کی مگر اُسے واحد حل جاننے سے وہ دُور ہی ہٹتے گئے۔ حتیٰ کہ مشرف کے آخری الیکشن میں انہوں نے پارلیمانی سیاست کو حتمی طور پر بے کار قرار دیتے ہوئے اس میں اپنی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا نہ کیا۔

چنانچہ ''ون یونٹ توڑ دو'' سے سیاست شروع کی' (آج پشیمانی سے اُس کا تذکرہ کرنے کے باوجود) نیپ میں سیاست کرتے رہے۔ حیدرآباد سازش کیس بھگتا۔ فرانس، برطانیہ اور افغانستان جلاوطن رہے۔ سرخ وسفید چہرہ اور مثالی صحت پہ داڑھی سفید ہوگئی' پیر نے لاٹھی کے سہارے کا بنا دیا' عمر 90 سال کی حد میں داخل ہوگئی' تب ہوتے ہوتے وہ حتمی طور پر ایک ''آزاد بلوچستان'' کے نکتے تک پہنچے۔

ظاہر ہے سیاست پیری فقیری کی بجائے پیہم جدوجہد اور تجربات کا نام ہے۔ سیاست میں لیڈر اور عوام الناس دونوں سیکھتے رہتے ہیں۔ اور اس سیکھے ہوئے تجربے کو مزید تجربات میں جھونک کر مزید سیکھتے رہتے ہیں۔ اس طرح کر کر کے نظریات، سیاست، اور تنظیم تینوں واضح تر ہوتے جاتے ہیں، شفاف تر ہوتے جاتے ہیں..... یہی کچھ بلوچ تحریک کے ساتھ ہوا۔

نظریاتی تدریس وتعلیم کا اُن کا انداز بھی خالصتاً مقامی، بلوچی اور قبائلی ہے۔ قبیلہ کے سردار کی حیثیت میں دو چار، دس بارہ حاضرین اپنے ذاتی مسائل اور تنازعات کے تصفیے کے لئے ہمہ وقت موجود ہوتے ہی ہیں۔ اُن کی شنوائی بھی ہوئی اور ساتھ میں سٹڈی سرکل بھی لے لیا۔ بعد میں انہوں نے اسے باقاعدہ شکل دی اور ایک کتاب لے کر

اس کے دو چار صفحات پر بحث ومباحثہ کیا۔اسے ''بلوچ حق توار'' کا نام بھی دیا گیا۔لیکن یہ زیادہ کامیاب نہ ہوا تو انہوں نے پہلا والا طریقہ دوبارہ شروع کیا۔وہ محفل میں موجود آٹھ دس افراد پر مشتمل حاضرین سے خود سوال کرتے ہیں' خود جواب دیتے ہیں۔حاضرین آدھے اونگھ رہے ہوتے ہیں، آدھے آنکھوں میں چمک لیے سنتے جاتے ہیں۔اُن کی پوری بات کوئی بھی نہیں سمجھ پاتا۔لیکن بات کی جست پلے باندھ ہی لیتا ہے۔اسی لیے وہ ''فلاسفر''، ''کنفیوز'' اور حتیٰ کہ ''جان بوجھ کر کنفیوژ'' کے القابات پاتے رہے ہیں۔

نواب خیر بخش مری سیاست میں معلّمی والا کام کرتے رہے۔عوامی جلسے اُن کی دھیمی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے۔گو کہ جلسے جلوسوں اور تقریروں کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے مگر ایک قبائلی معاشرے میں انہوں نے قبائلی طرز ہی رکھی جس میں ایک خاص بھاری پن موجود ہے۔اُن کے پاس پہلے سے موجود قبائلی تنظیم موجود تھی جسے انہوں نے نصف صدی لگا کر، بے شمار کمر توڑ غلطیاں کر کر کے، بہت سی پسپائیاں کھا کھا کر، بالآخر ایک ایسی تنظیم میں ڈھال دیا جس کی ترکیبِ عناصر، نظریاتی اساس اور دائرہ کار قبائلی سے بڑھ کر اب نیم قبائلی نیم انقلابی اور نیم قومی بن گئے۔

نواب خیر بخش مری کی زبان بہت ڈسپلن میں رہتی ہے۔اس نصف صدی میں روس، چین مناقشہ ہوا' یہ رہنماء خاموش تھا' بھٹو، ضیا الحق بن کر لیغاری اور تارڑ بنا مگر نواب مری پریس اور پبلک میں چپ ہی رہے' افغانستان میں انقلابی کرسی کے صدر نشیں بدلتے رہے مگر یہ لیڈر کچھ نہیں بولا..... اِس لیڈر پر سوشلزم کے چونے میں سرداری نظام کو قائم رکھنے کا الزام لگا تب بھی یہ کچھ نہیں بولا' اپنے قبیلے کو علم وترقی سے روک کر اپنی سرداری مستحکم رکھنے کی جگر بُرتہمتوں پہ بھی وہی خاموشی جاری رکھی اور انقلاب وآزادی کے نام پر مخالفین کو قتل کرتے رہنے کی عام کھسر پھسر کے سامنے بھی وہ گویا نہ ہوئے۔

ایک پر تجسس خاموشی!! کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ شخص اصل میں ہے کیا؟ کیا وہ ایک فیوڈل لارڈ ہے؟، سرداری نظام کا سب سے بڑا دفاع کرنے والا ہے؟، وار لارڈ ہے؟، انارکسٹ ہے؟، یا پھر ایک مارکسسٹ ہے؟۔بس ایک زمانے میں اُن کا اپنی واسکٹ پہ ایک طرف لینن اور دوسری طرف ماؤزے تنگ کا بیج لگانا ہمیں یاد ہے' وہ بھی پچھلی صدی میں ستر کی دہائی کے اوائل میں۔یا پھر سوبھو گیان چندانی کی یہ گواہی (اور وہ بھی چند افراد تک محدود) کہ Heis one of the finest revolutionaries of the world۔ملتی رہی۔۔۔۔اور یا پھر سائیں کمال

خان شیرانی کا یہ فقرہ چند افراد کو لفاظیوں بھری قیاس آرائیوں سے بچاتا رہا؛ میڑہ مڑکہ مڑانہ مہ پُٹو ہ (’بہادر کو بے شک قتل کر دو مگر اس کی بہادری کو نہ چھپاؤ‘) اُس کے بعد مکمل خاموشی۔

نواب مری ناواقف سے بہت دیر بعد گھل مل جاتے ہیں۔صحافی ،لکھاری، بحثی سے تو بہت محتاط رہتے ہیں ۔وہ اپنا متبادل نظام قائم کر کے اسی پر چلتے رہنے میں قانع اور ثابت قدم رہتے ہیں۔

گو کہ نواب خیر بخش اپنی سیاست کے متعین کردہ ہر نکتے پر حساس ہیں مگر انہیں سب سے زیادہ فکر اس وقت ہوتی ہے جب قوم پرستی کے ہی نام پر، انقلاب کے ہی نام پر، اور سوشلزم کے ہی نام پر الجھاؤ اور کنفیوژن پیدا کرنے کی کوشش ہو۔وہ بے رحمی سے ایسی کوششوں کو ناکام کرتے ہیں۔ بلوچستان کی ساری بورژوا سیاسی پارٹیاں نواب کی شدید ترین تنقید کے نشانے پر رہی ہیں۔

نواب مری نے اپنے تلخ مقدر کے ساتھ کہیں نہ کہیں ایک معاہدے پر دستخط کر رکھے ہیں۔اور وہ دونوں اس معاہدے پر سختی سے کاربند چلے آرہے ہیں۔نواب کا عہد یہ تھا کہ وہ منہ سے کچھ نہیں بولے گا‘ اس کا مسلسل عمل ہی اُس کی زبان ہوگی۔غیر دوستانہ مقدر نے انہیں اپنے ہم سیاست دوستوں اور مخالفوں کی بہ نسبت لمبی عمر اور اچھی صحت عطا کر کے دانشوروں اور سیاسی ورکروں کو اُن کے مسلسل عمل کے گرد جمع کر ڈالا۔اور آج صورت یہ ہے کہ دل میں درجنوں سوالات وتحفظات رکھتے ہوئے بھی نظریاتی طور پر شیر اور بکری دونوں اُن کے فلسفے کے گھاٹ سے پانی پیتے ہیں۔

خاموشی کے بے شمار مورچوں میں بند اِس رہنما نے اب کہیں جا کر موجودہ اشاعت میں شامل آخری انٹرویو میں کھل کر مستقبل کے بلوچستان میں سوشلزم کے نظام کے نفاذ کی بات کی۔اسی انٹرویو میں انہوں نے سرداری نظام کے احیا کے امکانات کو دفن کر دیا۔اور امریکی سامراج کی بھرپور مخالفت کی۔اسی حوالے سے وہ تنظیم یا پارٹی میں شخصیات کی بہ نسبت نظریے کو اولیت دینے کی بات کرتے ہیں۔

اسی طرح ان انٹرویوز میں نواب مری نے قلم و کاغذ، تقریر و تحریر اور جلسہ جلوس کی اہمیت کو بھی گوریلا طرزِ جدوجہد میں جگہ دی ہے۔

اس قدر مقبول اس شخص کی ایک بہت بڑی صفت یہ ہے کہ وہ خود پہ کبر و تکبر سوار ہونے نہیں دیتے۔نہ وہ اپنے نام کے ساتھ ’’استاد‘‘ لگانے دیتے ہیں، نہ وہ ’’بابو‘‘ ہیں، نہ پیر و مرشد ہیں۔وہ نہ تو کسی کو پیر چھونے دیتے ہیں، نہ

ہاتھ کو بوسہ دینے دیتے ہیں اور نہ ہی وہ ''شیرِ بلوچستان'' ہیں۔ وہ انتہائی حلیم الطبع، منکسر المزاج، سادہ اور قابلِ رسائی شخص ہیں۔

سچ ہے کہ فیوڈل (فرد اور ادارہ) جتنی بھی کوشش کرے سوشلسٹ اخلاقیات نہ تو اختیار کر سکتا ہے اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ بورژوازی کی سیاسی اور عسکری شکست کے لئے انقلابی کو اپنی اخلاقی برتری ہمیشہ قائم رکھنی پڑتی ہے۔ سوشلسٹ اخلاقیات اور بورژوا اخلاقیات (سامراجی، سرمایہ دارانہ، فیوڈل، یا ماقبل جاگیرداری) اُتنے ہی مختلف ومتضاد ہیں جتنا کہ نظریہ جتنا کہ سیاست۔

کم سنی کی یتیمی سے لے کر لاوارث بلوغت تک اور بلوغت سے لے کر بڑھاپے کی جدوجہد تک اس شخص نے بہت کم خوشی خود تک آنے دی ہے۔ اب اس بزرگ سنی میں تو حد ہی ہوگئی۔ درد کے تقدس کا ایک بہت ہی تلخ' اور بڑا پیالہ اُن کے حصے میں آیا۔ ابھی 20 نومبر 2007ء کو چھ بیٹوں میں سے ایک' گھر سے، ڈاکٹر سے، عیادت سے، جنازہ سے اور (شاید) مستقل قبر سے محروم، زندہ نہ رہا۔ اندازہ ہوسکتا ہے کہ جگر کے ٹکڑے کو چیر کر الگ کر دینے سے کتنی تکلیف پہنچی ہوگی۔ اس بوڑھے دانا نے بقول مارکس؛ ''ہر طرح کی بدقسمتی دیکھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے ابھی تک پتہ نہ تھا کہ دکھ کیا ہے، اب مجھے معلوم ہوا کہ دکھ یہ ہے۔'' بیٹے کی موت نے اس کی روح و بدن لرزا دیے ہیں۔ تکلیف' جو ہر گھڑی ساتھ رہتی ہے۔۔۔۔ درد جو عدم تک روح کا حصہ رہتا ہے۔۔۔۔ اشرف المخلوقاتی خصوصیت (آنسو) رکتے نہیں رکتی۔۔۔۔ غم جس کی طوالت نہ ناپی جاسکتی ہے اور نہ تولی جاسکتی ہے۔۔۔۔ دُکھ جو ہالہ بنائے زندگی بھر ساتھ رہے گا!۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری

عرضِ مرتب

مُستند دستاویز

نواب مری نے ہی اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ 'ہم آج تک اپنے قومی اہداف کا تعین نہیں کر پائے' وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ایسے قومی رہنماؤں سے ہی محروم رہے ہیں جنہوں نے بطور قوم ہماری تعمیر و رہنمائی کی ہو۔ ہم قبائل میں بٹے رہے اور اسی لئے ہمارے رہنماء بھی قبائلی رہنماء تو رہے، قومی رہنمائی نہ کر سکے۔ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں کہیں جا کر یہ کفر ٹوٹا اور قومی تحریک کے حالیہ ابھار نے قوم کو ایک ایسا راہشون (رہبر) میسر کیا جو قومی رہنماء کے تمام اوصاف سے مزین ہے۔

نواب خیر بخش مری بلاشبہ آج بلوچ قوم کے وہ واحد قومی رہنماء ہیں جن کے کردار پر ان کے سیاسی و فکری مخالفین بھی انگلی نہیں اٹھا سکتے۔ نہایت کم گو یہ رہنماء ایک طویل عرصے سے اس بدنصیب قوم کے قافلے کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، جس کے مسافر اب تک ایک رستے کا تعین نہیں کر سکے۔ بلوچ کا نصیب دیکھیں کہ ایک عرصے تک یہ ایک قومی لیڈر سے محروم رہے اور جب لیڈر میسر آیا تو ایسا درویش منش کہ بولنے کی بجائے عمل پر یقین رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 'گوریلا جنگ بذاتِ خود ایک تربیت ہے۔' پہاڑوں میں رہنے والے بلوچ کے لئے تو یہ بات صد فیصد درست ہے لیکن جدید شہری زندگی کا حصہ بننے والی نئی نسل، جو فطرت سے دور ہونے کے باوصف ان فطری ذرائع تربیت سے محروم ہو چکی ہے، بحث و مباحثہ مانگتی ہے، دلیل طلب کرتی ہے۔ کمپیوٹر ایج کا نوجوان، ایک ایٹمی ریاست سے نہتے لڑنے کا جواز چاہتا ہے۔ عالمی دنیا بھی تحریک کی نظریاتی بنیادیں تلاش کرتی ہے۔ ان تمام سوالوں کے جواب انفرادی طور پر بھی دیے جا سکتے ہیں، لیکن معاملہ جب اجتماعی ہو تو رائے بھی اجتماعی ہی مستند مانی جاتی ہے، اس لئے ہم اس اکلوتے مستند قومی رہنماء کی گفتگو بطور سند لائے ہیں۔

سچ پوچھئے تو ان انٹرویوز کو میں نے مرتب نہیں کیا محض جمع کیا ہے۔ ایک سیاسی کارکن کے طور پر، جو اپنے لیڈر کے ہر قول کو سند کی طرح سنبھال کر رکھتا ہے، یونیورسٹی کے زمانے سے لے کر میں بھی اپنے اس لیڈر کی ہر بات جہاں نظر آتی، محفوظ کر لیتا۔ اس لئے یہ نہ تو کوئی باضابطہ مجموعہ ہے نہ کوئی باقاعدہ تحقیق پر مبنی کوئی مواد۔ اسی لئے شاید آپ کو بعض انٹرویوز کے مکمل حوالے بھی نہ ملیں؛ کہ اصل انٹرویو خدا جانے کس نے کیا اور کہاں چھپا، مجھے جہاں سے

رسائی ہوئی، میں نے وہی ذریعہ جانا اور اسی کو بطور حوالہ استعمال کیا ہے۔ تاریخِ اشاعت کا ضرور خیال رکھا ہے اور اسی ترتیب سے انہیں رکھا ہے تاکہ یہ جانا جا سکے کہ کہنے والے نے کس سن میں کیا بات کہی۔ اس کے علاوہ جہاں مناسب سمجھا معمولی سی ایڈیٹنگ کر دی لیکن اپنی طرف سے کہیں کوئی اضافہ یا سینسر نہیں کیا، ماسوائے اس کے کہ انٹرویوز کی سرخیوں کو کتاب کی مناسبت سے اخباری کی بجائے 'کتابی' بنانے کی کوشش کی ہے۔

ان تمام اداروں اور افراد کا تو میں شکر گزار رہوں ہی جن کی اجازت کے بغیر ہم نے ان کے انٹرویوز کو کتاب کا حصہ بنا دیا۔ معروف بلوچ دانشور ڈاکٹر شاہ محمد مری کا خاص شکریہ کہ انہوں نے بنا کسی حیل و حجت کے ایک بامعنی پیش لفظ لکھ کر اس کتاب کا صحیح تعارف کروانے میں ہماری مدد کی۔ اور ان تمام دوستوں کا شکریہ جو اِن بکھری ہوئی تحریروں کو یکجا کرنے سے لے کر ان کی کتابی صورت میں اشاعت تک معاون رہے۔

کاش کہ ہم اسی سپرٹ کے ساتھ اپنے تمام قومی رہنماؤں کے افکار کو اپنی اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے اسی طرح یکجا کر کے سامنے لانے میں کامیاب ہو سکیں!!

سلام صابر

تشدد کا عمل **متشددانہ** ردعمل پیدا کرتا ہے

رپورٹ	:	مختار حسین
ذریعہ	:	ہفت روز لیل و نہار، لاہور
اشاعت	:	3 جون 1973ء

نواب خیر بخش مری کہنے کو تو نواب ہیں لیکن نہ ان کے ہاں نوابوں والی ٹھاٹھ باٹ ہے اور نہ ان میں نوابوں والی خوبی۔ وہ خود بھی نواب کے بجائے مری قبیلے کا سردار ہونے پر فخر کرتے ہیں، لیکن مزاج اتنا انکسار ہے کہ لفظ فخر بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا، انہیں ملک کے سب سے بڑے اور جنگجو قبیلے کا سردار ہونے کا اعزاز حاصل ہے، اور حقیقت یہ اعزاز ہے کیونکہ مری سردار، جاگیردار یا ''اوورلارڈ'' کی طرح نہیں، بلکہ اپنے قبیلے کا رہبر اور جمہوری رہنماء ہوتا ہے جسے بلوچ رسم ورواج اور روایات اور قبائلی جمہوریت کی نہ صرف پابندی کرنا پڑتی ہے بلکہ اپنے آپ کو ان روایات کا امین اور اس کا درخشندہ نمونہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اسے شجاعت، صداقت اور عدالت کے اصولوں پر کاربند سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے وہ مریوں کا آئیڈیل ہوتا ہے۔ مری سردار کی اپنے قبیلے میں بے پناہ عزت ہوتی ہے۔ روایت مشہور ہے کہ کوئی مری خدا کی قسم کھا سکتا ہے، سردار کے سر کی قسم نہیں کھاتا، اس لئے بے پناہ قوت کے باوجود مری سردار وڈیروں کی طرح کسی کی بیوی، بہو، بیٹی پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ قبیلے ''معتبرین'' (یہ اسی جمہوری طرز پر نچلے قبائلی رہنماء ہیں) سے مشورہ کیے بغیر کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ مری قبیلے میں ان روایات کا یہ نتیجہ تھا کہ مری، انگریز کے آگے جھکے اور نہ بکے۔ انگریزوں نے مری سردار کو نواب کا خطاب برصغیر کے دیگر نوابوں کی طرح برطانوی سامراج کی کسی خدمت کے عوض نہیں دیا، بلکہ قبیلے کو مطمئن اور خوش (APPEASEMENT) رکھنے کی پالیسی کا نتیجہ تھا، لیکن انگریز سردار کو خوش کر کے کبھی اس سے سامراجی خدمات نہ لے سکے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران جب انگریز نے بلوچستان سے فوج بھرتی کرنا چاہی، تو جناب خیر بخش مری کے دادا خیر بخش مری نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں فرنگیوں کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اسی طرح بلوچستان کے بلوچ مسلمانوں کی مرکزیت کے آخری سیاسی ادارے عثمانی خلافت کا خاتمہ کرنے والے مجرمین کی فہرست میں شامل ہونے سے محفوظ رہے۔ یہ وہ وقت تھا جب برصغیر بھر کے صاحبان جُبّہ ودستار مصلحت اندیشی کا شکار ہو کر انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنے کے فتوے دے رہے تھے۔ اس کہستانی مردِ مسلمان نے بے مثال فراست کا مظاہرہ کیا۔ جنگ عظیم اول ہی کے دور میں سبّی کے شاہی دربار میں بلوچستان کے لاٹ صاحب (ایجنٹ گورنر جنرل) نے بلوچ سرداروں کے عوام میں ذلیل ورسوا کرے اور وفاداری کا امتحان لینے کے لئے اپنی بگھی کھینچ کر ریلوے اسٹیشن تک لے جانے کو کہا تو پورے بلوچستان کے سرداروں میں نواب مری کے دادا ہی تھے جنہوں نے شرفِ انسانیت کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس ذلّت میں شریک ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد مری قبیلے پر فوج کشی اور ظلم وستم کے جو طوفان

ڈھائے گئے، وہ الگ داستان ہے لیکن مرحوم خیر بخش مری پورے بلوچستان کے ہیرو بن گئے۔ بلوچستان کے شاعروں نے اردو، سندھی، سرائیکی، براہوئی اور بلوچی میں اس واقعہ پر نظمیں کہیں جن میں بلوچی نظم ''لاٹ ءِ بگھی'' آج بھی دشت و بیابان میں صفتِ سیل روان چلنے والے بلوچوں کو ولولہِ تازہ عطا کرتی ہے۔

اسی خیر بخش کے پوتے اور سردار مہراللہ کے بیٹے خیر بخش مری ہیں۔ وہ فروری 1951ء میں قبیلے کے سردار بنے۔ ان کے والد جوانی میں ہی (پیٹ پر معمولی سے پھوڑے کے) آپریشن کے دوران وفات پا گئے تھے۔ ان کے چچا میر دودا خان مری ان کے ایجنٹ مقرر کیے گئے۔ سردار خیر بخش مری کو اپنی تاریخ پیدائش معلوم نہیں کیونکہ بلوچوں میں تاریخ پیدائش یاد رکھنے کا رواج نہیں۔ سرٹیفکیٹ پر ان کی جو عمر لکھی گئی وہ زیادہ تھی، جس کی وجہ ان کے والد کے کسی وفادار کارندے کی یہ خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد سرداری کی پگڑی باندھنے کے قابل ہو جائیں۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کے بی (نواب خیر بخش مری، بے تکلف دوستوں کے حلقے میں اسی نام سے پکارے جاتے ہیں) تعلیم کے دوران کھیل کود میں ایک بھی انعام حاصل نہ کر سکے، کیونکہ انہیں اپنی عمر سے بڑے اور اونچے لمبے لڑکوں کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوتا تھا۔ جناب خیر بخش مری اب جب اپنے لمبے تڑنگے اور مضبوط جسم کے دیکھتے ہیں تو انہیں کھیلوں میں انعام حاصل نہ کرنے کا تھوڑا سا افسوس ہوتا ہے کہ اگر انہیں اپنے ہم عمر لڑکوں سے کھیلنے دیا جاتا تو وہ بہت سے انعامات حاص کرتے۔ اب انہیں سیاست سے مشکل درپیش ہے کہ انہیں صحیح سمجھا نہیں جا رہا، اس لئے صحیح کھیلنے بھی نہیں دیا جا رہا۔

سردار خیر بخش مری نے 1946 میں ایچی سن کالج (جسے جیفس کالج بھی کہتے ہیں) لاہور سے میٹرک کیا۔ 1947 سے 1950 تک انہیں "بلڈاپ کورس" سے گزرنا پڑا۔ یہ خصوصی طور پر ان کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور اس کے تحت انہیں مسلح افراج کے تینوں شعبوں، برّی، بحری اور فضائی اور پولیس۔ ریونیو اور انتظامیہ وغیرہ میں کچھ عرصہ تربیت حاصل کرنا تھی۔ پہلے انہوں نے کراچی کے نیول ہیڈکوارٹرز میں بحریہ کی تربیت حاصل کرنا شروع کی لیکن پانچ ماہ بعد ہی ایک حادثے کی وجہ سے اسے چھوڑنا پڑا۔ ہوا یہ کہ جناب خیر بخش تربیت کے دوران کراچی میں آغا خان پیلس میں مقیم تھے۔ ان دنوں معروف مسلم لیگی رہنماء اور قائداعظم کے دست راست قاضی محمد عیسیٰ اور ان کے برادر بزرگ قاضی محمد موسیٰ (بعد میں جن کی بیٹی نواب مری سے بیاہی گئی) بھی آغا خان پیلس میں رہائش پذیر تھے۔ جناب خیر بخش مری کو ان کے سینئر افسر مسٹر حسن نے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ شام کو اپنی قیام گاہ پر جایا کریں۔ ایک شام کو کیا ہوا کہ بحریہ کی پولیس کا ایک دستہ آغا خان پیلس پہنچ گیا اور جناب خیر بخش مری کو بتایا گیا کہ وہ مفرور ہو کر یہاں پہنچے ہیں، اس

لئے دستہ انہیں گرفتار کرنے کے لئے آیا ہے۔ سردار خیر بخش نے انہیں بتایا کہ وہ تو رہتے ہی یہاں ہیں، انہیں گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود ہی جانا پسند کریں گے۔ سردار مری صاحب بحریہ کے ہیڈ کوارٹر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کے سینئر افسر نے انہیں قواعد کے تحت نہیں، دوستی کے جذبے میں شہر رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ سردار خیر بخش نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے خیر خواہ سینئر افسر کے کیریئر کو تباہ نہیں ہونے دیں گے اور سارا قصور اپنے ذمے لے لیں گے، چنانچہ ایسا ہی کیا، لیکن ان پر بہت سی پابندیاں لگ گئیں اور چھٹی کے دن بھی اس جزیرے سے باہر جانے کی اجازت نہ ملتی تھی، جہاں نیول ہیڈ کوارٹر تھا حتیٰ کہ ایک روز انہیں جزیرے کے ساحل پر گھومنے پھرنے سے بھی روکا گیا۔ یہ آخری پابندی نوجوان خیر بخش کو بہت کھلی اور نصف رات کو وہ چپکے سے نکلے اور نتائج سے بے پروا کھلے سمندر میں چھلانگ لگا کر ساحل کی طرف تیرنے لگے۔

جناب خیر بخش بہت اچھے تیراک ہیں اور اس رات ان کی اس صلاحیت کا امتحان تھا، ڈیڑھ میل تیرنے کے بعد انہیں لنگر انداز خالی کشتی مل گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے لیکن رات کے اندھیرے میں راہ تلاش نہ کر سکے۔ پو پھٹنے پر انہوں نے اپنے آپ کو گہرے سمندر میں پایا۔ دُور سے آتی ہوئے مچھیروں کی ایک کشتی کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تا کہ راستہ دریافت کر سکیں لیکن جیسے ہی مچھیرے ان کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے اتنے سویرے دُور سمندر میں ساحل کا راستہ دریافت کرنے والے داڑھی والے نوجوان کو دیکھا تو اس پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا گمان کیا اور "جاسوس جاسوس" کا شور مچا کر کشتی دُور سے دُور تر لے جانے لگے۔ سردار خیر بخش نے دیکھا کہ اردو بولنے کے باوجود مچھیروں کی غلط فہمی دور نہیں ہو رہی تو انہوں نے بلوچی میں پکارا اتفاق سے ایک مچھیرا بلوچی سمجھتا تھا، اس نے ساحل کی سمت اور انداز بتایا، جناب خیر بخش بمشکل ساحل تک پہنچے لیکن ساحل پر وہ جس جگہ پہنچے وہاں انہیں کافی فاصلہ کم گہرے پانی میں چلنا پڑا۔ وہاں بہت سی جھاڑیاں تھی، اس طرح پاؤں خاصے زخمی ہو گئے۔ بہر حال اسی صبح آغا خان پیلس پہنچے اور قاضی عیسیٰ کو بتا دیا کہ نیوی کا کورس نہیں کریں گے۔ ان کے مخالفین کا خیال ہے کہ اگر انہیں آج بھی تنگ کیا جائے تو وہ اسی طرح نتائج سے بے پرواہ ہو کر میدان میں کود پڑیں گے اور اس طرح ان پر کھلا وار کرنے کا موقع مل جائے گا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ سردار خیر بخش مری جو 42 سال کی عمر ہی میں اپنے تمام بال سفید کروا بیٹھے ہیں کبھی اس قسم کے ردعمل کا شکار نہیں ہوں گے۔ سترہ اور بیالیس سال درمیان پچیس سال کا عرصہ ہے اور سردار خیر بخش کے بال اسی لئے قبل از وقت سفید ہو گئے ہیں کہ انہوں نے سختیوں کو سہنا اور ردعمل کا شکار نہ ہونا سیکھا ہے۔

کراچی سے واپس کوئٹہ آ کر وہ ایک برس تک بلوچ رجمنٹ سے تعلق رہ کر انفنٹری (پیدل فوج) کی تربیت لیتے رہے۔ ان دنوں کوئٹہ کے انفنٹری اسکول و دیگر ایک سواسّی زیر تربیت افسر بھی تھے، جنہیں وہ آج بھی یاد کرتے ہیں۔ سردار خیر بخش کو تربیت کے اختتام پر فوج میں کمیشن کی پیش کش کی گئی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد سلابھر پولیس، ریونیو اور انتظامی امور کے تربیت کے لئے کوئٹہ میں ان محکموں سے منسلک رہے۔ پھر انہیں ائرفورس میں اٹھارہ ماہ کے تربیتی کورس کی دعوت دی گئی لیکن مری قبیلے میں کچھ ایسے حالات رونماء ہوگئے کہ انہیں بطور سردار اپنے فرائض سنبھالنا پڑے۔ سردار خیر بخش مری آج بھی فضائیہ کی تربیت حاصل نہ کرنے پر تاسف کا اظہار کرتے ہیں۔

1955ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، 62 میں نیپ کو اپنایا۔ 62 سے 65ء تک کے دور میں 156 ارکان کی قومی اسمبلی میں بلوچستان سے دو رُکن (دوسرے قلات ڈویژن سے سردار عطاء اللہ مینگل) تھے۔ ان دونوں نے ایوبی آمریت کو جس طرح للکارا، وہ پاکستان کی قومی تاریخ کا ایک قابل فخر باب ہے۔ ایوب خان کے پورے دور میں سردار خیر بخش مری کو ایک طرف سرداری سے برطرف کیا گیا اور ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے تو دوسری طرف گورنر موسیٰ کے دور میں سرداری بحال کی گئی اور پھر ترغیب و تحریص کی انتہاء کر دی گئی لیکن جناب خیر بخش ثابت قدم رہے اور آمریت سے تعاون کرنے سے انکار کیا۔

ایوبی آمریت کا خاتمہ ہوا اور عام انتخابات منعقد ہوئے تو وہ پورے صوبے میں واحد شخص تھے جو قومی اسمبلی اور صوبائی دونوں نشستوں پر کامیاب ہوئے۔ قومی اسمبلی میں ان کا حلقہ سات سو میل طویل تھا اور پنجاب سے ایران کی سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پورا ضلع سبی، تحصیل کوئٹہ اور ضلع چاغی شامل تھا۔ صوبائی اسمبلی میں وہ کوئٹہ چھاونی اور کوئٹہ تحصیل کے دیہاتی حلقے سے کامیاب ہوئے۔ گذشتہ دنوں آئینی ضرورت کے مطابق قومی اسمبلی کی نشست سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا تھا لیکن جیسے ہی قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں نشستیں برقرار رکھنے کی گنجائش کا اعلان کیا گیا انہوں نے قومی اسمبلی میں بھی بدستور اپنی نشست برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے حلقے میں بلوچ، پشتون، پنجابی، مہاجر اور فارسی بولنے والے سبھی شامل تھے لیکن انہوں نے بے مثال کامیابی حاصل کی۔ بالخصوص صوبائی حلقے میں تو بلوچ اقلیت میں تھے لیکن انہوں نے اسی بلوچستان میں جہاں نسلی اور لسانی گروہ بندیاں انتخابات کو پوری طرح متاثر کر رہی تھی سبھی لسانی گروہوں سے ووٹ حاصل کیے۔ اگرچہ بعض لوگ اس کی یہ وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سردار خیر بخش مری

کی والدہ کوہلو کی زرکون پشتون تھیں اور پھر وہ ان کی شادی پشین کے معزز پشتون گھرانے (قاضی فیملی) میں ہوئی ہے۔ اس لئے پشتون جناب خیر بخش مری کو اپنے قریب محسوس کرتے ہیں۔

نواب صاحب کی شخصیت میں حجاب کا پہلو نمایاں ہے وہ نام ونمود اور پبلسٹی سے دور بھاگتے ہیں، اخباری نمائندوں سے کتراتے ہیں، انٹرویو کی درخواست کی جائے تو ٹال جاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے خیالات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے کسی کو اس عظیم تر بلوچستان کی کوئی گم گشتہ کڑی نظر آجاتی ہے اور کوئی صاحب ہماری گفتگو سے علیحدگی پسندی کا ناقابل تردید ثبوت حاصل کر لیتے ہیں۔

راقم الحروف نے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ پریس کے نمائندوں سے ملنے میں گریز اتنہا پسندی نے ان کے بارے میں عجیب سی فضاء پیدا کر دی ہے۔ ان کی خاموشی کو پُراسرار قرار دیا جاتا ہے۔ سردار خیر بخش نے کہا: "ہماری حالت تو اس شخص جیسی ہے، جو اگر خرچ نہیں کرتا تو اسے کنجوس اور کیا کچھ کہا جاتا ہے اور اگر خرچ کرنے لگتا ہے تو اسے فضول خرچ اور اس کے ذرائع آمدن کو مشکوک کہنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ میں اگر نہیں بولتا تو کہا جاتا ہے کہ دیکھ لیجیے اس کے دل میں کچھ اور ہے، اسی لئے یہ کچھ کمنٹ نہیں کرنا چاہتا اور اگر بولوں تو کہا جاتا ہے اسی لئے زیادہ بول رہے ہیں کہ جو کچھ دل میں ہے اسے لوگوں سے چھپایا جاسکے۔" میں نے انہیں عرض کیا کہ میں اسی صورت حال کو ختم کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ہمارے ہفت روزے نے قومی شخصیات، ان کے خیالات اور واقعات کی صحیح تصویر پیش کرنے کی روایت قائم کی ہے۔

سردار خیر بخش مری نے اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "ہمارے ملک میں بدقسمتی سے سیاسی جماعتوں کی طرح سیاست میں سرگرم افراد کے انفرادی مطالعہ کا رواج نہیں ہم ایک ٹائپ (سانچہ) بناتے ہیں اور پھر لوگوں کی شخصیتوں کو توڑ مروڑ اور مسخ کر کے اس ٹائپ میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھ پر بلوچ قوم پرستی اور قبائلیت کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن کبھی کسی نے یہ مطالعہ کرنے یا معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میں اپنی انفرادی زندگی میں ایکٹیو فعال مری ہوں یا ایکٹیو بلوچ، اور پھر ایکٹیو بلوچ ہوں یا ایکٹیو پاکستانی۔ دوسرے قبائل کے ساتھ مریوں کے تنازعے ہوتے رہے ہیں۔ دوسرے قبائل کو چھوڑیے، اگر صرف مری بگٹی جھگڑوں میں میرا رول و کردار دیکھا جائے تو سب کچھ واضح ہوسکتا ہے۔"

سردار صاحب فلسفیانہ ذوق رکھتے ہیں، چنانچہ اس مرحلہ پر انہوں نے خود ہی گفتگو فارم آف اسٹرگل (طرز

جدوجہد) کی طرف موڑ دی اور پھر اسے موجودہ حالات پر منطق کیا، وہ کہہ رہے تھے کہ " کسی تحریک کی کامیابی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ملک کے سارے علاقوں میں یکساں اور مشترکہ طور پر چلائی جائے، ایک لائحہ عمل ہو۔ اگر ملک کے مختلف حصوں میں فارم اسٹرگل مختلف ہوجائے تو وہ تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کسی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے فارم آف اسٹرگل کیا ہو؟ اسے آئینی ذرائع سے چلایا جائے یا مسلح جدوجہد کی جائے لیکن اس کا فارم (طرز) ملک بھر میں ایک ہی ہونا چاہیے۔ تاریخ کے دائرے میں یہ کبھی ضروری نہیں رہا کہ جمہوری تحریک پرامن اور آئینی رہی ہو۔ سپین میں آمریت کے خلاف عوام نے جنگ لڑی لیکن ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم اپنے ملک کے مختلف صوبوں میں جمہوری حقوق کی بحالی کے لئے کون سی مشترکہ طرز جدوجہد اختیار کرسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے بلوچستان میں بعض لوگوں کو مسلح جدوجہد سے کامیابی کا امکان نظر آتا ہو لیکن دوسرے صوبوں پنجاب، سندھ اور سرحد میں یہ طرز جدوجہد نہیں چل سکی، میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ ان حالات میں جمہوری حقوق کی خاطر مسلح جدوجہد کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ مسٹر بھٹو ہماری جمہوری جدوجہد کو ملک بھر کی جمہوری جدوجہد سے الگ کرکے کچلنا چاہتے ہیں۔ بلوچستان میں فوج کے استعمال سے وہ یہی مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں یہ موقع حاصل ہے کہ بلوچستان میں سیاست کا اندازہ قبائلی یا نیم قبائلی ہے۔ بلوچ قبائل کو انگیختہ کرنا نہایت آسان ہے اور حکومت صرف یہ تاثر دے کر کہ وہ تھانہ اور پولیس لاکر بلوچی روایات کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے، قبائل کو ردعمل کے راستے پر ڈال سکتی ہے اور قبائلی ردعمل ہمیشہ مسلح ہی ہوتا ہے اور پھر اسے ہمارے سر تھونپ کر حکومت من مانی کاروائیاں کرسکتی ہے بعض بلوچ قبائل میں تو اتنا ہی کافی ہے کہ حکومت کی طرف سے ارادہ ظاہر کردیا جائے کہ ان کے علاقے میں سڑک بنائی جارہی ہے آپ دیکھیں کہ اگر مری علاقے پر فوج کشی کی گئی۔ تو حکومت کی طرف سے کہا جائے گا کہ ہم علاقے میں سڑکیں بنانا چاہتے ہیں اور تعمیر وترقی کے دیگر کام کرنا چاہتے ہیں لیکن ان میں رکاوٹ ڈالی جارہی ہے۔ آپ اس سے اتفاق کریں گے کہ سڑکیں تعمیر وترقی کا بنیادی عامل ہیں۔ پھر آخر آپ نے نیپ حکومت کے زمانے میں جب ایسی صورتحال نہ تھی مری علاقے میں سڑکیں نہ بنوائیں؟ ہم نے سلسلہ کلام کو توڑنے کی معذرت کرتے ہوئے کہا۔

سردار مری نے کہا" میں سڑکوں کی تعمیر کے خلاف نہیں لیکن قبائل کے لوگ اسے نہیں سمجھتے، انہوں نے آج تک یہی دیکھا کہ سڑک ان کے لیے ملیشیاء، پولیس اور تھانہ لاتی ہے، ان کے پاس رسم ورواج کا خاتمہ ہوجاتا ہے، جسے وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے سڑک کے فوائد والے پہلو نمایاں ہوتے ہیں، وہ

اس کے اس قدر خلاف نہ رہتے۔ میں ان مری قبائل کا رہبر ہوں یا یہ سمجھ لیجیے کہ ان کی ٹیم کا کپتان ہوں۔ مجھے ان پر اپنی مرضی ٹھونسنے کا اختیار حاصل نہیں، نیپ کی حکومت کے دوران مری علاقے میں سڑک کا مسئلہ مری قبیلے میں زیر بحث آتا رہا۔ وہ سڑک کے فوائد کے تو قائل ہو جاتے لیکن سڑکوں سے آنے والے نقصانات کا راستہ روکنے کا کوئی ذریعہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور اگر ہم اس کے لئے کوئی ضمانت دینا چاہتے تو وہ انہیں قبول نہ ہوتی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مرکز میں نیپ کی ہوسٹائل (دشمن) حکومت قائم ہے اس لئے نیپ کی ضمانتیں ان کے کام نہیں آئیں گی۔ میں کہتا ہوں جب صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے کے بارے میں یہ تسلیم کرلیا گیا کہ وہ قبائلیوں کی مرضی کے بغیر کوئی ترقیاتی کام درست نہیں، تو مری اور بعض دوسرے بلوچ قبائل کے بارے میں یہی رویہ کیوں نہیں اختیار کیا جاتا۔ سرحد کا قبائلی خطہ تو مرکز کے زیر انتظام ہے کیا آپ بھی ان بلوچ قبائل کو مرکز کے زیر انتظام رکھنا چاہتے ہیں۔

جواب آیا "میری منشاء ان بلوچ قبائل کے علاقے کو مرکز کی تحویل میں دینا ہرگز نہیں۔ میری تجویز تو صرف اتنی ہے کہ صوبائی حکومت اور انتظامیہ بعض بلوچ قبائل کے بارے میں حقائق کو مدنظر رکھے لیکن ممکن ہے کہ کئی برسوں کے آہستہ آہستہ عمل کے بعد وہ سڑک اور دیگر ذرائع مواصلات کے قائل ہو جائیں لیکن یہ بھی ہوگا جب انہیں یقین ہوگا کہ سڑک، اسکول، ہسپتال اور عام فائدے کے دوسرے ادارے تو لائے گی لیکن تھانہ پولیس نہیں لائے گی۔ بلوچ قبائل کے لئے سب سے زیادہ برانگیختہ کرنے والی بات یہ ہے کہ تھانہ پولیس آنے کے بعد سیاہ کاری اور بلوچی غیرت و خمیت سے متعلق معاملات اور گھریلو تنازعات میں بھی اوروں کو عمل دخل ہو جائے گی۔ پولیس اور عدالت کو ایسے معاملات میں عورتوں پر اختیار حاصل ہوگا۔ یہ تمام صورت حال ایک بلوچ قبائلی کے لئے بلوچی رسم و رواج اور روایات کی رُو سے اتنی اہانت آمیز ہے کہ وہ اسے کسی قیمت پر قبول نہیں کرسکتا۔ کالا باغ نے بھی ہمیں سمجھنے میں سخت غلطی کی۔ اس کا خیال تھا بلوچ سردار پنجاب کے مالک زمینداروں کی طرح ہیں اور ہمارے لوگ مزارعوں کی مانند ہیں کہ ہمیں ہٹا دیا جائے گا تو ہمارے لوگ خدا کا شکر ادا کریں گے کہ انہیں سخاوت ملی۔ ملک کو برسوں تک اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اب بھی اس نوعیت کی غلطی کو دہرایا جارہا ہے۔ حیرانی ہوتی ہے لاہور اور کراچی کے اہل علم اور دانشور بالخصوص اس کا مطالعہ کرنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

نواب صاحب یہ خوب ہے کہ آپ خود تو گوشۂ تنہائی میں رہتے ہیں، نہ کسی کو بلاتے ہیں اور نہ خود کسی سے ملنے جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ مشہور ہے کہ آپ کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے اور الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ مجھے اپنا اور

بہت سے دوستوں کا شکوہ پہنچانے کا موقع ملا۔

نواب صاحب دریافت کرنے لگے کہ کب انہوں نے کسی کی دعوت منظور نہیں کی۔ میں نے چند ایک مواقع یاد دلائے۔ سردار خیر بخش مری جو دھیمی آواز میں گفتگو اور ہلکی سی مسکراہٹ سے کبھی آگے نہیں بڑھتے، کھل کر مسکرانے لگے، ان دعوتوں میں عدم شرکت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا" چھاؤنی اسکوائش کھیلنے جاتا ہوں، وہاں معلوم کر لیجیے کہ میں دعوتوں میں شرکت کرتا ہوں یا نہیں۔ ایک دور میں شاید ہمارے اسی میل جول پر جنرل موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ مجھے وہاں اسکوائش نہ کھیلنے دی جائے، پھر ہنستے ہوئے کہنے لگے، مشہور کرنے کا کیا ہے، لوگوں نے میرے بارے میں یہ بھی اڑا رکھا تھا کہ میں پنجاب جاتا ہوں، تو وہاں کا پانی تک نہیں پیتا۔ بلوچوں کی روایت ہے کہ جب تک پورا تعارف نہ ہو، کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ بس میں بھی ذرا اس کا خیال رکھتا ہوں۔ میاں بشیر احمد (جواب جنرل اکبر خان کی ملکی سلامتی کے خاتمے کے بعد امن امان کے نئے شعبے کے سربراہ ہیں۔) جب یہاں پولیس کے اعلیٰ ترین افسر تھے، مجھ سے ملے، بہت سی باتیں ہوئی۔ آغازِ گفتگو میں نظریہ پاکستان اور اپنے کہنے کی پاکستان کے لئے خدمات کا ذکر کر رہے تھے اور اس پر بہت نازاں تھے، جب گفتگو اختتام پر پہنچی تو کہنے لگے کہ آپ جتنے اچھے بلوچ ہیں اتنے ہی اچھے پاکستانی اور مسلمان ہیں بلکہ آپ مجھ سے اچھے مسلمان اور پاکستان ہیں، میں نے انہیں کہا کہ وہ اپنی اس رائے کا ہمارے متعلق بنائی خفیہ فائلوں میں اندراج کریں، تو کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے میں تو حکومت کی مشینری کا حقیر سا پُرزہ ہوں، میں جرات کیسے کر سکتا ہوں، آپ کے متعلق خفیہ فائلوں میں برسوں سے تسلسل کے ساتھ ایک ہی بات لکھی جا رہی ہے۔ میں کیسے اس کے برعکس لکھ سکتا ہوں اور اگر اپنی رائے لکھ بھی ڈالوں، تو اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوگا، مجھے بھی آپ کے ساتھ شمار کیا جانے لگے گا اور میری فائل میں لکھ دیا جائے گا کہ یہ "پیروئے خیر بخش مری" ہے۔

نواب صاحب سوچ میں ڈوبے ہوئے کہنے لگے: مجھے یقین ہے لاہور اور کراچی کے دانشوروں اور صحافیوں سے روابط قائم کر کے انہیں بات کی تہہ تک پہنچایا جا سکتا ہے کیونکہ ان میں ذہنی تحفظات سے بالاتر ہو کر سوچنے سمجھنے والے لوگ موجود ہیں لیکن وہاں بھی ان کے لئے یہ مسئلہ ہوگا کہ پچیس برس سے ہمیں مسلسل بدنام کیا جا رہا ہے اور اب حکومت کے تمام ذرائع اسی کام میں مصروف ہیں، تو وہ کیسے برسوں کی پختہ پروس سے ہٹ کر بات کرنے اور لکھنے کی جسارت کریں۔ کون ہماری بدنامیوں میں شریک ہوگا؟

فارم آف اسٹرگل کے بارے میں ابھی جناب مری اپنی بات مکمل نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ پھر اسی

موضوع کی طرف پلٹے اور کہا" جدوجہد کو غیر ملکی اثرات سے محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس طرح یہ ملک کے اندر تبدیلی کی جدوجہد کے بجائے فارن ڈپلومیسی (غیر حکمت عملی) کا حصہ بن جاتی ہے اور اپنا اصل مقصد کھو بیٹھتی ہے۔ مسٹر بھٹو بلوچستان میں جو صورتحال پیدا کئے ہوئے ہیں، اس کا غالباً ایک منشاء یہ بھی ہے کہ ہماری جمہوری جدوجہد کو یوں تباہ کیا جائے کہ اس پر غیر ملکی سائے پڑنے لگیں۔"

میں نے اس موقع کو عظیم تر بلوچستان کے بارے میں سوال کے لئے مناسب جانا اور عرض کیا کہ بعض غیر ملکی طاقتیں پاکستان، ایران اور افغانستان کے بلوچ علاقوں پر مشتمل ایک ریاست کے تصور کا پروپیگنڈہ کر رہی ہیں جس کی سرحدیں روس کی سرحد سے بحیرہ عرب تک پھیلی ہوئی ہوں، یہ تصور بڑا دلکش بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

جواب ملا" آج بلوچوں کو اچھے شرائط پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک سلسلہ یہ بھی ہے لیکن پاکستان کا ٹوٹنا جتنا پاکستان کے لئے نقصان ہوگا اتنا ہی نقصان وہ بلوچوں کے لئے ہوگا۔ یہ ملک بلوچوں کا نیوکلس (محور-مرکز) ہے، یہاں حقوق کے لئے لڑمرنا بہتر ہے لیکن اسے توڑ دینا بلوچوں کے مفاد میں نہیں۔ دنیا کو دیکھئے ایک ہی لسانی اور ثقافتی وحدت سے تعلق رکھنے والے لوگ مختلف ساورن (آزاد) ملکوں میں رہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بلوچوں کو سب سے اچھی ٹرمز کہاں مل رہی ہیں۔ وہ ایران یا افغانستان نہیں بلکہ پاکستان ہی ہے۔ جہاں بلوچوں کو دوسرے ملکوں سے بہتر ٹرمز مل رہی ہے۔ یہاں ہمارا اپنا صوبہ اور صوبائی حکومت ہے۔ یہ ماڈل (نمونے) کی نہیں لیکن دوسرے ملکوں میں تو کچھ بھی نہیں۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ مختلف ملکوں کے بلوچوں کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ میں تو ان سب بلوچوں کو پاکستانی سمجھتا ہوں، پاکستان بلوچوں کا نیوکلس ہے اگر کوئی بادشاہ ان کے حقوق غصب کرے گا تو وہ قدرتاً پاکستان کی طرف دیکھیں گے اور پھر ہمیں ان کے حقوق کی دیکھ بھال کرنا ہوگی۔ اگر اس طرح کوئی عظیم تر بلوچستان بنا۔ تو وہ پاکستان کے اندر ہوگا۔ ہم اپنے پاکستانی بھائیوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم اسی پاکستان میں رہیں گے۔ ہرگز باہر نہیں نکلیں گے، نہ باہر سے کسی کی مدد مانگیں گے، ہم آپس میں لڑیں گے تو فیصلے بھی ہم ہی کریں گے البتہ میں یہ ضرور کہہ دینا چاہتا ہوں ایک ملک رکھنے کے جدوجہد بھی مشترکہ کی جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان اس لئے بنگلہ دیش بنا کہ ہماری اور ان کی جدوجہد مشترکہ نہیں رہی تھی۔"

گفتگو بنگلہ دیش کے موضوع کی طرف بہہ رہی تھی، ان کی جماعت کا موقف زیر بحث آیا اور ان کی ذاتی رائے بھی سامنے آئی۔ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ ان کے نزدیک بنگلہ دیش کو بے دھڑک تسلیم کر لینا دانش

مندی نہیں۔ بنگلہ دیش حقیقت سہی لیکن دیکھنا یہ ہے کہ بنگلہ دیش کیسے حقیقت بنا؟ بقول ان کے حقائق صرف تسلیم کرنے کے لئے نہیں ہوتے، بلکہ ان پر غور بھی کیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا تھا، بنگلہ دیش ہماری کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم مغربی پاکستانی جمہوری حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والے بنگالیوں کے ساتھی بنتے، تو بنگلہ دیش وجود میں نہ آتا، انہوں نے اپنی رائے کے حق میں جہاں اور دلائل پیش کئے، وہاں یہ مثال بھی دی۔ مثلاً اگر کل روس یا کسی غیر ملکی طاقت کی مدد سے "پشتونستان" وجود میں آجائے تو کیا اسے بھی اسی طرح حقیقت قرار دیتے ہوئے تسلیم کرلیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم ملک تقسیم کرنے میں آلہ کار بن رہے ہیں۔ انہوں نے اس کے لئے انگریزی کی اصلاح Instrumental for dismembrement استعمال کی۔

باقی ماندہ پاکستان میں چار قومیتی نظریے کے بارے میں سوال کرتے ہوئے ان سے دریافت کیا گیا کہ اس طرح صوبوں کی لسانی تشکیلِ نو کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا، تو یہ صورت حال موجودہ حالات میں ملک کے مفاد میں ہوگی اور یہ بھی کہ بہت سے لوگ چار قومیتی نظریے کے روسی نظریات کا حصہ خیال کرتے ہیں؟

سردار خیر بخش مری نے کہا "بلوچ تو قبائلی ذہنیت رکھتے ہیں، قومیت کے ذریعے ہم انہیں محدود قبائلی نقطہ نظر سے بلوچ قومیت سے نسبتاً وسیع تر دائرے کی طرف لانا چاہتے ہیں۔ پاکستانی قوم تو اس سے وسیع تر انسانیت کی عالمی اور آفاقی بنیادوں پر یعنی اسلام کی بناء پر وجود میں آئی ہے۔ بلوچ قومیت، بلوچ قبائل میں اس وسیع تر انسانی بنیادوں کا ذہن پیدا کرنے کا پہلا مرحلہ بن سکتی ہے۔ ابھی ملک میں اس مسئلے کو سمجھنے سمجھانے کے لئے پرچار ہونا چاہیے کیونکہ ابھی تک ایسی صورت حال رہی ہے کہ اس مسئلے کو صحیح صورت حال میں پیش کیا گیا، اس لئے کہ ذہن اس بارے میں الجھے ہوئے ہیں لیکن ہمیں امید ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نظریہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔ ہمیں روسی نظریات نقل کرنے کی ضرورت ہے، روسی دستور میں قومیتوں کے لئے علیحدگی کے اس حق کی ضرورت نہیں، پھر ہمارے خاص جغرافیائی حالات ہیں کہ ہر صوبے کی حدود کسی نہ کسی غیر ملک سے ملتی ہیں، جب کہ روس میں ایسا نہیں، چنانچہ اپنی جغرافیائی مجبوریوں کی وجہ سے بھی قومی سلامتی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس معاملے میں روسی نظریات کی پیروی نہ کریں۔ باقی رہی صوبوں کی لسانی تشکیل نو کی بات تو میرذاتی رائے یہی ہے کہ اس وقت تشکیل خطرناک ثابت ہوسکتی ہے، جس میں اندرونی اور بیرونی حالات کے علاوہ یہ بھی ہے کہ شاید ملک بھر کے لوگ اس کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ اس وقت قومیت کے مسئلے کو چھیڑنا، پنڈورا بکس کھولنے کے مترادف ہوگا۔"

مری علاقے میں معدنیات بالخصوص بڑی مقدار میں تیل اور گیس کے پائے جانے کے وسیع آثار موجود ہیں۔ میں نے اس ضمن میں سوال کیا کہ کہا جاتا ہے مری علاقے کی معدنی دولت کو اس لئے بھی ابھی تک بروئے کار نہیں لایا جا سکا کہ آپ کی طرف سے کچھ ایسی شرائط پر اصرار کیا جاتا ہے جو حکومت کے لئے قابل قبول نہیں اور پھر یہ بھی کہ آیا معدنیات کے امکانات کہاں کہاں موجود ہیں؟

نواب صاحب بولے "زیادہ تر تیل اور قدرتی گیس کا امکان ظاہر کیا جاتا ہے۔ انگریزوں نے اپنے دور میں کٹھ منڈائی سے تیس بتیس میل دور کھٹن نامی جگہ سے ڈوآئل کے کئی بیرل حاصل کئے تھے، بعد میں اس کا معلوم نہیں کیا بنا، دوسرا مقام جو معدنیات کے لئے مشہور ہے وہ بھنبور کا پہاڑ ہے۔ مجھے اک دفعہ وہاں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو بتایا گیا کہ گھاٹیوں میں سے کئی جگہ گیس نکلتی ہے اور انہی گھاٹیوں میں کئی مقامات پر زمین آلود ہے لیکن میں نے خود جا کر ایسی جگہیں نہیں دیکھیں۔ یہ تو سنی سنائی باتیں ہیں، معدنیات کا صحیح اندازہ ماہرین ہی لگا سکتے ہیں۔

میری طرف سے ان معدنیات کے نکالنے میں کوئی خاص شرط نہیں رہی البتہ یہ ضرور ہے کہ مری قبیلے کے لوگ اسے اپنی چیز سمجھتے ہیں اور ان معدنیات کے وہاں سے نکالے جانے پر کچھ شرائط اور دعوے رکھتے ہیں۔ مثلاً بعض قبائلی نوکریوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بعض مستقل رائلٹی چاہتے ہیں اور اصل بات یہی ہے کہ معدنی دولت کو نکالنے سے پیشتر مری قبائل کو اس پر راضی کرنا ہوگا۔ میری طرف سے تو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس سارے معاملے میں اہم تر بات یہ ہے کہ مرکز اور صوبے کے درمیان یہ طے ہونا چاہیے کہ معدنی دولت کس کے اختیار میں ہوگی یا اس کے استعمال وغیرہ کی کیا صورت ہوگی۔ ذاتی طور پر تو میں نیپ کے منشور کا پابند ہوں جس میں معدنیات کا اختیار تسلیم کیا گیا لیکن اگر ایک وقت کوئی چیز ملک اور عوام کے مفاد میں نہیں تو مرکز اور صوبے کو اس کی صورت باہمی رضامندی سے ہی طے کرنا چاہیے۔

یہ تاثر کہاں تک درست ہے کہ آپ کے مسٹر بھٹو سے تعلقات انتہائی ناخوشگوار ہیں؟ میں نے دریافت کیا۔ جناب خیر بخش مری کہنے لگے "بھٹو صاحب سے ہمارے اختلاف اصولی ہیں، اگر کسی وجہ سے تعلقات ناخوشگوار ہیں تو اس کی وجہ انہیں ہی معلوم ہوگی۔ میں طبعاً گستاخ نہیں، ہر ایک کا ادب کرتا ہوں۔ صدر بننے کے بعد ایک بار انہوں نے ایک عہدے کی پیش کش کی تھی تو میں نے کہا تھا پارٹی ہی اس کا فیصلہ کرے گی پھر ایک ایک بار گفتگو کے لئے بلایا گیا تو میں نے گزارش کی تھی کہ اپنی پارٹی سے اجازت کے بغیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح انہوں نے کھانے کی دعوت دی تو

میری عرض یہی تھی کہ یہ معاملہ بھی سیاسی نوعیت کی ہے۔اس کے لئے بھی پارٹی سے مشورکرنا ہوگا۔"

پورے بلوچستان بالخصوص مری علاقے میں فوجی اقدام کی سی صورت حال ہے اس موقع پر آپ اہل وطن سے کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہیں؟ میرا آخری سوال تھا۔

سردار خیر بخش مری نے کہا"ابھی تک میں اپنے قبیلے میں قبائلی طرز کے ردعمل کو روکنے کی کوشش کرتا رہا ہوں لیکن حکومت کے غلط اقدامات کے بعد میں نہیں جانتا کہ کہاں تک اس میں کامیاب رہوں گا۔بات یہ ہے کہ تشدد کا عمل متشددانہ ردعمل پیدا کرتا ہے۔میں اہل وطن سے درخواست کروں گا کہ بلوچستان کے عوام کو اس بات کی سزا دی جارہی ہے کہ ہم آمریت کا کھلونا بننے سے انکار کرتے ہیں اور اپنے جمہوری حقوق کے جدوجہد کررہے ہیں۔ہمیں اس جدوجہد میں اکیلے نہ رہنے دیناورنہ ہم بھی برباد ہوجائیں گے اور یہ ملک بھی تباہ ہوجائے گا۔ہمارے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دوتا کہ ان ہاتھوں کو شل کردیا جائے جو ملک کا گلا گھونٹنے کے لئے بڑھ رہے ہیں۔"

نواب مری کا **افغانستان** واپسی

کے بعد پہلا انٹرویو

ذریعہ : ہفتہ وار جریدہ "زندگی"

اشاعت : 1993ء

نواب خیر بخش مری پونے تین گھنٹے پہاڑی چشمے کی طرح رواں گفتگو کرتے رہے۔ان کی باتیں پہاڑی چشموں کے پانی کی مانند شفاف تھیں۔رضا کارانہ جلاوطنی ختم کرانے کے بعد گذشتہ برس موسم گرما میں جب وہ کابل سے اسلام آباد آئے تھے تو کوئٹہ روانگی سے پیشتر ان سے ملاقات میں انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب وہ ملکی حالات اور بین الاقوامی معاملات پر کچھ کہنے کا فیصلہ کریں گے تو سب سے پہلے راقم کو انٹرویو دیں گے۔اب جون کے دوسرے عشرے میں جب میں کوئٹہ گیا تو 13 جون کی شام ان کی قیام گاہ پر ساڑھے سات بجے سے رات سوا دس بجے ان کی باتیں سنتے رہے۔آغاز میں کچھ دیر ان کے ذاتی دوست اور ان کے دوست کے بیٹے بھی شریک مجلس تھے، بعد میں راقم الحروف اور کوئٹہ میں میرے خالہ زاد بھائی اور صحافی ماجد فوز تھے اور ہم پاکستانی تاریخ کے اس منفرد کردار اور فلسفی نواب خیر بخش مری کی باتیں سنتے رہے۔ہم سوال کرتے رہے وہ جواب دیتے رہے۔وہ اپنے پرانے مخصوص فلسفیانہ انداز میں گفتگو کرتے رہے لیکن ان کی باتیں نئے معنی لیے ہوئے تھیں۔تیرہ سالہ رضا کارانہ جلاوطنی کے دوران فلسفی سردار بے پناہ تجربات سے گزرے ہیں جن سے ان میں ایک نئی سوچ پیدا ہوئی ہے۔بہادر اور شجاعت تو وہ ہمیشہ تھے، اب وہ اپنی اسی اخلاقی جرات کا اظہار افغان جدوجہد آزادی کے حوالے سے نواب محمد اکبر خان بگٹی نے کیا تھا۔بلوچستان کے تیسرے طاقتور سردار جناب عطا اللہ مینگل نے ابھی تک چودہ برس پیشر والی سیاسی اپوزیشن پر جامد ہو کر رہ گئے ہیں۔بہر حال اب جب یہ تینو سردار ایک بار پھر اپنے وطن کی سرزمین پر موجود ہیں تو ان کا رویہ نہ صرف بلوچستان بلکہ پورے پاکستان کی سیاست پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور بلوچستان میں تو لوگوں کی نظریں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ وہ مشترکہ یا الگ الگ کیا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں۔نواب مری اب تک سوچ و بچار کے مرحلے سے گزرے ہیں۔پونے تین گھنٹے کی اس تفصیلی ملاقات کے بعد ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے اس احتیاط سے بات نہیں کی جو انٹرویو میں ملحوظ رکھی جاتی ہے لیکن ہمارا کہنا تھا کہ یہ احتیاط اب ہم خود کر لیں گے، چنانچہ انہوں نے اس کو رپورٹ کرنے کی اجازت دیتے ہوئے اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں کہا کہ میں نہیں جانتا کہ اس سے لوگوں کو کچھ فائدہ ہوگا لیکن ہمارا یقین تھا کہ ان کے خیالات سے آگاہ ہونے کے لئے پورے پاکستان میں بالعموم اور بلوچستان میں بالخصوص انتظار اور اشتیاق پایا جاتا ہے۔گفتگو کے آغاز میں نواب خیر بخش مری اپنی جلاوطنی 1979 اور اب کے حالات میں معاشرتی سطح پر رونماء ہونے والے فرق کو موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھے۔"سوسائٹی کے ایک طبقے میں روپے کا سیلاب آ گیا ہے، جس نے بنیادی قدروں کو اپنی زد میں لے لیا ہے۔بہت سے لوگوں کی سوچ کا انداز ہ بدل گیا ہے۔یہ ایسا "فنامنا" ہے جو سیاسی سطح پر بھی

اثر انداز ہوا ہے۔ معاشرتی اور سیاسی سطح پر اس چیز نے صورتحال ہی تبدیل کر دی ہے۔ پیسہ ضرورت ہے لیکن اب وہ حاوی ہو گیا ہے۔" ان کا کہنا تھا "معاشرے میں محدود طبقے خوشحالی اور روپے پیسے کی فراوانی ہے، جس کے اثرات بہت گہرے اور دُور تک مار کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میں درست ہوں لیکن میرا خیال ہے اس معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ نواب خیر بخش مری اس ضمن میں اتنے متفکر تھے کہ تقریباً پون گھنٹہ معاشرے میں اس کے اثرات پر بات کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ معاشرے کے ایک حصے میں روپے کی ریل پیل کی بنیادی تغیرات پیدا کرنے شروع کر دیے ہیں۔ یہاں سے ان کی گفتگو کا رخ " گلوبل کیپٹل ازم " (عالمی سرمایہ داری) کی جانب مُڑ گیا تھا۔ انہوں نے سوالیہ انداز میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا" پاکستان گلوبل کیپٹل ازم کی اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے اور اسکے علاقے اس کڑی کے مزید چھوٹے حصے ہیں اور گلوبل کیپٹل ازم کی یہ مشین حرکت کر رہی ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر حرکت کر رہی ہے۔ اس بڑے پُرزے (ملک) کی کوئی مرضی نہیں تو آگے ان چھوٹے حصوں کی مرضی کیا ہوگی؟ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ گلوبل کیپٹل ازم کی اس بالادستی کو قبول کرتے ہیں؟

نواب خیر بخش مری کا جواب تھا: میں یہ صورتحال تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن ان تمام معاملات پر سوچنا ہوگا۔ ایک دوسرے کی پوزیشن کو سمجھتے ہوئے صورتحال کا مکمل ادراک کرتے ہوئے، لیکن اس کے لئے بھی ہمیں کوئی سسٹم بنانا ہوگا۔ اس کے بعد ملکی حالات پر اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں بات کرنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے: یہاں تو ابھی یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ کون فیصلہ کرے گا کہ عوام کا فیصہ درست تھا یا غلط۔ یہاں تو یہ ہو رہا ہے کہ عوام اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں اور ان کی حکومت کو برطرف کر دیا جاتا ہے اور یہ گذشتہ پانچ برسوں میں تیسری بار ہوا ہے۔ یہ تیسری حکومت ہے جسے منتخب ہونے کے بعد برطرف کر دیا گیا۔ یہ کون فیصلہ کریگا کہ حکومت کو معزول کر دینا چاہیے اور اگر عوام کا فیصلہ غلط تھا یا غلطی کر رہے تھے تو یہ بات کون طے کرے گا، ایک شخص یا سسٹم ہونا چاہیے؟

نواب خیر بخش مری سوال کر رہے تھے " کیا ہم ووٹ کی اہمیت اور قدر سے واقف ہیں؟ شاید ہم لوگ ایسے وعدوں پر ووٹ دیتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں گیس آجائے گی، سڑک تعمیر ہو جائے گی یا کوئی اور کام ہو جائے گا۔ ایسے ہی مفادات کی خاطر ووٹ استعمال ہوتا ہے۔ یہ اہم چیز ہے۔ اس پر غور ہونا چاہیے، کیا ایسا درست ہے یا یہ بات ہے کہ ابھی ہم تاریخ کے اس مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ جب ان فائدوں کو حاصل کرنے کے لئے ووٹ استعمال ہوگا اور اسے غلط نہیں سمجھا جائے گا۔"

ان سے رضا کارانہ جلاوطنی کے دور کے متعلق میں نے سوالات کیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہاں یہ مشہور ہے کہ پیرس اور لندن میں پاکستانی سفارتخانے میں آپ آپ کے اہل خانہ کے پاسپورٹوں کی توسیع میں لیت ولعل سے کام لیا گیا جس کے بعد آپ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا کہ آپ ماسکو چلے اور پھر وہاں سے کابل پہنچ گئے۔ کیا یہ سب درست ہے؟

"میں ماسکو نہیں گیا تھا بلکہ براہ راست کابل گیا تھا۔" نواب مری چند لمحوں کے لئے رکے اور کہنے لگے: "دیکھیے! میں نہیں جانتا کہ آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے میں نے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ میں ماسکو کے راستے کابل نہیں گیا تھا۔ میں براہ راست کابل گیا تھا اور یہ بات نہیں تھی کہ لندن اور پیرس میں پاکستانی سفارتخانوں نے ہمارے پاسپورٹوں اور دیگر کاغذات کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ ڈالی تھی لیکن برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں کی جانب سے میرے لئے کچھ مشکلات تھیں۔ برطانیہ جاتا تو وہاں کی انتظامیہ کے لئے مسائل تھے۔ یہی حال فرانس میں تھا۔ ادھر اُدھر جانے میں مجھے کافی مشکلات پیش آرہی تھی۔ بات یہ تھی کہ میں باہر کہیں سیاسی پناہ نہیں لینا چاہتا تھا۔

میرا سوال تھا: کیا یہ دقت (مشکل) دونوں ملکوں میں پیش آرہی تھی اور آپ کہاں رہنا چاہتے تھے؟

نواب خیر بخش مری نے کہا: میرا فرانس کے بارے میں یہ گمان تھا کہ وہاں میری طرح کے لوگ جا کر آرام سے رہ سکتے تھے کہ انسانی آزادیوں کے حوالے سے فرانس کے بارے میں یہ مشہور تھا لیکن کچھ ایسا ثابت نہ ہوا۔ پھر میں نے لندن کے بارے میں سوچا لیکن وہاں مسئلہ تھا کہ میں برطانیہ میں سیاسی پناہ طلب کرنا نہیں، صرف رہنا چاہتا اور جب دونوں ملکوں میں یہ ممکن نظر نہ آیا میں نے کابل جانے کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ میں نے خود کیا تھا۔ کابل میں اس سے چند برس پہلے مری قبیلے کے بہت سے لوگ چلے گئے تھے، اس لئے بھی وہاں جانا چاہتا تھا۔

جناب! آپ کابل کیوں گئے، آپ پاکستان بھی آسکتے تھے؟

نواب خیر بخش مری کا کہنا تھا: "میں اس وقت وطن واپس کیوں نہ آیا، یہ سوال آئندہ کیلئے ملتوی کردیں، میں ابھی اس پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ کابل مجھے جانا ہی تھا۔ نواب مری خاموش ہوگئے، شاید وہ اس خطہ زمین، پاکستان اور افغانستان واقع ہیں، میں سوشلزم اور کارل مارکس کی تھیوری کی عملی شکل کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ ان کی خاموشی کا مطلب تھا کہ وہ اپنے تجربات کے متعلق اس وقت یا براہ راست جواب نہیں دینا چاہتے تھے، چنانچہ میں نے ایک اور پہلو سے سوال کیا۔

"کابل میں آپ نے اپنے لئے کچھ آسانی محسوس کی؟"

ان کا کہنا تھا: ''کابل جا کر میں مزید محدود ہو گیا، وہاں میرے لئے عمل کی دنیا محدود تھی۔ کابل میں میری توقعات پوری نہیں ہو رہی تھی لیکن مری قبیلے کے بہت سے لوگ (ہزاروں کی تعداد میں) وہاں تھے اس لئے میں وہاں رہ گیا۔''

نواب خیر بخش مری کابل میں اپنے قیام کے سلسلے میں اب زیادہ بات نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے ہم نے بھی یہ بات آئندہ کسی مجلس کے لئے اٹھا رکھی اور ان سے دریافت کیا کہ اب پاکستان میں واپس آ کر وہ یہاں کی سیاست کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں؟

اس سوال نے اسی طرح نواب خیر بخش مری کی زبان سے الفاظ اور معانی چشمے رواں کر دیئے، جس طرح وہ معاشرے کے ایک حصے میں دولت کی ریل پیل اور "گلوبل کیپٹل ازم" کے موضوعات پر بات کرتے رہے تھے۔ وہ باتیں نظری اور علمی تھیں لیکن یہ معاملہ تو سیاست کی عملی دنیا سے تعلق رکھتا تھا جس میں اس فلسفی سردار کا زندگی بھر کا تجربہ بول رہا تھا۔ نواب خیر بخش مری کا کہنا تھا:

"میں یہاں آ کر یہ سُن رہا ہوں کہ جب تک کوہ چلتن اور مردار رہیں گے، بلوچ انہی پہاڑوں کی طرح اٹل اور طاقتور رہیں گے۔ یہ وہی جذباتی باتیں تھیں جو 22، 25 برس پیشتر ہم کرتے تھے۔ یہ جذباتی باتیں مفید ثابت نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست اور اجتماعی معاملات میں جذباتی باتیں کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوئیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہم غلط سوچتے تھے، ہم سے کئی غلطیاں ہوئی ہیں لیکن کیا ان غلطیوں کو دہراتے رہنا چاہیے۔ یہ ایسی تقاریر ہیں جو فوج تیار کر لینے کے بعد کی جاتی ہیں، جب حملے کے لئے آپ اپنے آدمیوں کو موٹیویٹ متحرک کرتے ہیں، انہیں میدان جنگ میں جھونک دینا چاہتے ہیں۔ یہاں کوئی تنظیم تک نہیں ہے اور ظاہر ایسے کیا جا رہا ہے کہ جیسے اب آخری حملے کی کسر باقی رہ گئی ہے۔"

نواب خیر بخش مری جن ثانیوں کے لئے رُکے اور پھر بڑے جذبے سے گویا ہائے: "سیاست اور اجتماعی معاملات میں زمینی حالات کو دیکھا جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ جب تک چلتن اور مردار (وادی کوئٹہ کے مغربی اور مشرقی پہاڑ) رہیں گے، الفاظ کی حد بہت خوب ہے لیکن یہ بھی دیکھنا ہے کہ چلتن و مردار کے درمیان کیا ہے؟ یہاں کون لوگ ہیں؟ وہ کیا سوچتے ہیں۔۔۔۔؟ حقائق کو نظر انداز کر کے کوئی مفید سیاست نہیں ہو سکتی۔ دنیا بدل چکی ہے، اب یہ وہ دنیا نہیں

لیکن بدلے ہوئے حالات میں کچھ لوگ اسی سوچ کو لے کر چلنا چاہتے ہیں تو اس میں کسی کا فائدہ نہیں ہوگا۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ سیاست میں مہم جوئی کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ وہ کہیں بھی نہیں پہنچاتی اور ایسی مہم جوئی جس کی کوئی منزل نہ ہو۔"

"مل بیٹھنا چاہیے۔ سوچ بچار کرنا چاہیے۔ واقعات اور معاملات کا تجزیہ کرنا بلکہ میرا مطلب ہے کہ ہمیں اچھی طرح چھان بین کرنی چاہیے۔ پھر مقاصد متعین کرنا چاہیں۔ اس کے مطابق منزلوں کی نشاندہی ہونی چاہیے۔"

نواب مری نے اسی روانی سے جواب دیا۔ انہوں نے بلوچستان کی سیاست کے حوالے سے مزید اظہار خیال بھی کیا لیکن گفتگو کے اختتام پر انہوں نے جس حصے کو ابھی دائرہ تحریر سے باہر رکھنے کے لئے کہا اس میں یہ حصہ بھی شامل تھا۔ میں نے نواب مری سے عرض کیا کہ ان کی بات سنتے ہوئے مجھے ہمیشہ فکر انگریز نکات کے علاوہ اچھے الفاظ اور پیرایہ اظہار بھی سیکھنے کے مواقع بھی ملتے رہتے ہیں۔ انہوں نے Analyses (تجزیہ) کو "چھان بین" قرار دے کر اس لفظ میں عمل کی ایک نئی جہت کا اضافہ کیا ہے۔ منسکر المزاج نواب خیر بخش مری کا کہنا تھا کہ آپ کی یہ بات ہماری تہذیبی نفاست کی روایت ہے ورنہ میں نے کوئی بڑی بات نہیں کی ہے۔ بہر حال مجھے ان سے اتفاق نہ تھا اور اس کا اظہار کرتے ہوئے ذور ماضی کے بعض واقعات کی جانب جھانکنے کی اجازت طلب کی اور ان کی رضامندی دیکھتے ہوئے ان کے اس وقت کے دورہ روس کی بات کی جب کمیونسٹ سلطنت سوویت یونین اپنے عروج پر تھی اور وہ وہاں گئے تھے۔ نواب مری نے کہا کہ وہ روس کے علاوہ چین بھی گئے تھے۔ صحافی ماجد فوز نے مزید یاد دلایا کہ یہ بیس اکیس برس پیشتر اس وقت کی بات ہے جب وہ (صحافی فوز) اور امان شادیز نئی تعلیم سے فراغت اور صحافت میں قدم جمانے کے درمیان تھے اور اس شام ان کے ایک سوال پر انہوں نے دو گھنٹے سے زائد اپنے مشاہدے کے حوالے سے نظریاتی اور عالمی سیاسی حالات کا جائزہ لیا۔ نواب مری کا کہنا تھا کہ اس زمانے کی کیا بات کی جائے۔ بس ایک دور تھا گزر گیا۔ اگر اس میں کوئی سائنٹفک چیز ہوگی وہ رہ جائے گی۔ بہر حال ماجد فوز کی گفتگو نے نواب خیر بخش مری کو اس زمانے کے چند واقعات سنانے پر آمادہ کر لیا۔

نواب خیر بخش مری ایک دور میں چین کمیونسٹ انقلاب کے رہنماء ماوزے تنگ کا بیج اپنے سینے پر سجائے رہتے تھے۔ دسمبر 1977 میں جب وہ پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کی کامیابی اور ذوالفقار علی بھٹو کے لگائے ہوئے "حیدر آباد ٹریبونل" کے پھندے سے آزاد ہونے کے بعد کوئٹہ آئے تھے، ان کے سینے پر ماوزے تنگ کا بیج نمایاں تھا

حتیٰ کہ وہ اسی بیج کے ساتھ مارچ 1978ء میں اس وقت کے افغان حکمران سردار داؤد سے ملے تھے جو اسلام آباد میں جنرل ضیاء الحق سے افغانستان میں کمیونسٹ فوجی انقلاب کے خطرات سے نپٹنے کے لئے تدبیر کرنے آئے تھے۔ سردار داؤد پاک افغان سرحد (ڈیورنڈ لائن) پر روس اور ہندوستان کا پڑھایا ہوا موقف اعلانیہ ترک کرنے سے پہلے صوبہ سرحد اور بلوچستان سابقہ نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں سے بھی ملنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد بیرون ملک روانگی تک جو بالآخران کی رضا کارانہ جلاوطنی پر منتج ہوئی، نواب مری یہ بیج لگائے رکھتے تھے۔ نواب خیر بخش مری نے غالباً یہ بیج رضا کارانہ جلاوطنی کے دوران کسی وقت اتارا اور جب کابل میں مجاہدین کی کامیابی کے بعد اپنی جلاوطنی ختم کر کے پاکستان ایئر فورس کے ان کے لئے بھیجے گئے خصوصی طیارے اور سیاسی رہنماؤں کے وفد کے ہمراہ اسلام آباد پہنچے تھے تو بیج ان کے سینے پر نہیں تھا۔ جناب ماوزے تنگ کی شخصیت سے ایسا تعلق رکھنے والے جناب نواب خیر بخش مری کی چین کے بارے میں گفتگو نہایت دلچسپ اور انکشاف انگیز تھی۔ ان کا کہنا تھا:

"جب میں پاکستان سے ایک وفد کے ہمراہ چین گیا تو میری یہ تمنا تھی کہ میں وہاں زیادہ دن قیام کروں اور چین کی اس تبدیلی کو سمجھنے کی کوشش کروں، چنانچہ میری خوائش کے مطابق چینی حکومت نے مجھے وہاں جب تک میرا دل چاہے رہنے کی پیشکش کر دی۔ جس کے بعد یہ پہلا عجیب واقعہ ہوا کہ مجھے پاکستانی سفارت خانے کے ایک ذمہ دار نے یہ کہا کہ آپ جب چیئر مین ماوزے تنگ سے ملاقات کرینگے تو ان سے قومیتوں کے مسئلہ پر کوئی سوال نہ کیجیے، کیونکہ چیئر مین ماوزے تنگ اس سلسلے میں سوالات پسند نہیں کرتے۔ بہر حال اس کے باوجود میرے ذہن میں یہ بات تھی جس کا اظہار غالباً میں اپنے میزبان چینی رہنماؤں سے کر دیتا تھا۔ چنانچہ ایک روز ایک چینی میزبان نے مجھے بتایا کہ چیئر مین ماوزے تنگ کا خیال ہے کہ قومیتی مسئلہ بھی مشکل اور پیچیدہ سوال ہے۔

نواب خیر بخش مری مسکراہٹ اور ہنسی کے درمیان مجھ سے کہنے لگے کہ سویت یونین کے خاتمے کے بارے میں آپ کے سوال کا جواب یہی فقرہ ہے کہ یہ بہت مشکل اور پیچیدہ سوال ہے۔ اس کے بعد وہ بتانے لگے میں چین کے بعد روس کے دورے پر گیا تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا بات تھی کہ میں جلد ہی روس چلا گیا۔ شاید اس وقت وہی بات تھی جواب ہے کہ آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں ماسکو سے کابل گیا تھا تو میں نے فوراً یہ بتانا چاہا کہ ماسکو نہیں گیا تھا۔

روس کے دورے پر مزید گفتگو ہونے لگی۔ نواب خیر بخش مری قومیتوں کے بارے میں چیئر مین ماوزے

تنگ کا "خیال" جاننے کے بعد روس گئے تھے۔ میں ان سے دریافت کیا کہ وہ وسط ایشیا بھی گئے تھے؟

نواب خیر بخش مری کا کہنا تھا: روس میں ایک دعوت کے دوران انہوں نے میرا نام روسی انداز میں ذرا مختلف طریقے سے لکھا۔ جب میں نے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وسط ایشیا کی ری پبلک ترکمانستان میں مری آباد ہیں جو اپنا نام اس طرح لکھتے ہیں۔ مجھے تو یہ معلوم تھا کہ وہاں ہمارے قبائل کے کچھ لوگ آباد ہیں۔ میں نے کہا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے پروگرام بنایا لیکن مجھ سے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں وہاں نہ جا سکا اور واپس چلا آیا۔ میں نہیں جانتا کہ ایسی کیفیت کو کیا نام دوں۔ ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ مری روسی بھی بولتے ہیں اور اپنی زبان بھی بولتے ہیں۔ شاید انہیں کہنا چاہیے تھا کہ وہ اپنی زبان بھی بولتے ہیں اور ترکمانی بھی بولتے ہیں لیکن وہ ترکمانی کا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال میں وہاں گئے بغیر روس سے چلا آیا۔

میں نے نواب خیر بخش مری کی توجہ ایک بار پھر ملکی معاملات کی جانب مبذول کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے جذباتی سیاست کو رد کر دیا ہے اور سیاست میں نئی بنیاد اٹھانے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ کے خیال میں یہ کام کہاں سے اور کیسے شروع ہو سکتا ہے؟

"پہلے طے کریں کہ آپس میں مل بیٹھیں گے اور ایک دوسرے کی بات سُنیں گے۔ ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کرینگے اور ایک دوسرے کے تجربات سے سیکھیں گے۔ اب تک کیا ہوا ہے کہ پہلے ہم یہاں (بلوچستان) پنجابیوں کو بُرا بھلا کہتے تھے اب ہم پشتونوں کو یہی کچھ کرنا شروع کر دیا ہے۔

ان تمام باتوں پر غور ہونا چاہیے۔ ہمیں اس کے علاوہ ریاست اور سیاست کے بعض بنیادی امور پر بھی سوچ بچار کرنا ہوگا۔ اب یہاں کیا سیاست ہو سکتی ہے۔ ہمارا زیادہ وقت ان معاملوں کا فیصلہ کرتے ہوئے گزرتا ہے کہ کوئی ایک بکری لے گیا ہے کوئی کہتا ہے کہ ہمارے بازو (لڑکی کے تصفیہ شدہ رشتے کے مطالبے) کی بات ہے (اس صبح جب ہم نواب خیر بخش مری سے ملاقات کے لئے گئے تھے وہ اپنے قبیلے کے افراد کی مجلس میں تھے اور شاید کچھ ایسے معاملات کر رہے تھے کہ ہماری آمد کے پیغام کے جواب میں انہوں نے کہا کہ شام کو آیئے) حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ہم کوئی سسٹم نہیں بنا سکے۔ انگریز ایک سسٹم دے گیا تھا، بس اسی کو چلایا جا رہا ہے۔ فیکٹری چلانے کے لئے بھی کوئی سوچا سمجھا انتظام، کوئی سسٹم ہوتا ہے۔ یہ تو ملک ہے۔ کچھ سوچنا چاہیے کہ آخر اس کی کچھ سوشل (معاشرتی) بنیادیں ہیں۔ اینڈ سون آن (And so on) اسے چلانے کی "سپرٹ" کیا لفظ ہے اس کے لئے اُردو میں "روح" کیا ہے؟ نواب

خیر بخش مری کو ہستانی چشمے کی مانند دھیمے انداز میں اپنے افکار کے لئے راستہ بنا رہے تھے۔

آپ کی رائے میں نقطہ آغاز کہاں سے ہوسکتا ہے؟ میں نے ایک بار پھر دریافت کیا۔

انہوں نے دو صحافیوں کو سامنے پا کر شاید یہ بوجھ صحافت کی جانب منتقل کرنا آسان سمجھا۔ نواب خیر بخش مری کا خیال تھا کہ اب اخبارات کو بہت آزادی ہے، اس لئے بڑی حد تک اخبارات یہ کام کر سکتے ہیں، لیکن انہیں شدّت سے یہ احساس تھا کہ تبادلہ خیال کے لئے کوئی "فورم" موجود نہیں۔ میں نے انہیں کہا وہ 1976 کی صوبائی حکومت سے حیدر آباد ٹریبونل اور جلاوطنی اور اس سے پیشتر 1962 میں متحدہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں بلوچستان کی نمائندگی کے دور سے اب تک تجربات کی اک دنیا سے گزرے ہیں، کیا وہ کبھی انہیں تحریر میں لائیں گے؟

نواب مری نے اپنے روایتی انکسار اور وضع داری سے کام لیتے ہوئے کہا، شاید میں نے کچھ سیکھا اور جو سیکھا ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں تک درست ہے لیکن اس سے زیادہ مشکل بات یہ ہے کہ اسے آگے کیسے " کمیونیکیٹ " (ابلاغ) کیا جائے۔ معلوم نہیں کہ میں یہ کام کر بھی سکتا ہوں یا نہیں۔ کچھ توقف کے بعد وہ جوابی سوال کرنے لگے کہ آپ کے خیال میں میرے لئے یہ کام کرنا مناسب ہوگا؟ میرا کہنا تھا کہ پاکستان بھر کے لوگ ان کی بات سننا چاہیں گے۔ وہ جن حالات سے گزرے ہیں، انہوں نے جو دیکھا اور محسوس کیا ہے، اس میں عام لوگوں کے لئے بہت دلچسپی ہوگی اور کچھ گہری نظری رکھنے والے افراد کے لئے تو یہ نیک (منفرد) تجربہ ہوگا۔ نواب خیر بخش مری مسکراتے رہے۔ شاید انہیں اس سے اختلاف تھا یا ابھی وہ یہ تمام کہہ ڈالنے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر کبھی وہ اپنے تجربات کی یہ روداد سنانا چاہئیں تو یہ صفحات حاضر ہونگے۔ نواب خیر بخش مری کہنے لگے کہ ابھی وہ اپنی غیر حاضری کے تیرہ برسوں کے دوران ہونے والے واقعات کو بخوبی نہیں سمجھ سکے ہیں۔

یونانی مفکرین کے آئیڈیل فلسفی، بادشاہوں یا فلسفی حکمرانوں کی مانند مری نواب دانش اور تجربے کی بنیاد سجائے کوئٹہ وادی میں قیام پذیر ہے۔ دیکھنے کی بات ہے نواب خیر بخش مری عوام کے پاس جاتے ہیں بلوچستان کے سیاسی کارکن اور سیاسی لوگ ان کی دانش تدبیر سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ان کے گرد جمع ہوتے ہیں۔

سامراج کی سرپرستی کے بغیر
بلوچ کو زیرِ دست نہیں رکھا جا سکتا

رپورٹ : مطلب مینگل

ذریعہ : روزنامہ آساپ، کوئٹہ

اشاعت : دسمبر، 2003ء

نواب خیر بخش مری ۔کل جنرل مشرف اپنی تقریر کے دوران بہت کچھ کہہ گئے۔انہوں نے فوج اور اقتصادیات کو ریاست کے دوستون قرار دیا ہے اور بلوچستان سے معافی کی بات بھی کی ہے۔شاید وہ بلوچستانیوں سے نہیں بلکہ اپنے حلیفوں سے بات کرر ہے تھے۔

ایک بار پہلے بھی وہ اس طرح کی باتیں کہہ چکے تھے کہ فوج اور اقتصادیات ملک کے ستون ہیں۔کیسی مبہم اور عجیب سی بات ہے؛ فوج اور اقتصادیات۔سوال یہ ہے کہ یہ فوج اور اقتصادیات کس کے مقابلے میں ہیں؟ ہمارے مقابلے میں؟ چین، امریکہ، افغانستان اور ایران کے مقابلے میں؟۔میرے ناقص خیال میں فوج کسی ملک کی سلامتی کیلئے ہوتی ہے، ستون نہیں ہوتی۔ بلکہ صحیح فکر، انسانی برابری، عزت اور انصاف ہی ستون تصور ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ سوسائٹی جسے پاکستان کہتے ہیں، اس کو ایک قوم کہنا درست نہیں۔ یہ ایک ناپختہ سیاسی سوچ ہے۔سرد اور گرم ایک منہ میں نہیں سما سکتے۔ہم یہ نہیں چھوڑیں گے، وہ نہیں چھوڑیں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے، ہم جہاں چاہیں گے چھاؤنیاں بنائیں گے۔ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی مذاق اور کھیل ہے۔اب سوال یہ ہے کہ یہ ایک ضرورت ہے یا فرض ہے۔ کیونکہ کسی کے تیل اور میراث کو نکال کر لے جایا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ چیزیں آرام تو نہیں دے گا۔اس لئے اب اس کا ہاتھ مروڑ کر یہ چیزیں لے جانا چاہتے ہیں۔انڈیا کے معاملے میں امن پسند بنتے ہیں۔میرا معاملہ آتا ہے تو ان کو کارروائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس میں کون سا اصول اور اپروچ ہے! چھاؤنی بنانے کا کوئی فکری جواز بھی تو ہو کہ ان کے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کوہلو، پنجاب کا وہ ضلع تو نہیں جہاں انڈیا کی فائرنگ ہوتی ہے۔آپ جو چھاؤنی بنا رہے ہو کیا وہاں ظفر اللہ جمالی اور جام یوسف کو خطرہ ہے کہ کہیں کوئی الیکشن میں ان کے خلاف راستہ اختیار نہ کرے اور آپ کے یہ حامی کامیاب نہ ہوسکیں۔ یہ کہہ دینا کہ پاکستان ہے، پاکستان کی سرزمین ہے، جہاں چاہے فوجی چھاؤنی بنائیں؛ دیکھنا یہ ہے کہ یہ پاکستان کی سرزمین کب بنی؟ کیونکر بنی؟ کیا زبردستی بنی؟ رضا سے بنی؟ جو آپ چھاؤنی بنا رہے ہو اس کا مطلب ہی یہی ہے کہ ہم اس سے خوش نہیں اس میں کسی کی رضا شامل نہیں ہے۔وہ سمجھتے ہوں کہ یہ ملک ان کی میراث ہے۔اگر ہم سے معافی مانگ رہے ہیں تو یہ تیاریاں کس لئے۔ہمارے ہاں بلوچی میں کہتے ہیں کہ ''لیڑہ ءِ دزی پہ کن کنز کائی نہ بیت'' (اونٹ کی چوری رینگتے ہوئے نہیں ہوسکتی) کیونکہ بے وقوف اونٹ تو نہیں چھپتا، وہ کھڑا ہو کے ہی چل سکتا ہے۔اونٹ کا چور اتنے بڑے اونٹ کو رینگتا ہوا لے جائے اور یہ سمجھے کہ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا ہے، یہ تو نادانی ہی ہے۔اگر معافی مانگ رہے ہو تو یہ اونٹ کی چوری کیوں۔ ہندی میں کہتے ہیں ''بغل میں چھری منہ میں رام

رام‘ ایک طرف معافی دوسری طرف فوج، پولیس اور چھاؤنیاں؛ یہ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

ہم الگ قوم ہیں۔ ہماری اپنی شناخت اور اپنی سرزمین ہے اور یہاں صوبے کا لفظ بالادست طبقے کی شناخت ہے۔ ہم صوبے سے علاوہ بھی چیز ہیں۔ یہ سرزمین ہماری ہے۔ ہم ایک قوم ہیں۔

حکمرانوں کی منافقت کی داستان بہت طویل ہے۔ نظریاتی طور پر ملٹری ڈکٹیٹرشپ کے تابع ووٹ کا سٹنگ کو ڈیموکریسی کہنا بہت بڑا گناہ، کمزوری یا نادانی ہے یا شاید تینوں (لالچ اور خوف) ملے ہوئے ہیں، یہی اس کی بنیاد ہے۔ دراصل یہ امپیریلزم کے حامی ہوتے ہیں۔ یہ انگریزوں کا ایک مفتوحہ علاقہ ہے۔ یہ ہندو اور مسلمان کا تضاد لے آئے تھے۔ مذہب کی بنیاد پر کوئی قوم نہیں بن سکتی۔ اس لئے یہ نہ کوئی قوم ہے اور نہ ہی ایک ریاست بلکہ ان کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے، جسے عمومی طور پر نئی نوآبادیات کہتے ہیں۔ آج کل اس کی تعریف بیان کرنے میں کئی قسم کے اضافے ہیں۔ میں اس کو نئی نوآبادیات کہوں گا۔

دنیا میں ایسی بھی افواج تھیں یا اب بھی ہیں کہ وہ دوسروں کو لوٹ کر اپنی اقتصادیات اور مالی قوت بڑھاتی ہیں یا ہنر سیکھ لیتے ہیں تو معیشت کے کچھ حصے کو ترقی دینے کے لئے ماہر، استاد اور عالموں کو باہر سے لا کر ان سے کام لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ عالمی جنگ دوئم میں ایک جرمن جاسوس کو انگریزوں نے پکڑ لیا۔ کسی بھی طرح وہ ثابت نہیں کر سکے کہ یہ بندہ کون ہے۔ اس سے جو کچھ بھی پوچھتے، وہ صحیح جواب دے دیتا۔ ایک کو خیال آیا، اس نے ساتھیوں سے کہا کہ میں بھی اس کو سگریٹ سے جلاتا ہوں، پھر دیکھتے ہیں کہ وہ چیخ کر کس زبان میں بولتا ہے۔ جب اس نے سگریٹ اس کے ہاتھ پر رکھا تو وہ جرمنی میں چیخ پڑا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہی بات فوج اور اقتصادیات کو دو، ستون کہنے کی ہے۔ اس کی چیخ جانی پہچانی ہے کیونکہ یہ ایک تسلسل ہے۔ دوسروں کو لوٹ کر پیسہ بناؤ، کچھ ہنر سیکھو، جھوٹ بولنا سیکھو، لیکن ڈنڈا پاس ہو۔ زور ڈنڈے کا ہے، اسی پر ہمارے حاکم عمل پیرا ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ بلوچستان میں چھاؤنی کس لئے بنا رہے ہو۔ ہندوستان کی فوج کے خلاف یا ایرانی فوج کے خلاف یا ان کے خلاف جو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا وطن ہے؟ جن کا تیل چھیننے کے لئے، ساحل چھیننے کے لئے، جن کے اختیار وسائل چھیننے کے لئے یہ چھاؤنیاں بن رہی ہیں۔ اب فیڈرل کانسٹیلری بنائی جا رہی ہے۔ یہ کس لئے؟ اپنی پہلی غلطی کو درست کرنے کے لئے میگا غلطیاں کیوں کی جا رہی ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر اس کی مالی حالت جس طرح ہے، اس سے لگتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کی پیشہ وارانہ

صلاحیت مزید آگے نہیں چل سکتی۔ ویسے اگر سامراج کی ان کو سرپرستی نہیں ہوتی تو یہ پٹھان، سندھی اور بلوچ کو پہلے بھی زیر دست نہیں رکھ سکتے تھے اور اب تک ان کو کچھ نہ کچھ ہو جاتا۔ اس وقت انہوں نے ہماری غفلت یا ناسمجھی یا کوتاہ اندیشی میں ہمیں آپس میں لڑایا جو آج ہمیں سمجھ میں آرہا ہے۔ 1970ء میں جو لڑائی ہوئی اس میں عطاءاللہ مینگل کے لئے لڑنے والے NAP میں نسبتاً کم تھے۔ اس میں مینگل، زہری اور دیگر قبائل بھی شامل تھے۔ اب اس کی اگر شناخت کی جائے کہ اس میں زیادہ قبائلی Base یا نیشنل Base تھا۔ عموماً زیادہ کام کس کا تھا؛ عطااللہ مینگل کے ساتھ جو جڑے ہوئے تھے آیا وہ قبائلی بنیادوں پر تھے یا نیشنلسٹ بنیادوں پر تھے؛ کیونکہ جو ''اربن'' ہے، تعلیم یافتہ ہے یا کھاتے پیتے ہیں، وہ جلسے جلوس، بیان بازی یا اسمبلیوں کی حد تک صحیح ہوں گے لیکن پہاڑوں میں ان کی تعداد شاید زیادہ نہیں۔ وہ لوگ جو پہاڑوں میں گئے، جدوجہد کی، وہ لوگ روایتی ہیں اور قبائلی ہیں لیکن ان میں کچھ نیشنلزم کے اجزاء بھی شاید کارفرما تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے یہ قبائل ہیں اور پارٹیوں سے بھی منسلک ہیں۔ اب مری کو کس درجے میں رکھتے ہیں۔ یہ پارٹیوں میں بھی ہیں اور قبائل بھی ہیں۔ یہ بھی دیکھ لیجئے کہ ہم جہالت، پسماندگی یا جبر کی علامت ہیں یا ہم میں بھی سنبھالنے کی صلاحیت ہے۔ دیکھتے ہیں وہ پارلیمان میں پارٹی کی بنیاد پر آتے ہیں' ان کے ووٹر اُن کے قبائل ہیں لیکن باہر وہ بلوچیت کا نام لیتے ہیں۔ ان تمام ایشوز کے تجزیے کی ضرورت ہے۔

بلوچستان کی دو جماعتوں (بی این ایم اور بی این ڈی پی) کا انضمام عمل میں آیا ''نیشنل پارٹی'' کے نام سے۔ اس دوران ڈاکٹر حئی بلوچ نے بار بار یہ کہا کہ ہم پنجابی اسٹیبلشمنٹ اور سنڈیمن کے رائج کردہ قبائلی نظام کیخلاف جدوجہد کریں گے۔ نواب صاحب! آپ یہ بتائیں کہ قبائلی سسٹم ہمارا اپنا ہے یا سنڈیمن کا دیا ہوا ہے۔

ہم تاریخ سے کم واقفیت رکھتے ہیں، میں کسی عالم کا کچھ کہہ نہیں سکتا میں اپنے آپ کو ان پڑھ کہوں یا کچھ اور۔ البتہ اس نظام کو سنڈیمن کا دیا ہوا کہنا شاید زیادتی ہے۔ ہم بہت پرانے ہیں، اس وقت شاید سنڈیمن پیدا نہیں ہوا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سنڈیمن کی دی ہوئی چیزیں اس میں کہاں تک حاوی ہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ شاید کچھ زیادہ ہی کہہ جائیں، ان کی پہنچ جہاں تک ہے، وہ وہی کہیں گے۔ وہ جدوجہد میں نہیں جا سکتے، نہ اپنے آپ کو مروا سکتے ہیں۔ واقعات اور حالات سے میری نظر میں وہ مشکوک ہیں۔ وہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ بالادست طبقہ کی حکمرانی کے بغیر بھی ہم جی لیں گے۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر حئی نہیں کہہ سکتا، کہ وہ حاکموں کے ساتھ مل کر چلنا چاہتا ہے۔

ورنہ پنجاب کے ساتھ ہمارا کیا رشتہ ہے۔ اگر رشتہ ہے تو افغانستان اور ایران سے ہے۔ پنجابی سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔ کیا پنجابی سے دور ہونے سے خدا ناراض ہوگا! خدا ناراض نہیں ہوگا۔ ان کے نزدیک ہماری سیاست پنجاب کی تابعداری کی سکیم کے تحت آگے بڑھے گی۔ وہ سمجھتے ہیں اسی میں ہماری فلاح ہے۔

ایک وہ لوگ ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ گوادر سے ترقی آرہی ہے۔ ان کے مقابلے میں جتنی پارٹیاں ہیں وہ اپنے نام کے ساتھ ''بلوچستان'' لکھتی ہیں یا نہیں، نیشنل پارٹی یا دوسرے گروپ جیسے کہ آپ یا آپ کی پارٹی' ان کی جانب سے مخالفت بڑھ رہی ہے کہ یہ ترقی ہمیں قبول نہیں۔ کیا یہ خوش آئند بات نہیں؟

اس حد تک خوش آئند ہے۔ لیکن اس میں کتنی گہرائی ہے، دور تک چلنے اور قربانی دینے کی ان میں کتنی قوت ہے' اصل سوال یہی ہے۔ اصل بات بولنے میں نہیں، کرنے میں ہے۔ اصل بات جھوٹ میں نہیں، سچائی میں پنہاں ہوتی ہے۔

نئی نیشنل پارٹی والے گوادر کے پراجیکٹ کی مخالفت تو کر رہے ہیں اور اس کو بلوچ قوم کے خلاف سازش تو قرار دے رہے ہیں یا پھر وہ آپ والی بات کہ بھیڑیا یا بھیڑ کا لبادہ اوڑھ کر ریوڑ میں آیا ہے۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

اس چیز کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بلوچیت کا نعرہ لگانے والے بلوچیت کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ کہیں بلوچیت کو بلوچیت سے دور تو نہیں لے جا رہے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا؛ امریکہ کو سب سے زیادہ ڈر جمہوریت سے ہے۔ (اس لئے میرا خیال ہے کہ) یہ ایسی بلوچیت ہے جو بلوچیت کو غلط راستے پر لے جا رہی ہے۔

اُن کا کہنا ہے کہ نیشنل پارٹی اس لئے قائم ہوئی ہے کہ اس میں تمام محکوم قومیں، پشتون، سندھی اور سرائیکی شامل ہوسکیں۔

میں عرض کروں 'نیشنل' جو لفظ ہے، یہ لفظ ہماری نظر میں ان کے (مخالف) کے راستے کے مطابق چلنے کا ایک سوراخ ہے۔ ایک بہانہ ہے۔ ایک انہونا جواز ہے۔

NAP کے ٹوٹنے کے بعد پشتون، بلوچ مثالی اتحاد بھی پارہ پارہ ہوگیا۔ اس کے بعد بلوچ اور پشتون قوم پرست جماعتیں بھی تقسیم کے عمل کا شکار ہوگئیں اور دونوں قوموں کا اتحاد بھی نفرتوں میں تبدیل ہوگیا۔ ایسی صورت میں آپ یہاں سیاست سے گوشہ نشین ہیں۔ آپ کے پرانے دوست خان ولی خان پشتونخوا میں عملی سیاست سے کنارہ

کش ہیں۔قومی خودمختاری کی جدوجہد کو فعال اور پختہ کرنے اور دونوں قوموں کے اتحاد و اتفاق کے لئے آپ بزرگ سیاستدان میدانِ عمل میں کیوں نہیں نکلتے ؟

ایک تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے فرما رہے ہیں، نیشنلسٹ چاہے وہ بلوچ ہو یا پشتون، اول تو ان کو تقسیم کرنے میں بالادست قومیت کا زیادہ حصہ ہے۔اس نے ہماری خامی کو ثابت کر دیا کہ ہم کتنے مضبوط نیشنلسٹ تھے ۔اس نے ظاہر کیا کہ ہماری نیشنلزم کہاں تک بالغ ہے۔ یہ جوٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم نظریاتی نیشنلسٹ نہیں تھے۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہم نیشنلسٹ (ہی) نہیں تھے۔اس وقت دنیا میں انقلاب کا ماحول بنا تھا، ہم نے ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ ہم بھی نیشنلسٹ ہیں۔ INAP ایسی ہے، NAP ویسی ہے؛ لیکن جب پرکھ آئی، جب امتحان کی گھڑی آئی تو اس نے ثابت کیا کہ ہماری نیشنلزم کتنی خام تھی۔اول تو یہ دیکھیں کہ نیشنلسٹ کتنے ہیں اور رہبر کتنے ہیں اور لشکری کتنے۔ ولی خان صاحب اپنی وجہ بہتر جانتے ہیں، ہماری وجوہات بہت ساری ہوسکتی ہیں۔حقیقت میں ہمارے ہاں سیاست کا ابھی تک ایک ہی رخ ہے؛ ووٹ، پارلیمنٹ، تقریریں وغیرہ۔ میں اکثر کہتا رہتا ہوں' غلط ہے یا صحیح' میرے خیال میں آج کے مرض کے لئے ٹیبلیٹ بھی استعمال کریں، انجکشن بھی استعمال کریں اور بوقتِ ضرورت آپریشن بھی کریں کیونکہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ہم لکیر کے فقیر ہیں۔ہوسکتا ہے کہ اس راہ پر کچھ لوگ نہیں چل سکتے۔ کہہ بھی نہیں سکتے، بتا بھی نہیں سکتے لیکن اپنی کمزوری اور سستی کو چھپانا چاہتے ہیں۔

سندھ کا ایک واقعہ ہے۔ کچھ سال پہلے مریوں نے مجھے بلایا تھا۔قبائلی قسم کی مہمانداری تھی تو وہاں سندھی صحافی جو خود کو قدرے ترقی پسند کہتے تھے، وہ اکثر مجھ سے پوچھتے تھے کہ آپ قوم کو کیا پیغام دیں گے؟ تو مجھے بہت چڑ آتی تھی۔ میں ان سے کہتا تھا کہ کس قوم کی بات کرتے ہو؟ آج بھی میں عرض کرتا ہوں ہمارے پاس ابھی تک وہ پرانی روایت کی سائیکی ہے جو کھچڑی بنی ہوئی ہے، ابھی تک ہمیں سمجھ نہیں آرہی کہ صحیح چیز کیا ہے۔ ہماری سیاست ہمارے خیال میں خاص وزن رکھتی ہے۔ہم اس کی ناپ اور تول کو دیکھتے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ بیماری جو ہو، اس کا علاج ہر طریقے سے کرنا چاہئے، مگر وہ علاج جو صحیح ہو، انسانیت والا علاج ہو۔انسانیت دشمن والا علاج نہ ہو، ظلم نہ ہو۔کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے جیسے کہ ماؤزے تنگ دلیل دیتے تھے کہ'' ہمارا جو Violence ہے وہ defensive violence ہے۔آپ کو اگر اور طریقے استعمال کرنا پڑیں تو حالات کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کریں۔ 56 سال گزر گئے اسی ڈکٹیٹر شپ میں۔ہم ملٹری بیس انتخابات کے عمل کو جمہوریت کہہ رہے ہیں۔فوج ہر دس سال بعد یا جب بھی

آتی ہے جمہوریت کی بات کرتی ہے۔اس میں جمہوریت کہاں ہے، یہ کونسی جمہوریت ہے؟ کیا ووٹ کا سٹنگ ہی واحد علاج ہے؟ یہ کتنی پسماندہ قسم کی ذہنیت ہے اور ہم نے اس کا ہمیشہ فائدہ دیا اور بھروسہ بھی کیا۔

جیسے کہ آپ نے بتایا کہ آپ کا اپنا طریقہ علاج ہے۔آپ تشخیص بھی خود کرتے ہیں تو پھر کیوں بلوچ خودمختاری اور بلوچوں کے حقوق کے حوالے سے موثر جدوجہد کرنے کے لئے عملی سیاست اختیار نہیں کرتے؟

56 سال ہوئے ہم پنجابی کو ابھی تک غاصب نہیں کہہ سکتے۔یا پھر پھرا کے نیشن پر آجاتے ہیں۔کس نیشن کی بات کرتے ہو؟ کون سی نیشن؟۔تم اپنی نیشن کی وضاحت تو کرو۔میں تم سے کیسے جدا ہوں' میں تم سے کیسے مختلف ہوں یا پھر یہ کہ ہم اچھے انسان ہیں۔ایک سوشلسٹ کامریڈ کی آپ کو دلیل دیتا ہوں۔کسی نے امریکنز کو کامریڈ کہا، کسی نے رائے دی کہ یہ لبرلز ہیں مگر ہمارے کامریڈ نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ امپریلزم کی مشین کو آئل کرتے ہیں، یہ کامریڈ نہیں، ہاں ان کو کامریڈ بنانے کی ضرورت ہے۔ پنجابی لٹے ہوئے ہیں، غریب ہیں، اس کے لئے شاید سیکڑوں سال لگ جائیں۔ایسے میں شاید ہم خود لیٹ نہ ہو جائیں کہ آیا ان کے لئے یہ قربانی دے سکتے ہیں کہ پنجابی کو ہم کھینچ کر لائیں یا وہ ہمیں کھینچ کر ڈبو دے گا۔اس وقت میں دور ہونے کی ضرورت ہے یا ان سے کہاں تک قریب ہونے کی ضرورت ہے؟ یہ کہنا کہ وہ غریب عوام ہیں، غریب مظلوم ہیں.....مظلوم ہیں ٹھیک ہے، پنجاب سے زیادہ بلوچستان میں چوہدری تھانیدار بہت ظلم کرتے ہیں لیکن پھر بھی ہمارے ہاں وہ اشرافی مظلوم ہے۔ یہاں آئے گا تو آپ کو نہیں، اس کو نوکری ملے گی۔ یہاں وہ اشرف المخلوقات ہیں۔(تو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ) اس کی رفاقت میں ہم نے اپنے آپ کو ڈبویا ہے یا (پھر بھی) اس کو ہم کھینچ کر لائیں گے.....! شاید میں غلط ہوں' لیکن میری رائے میں وہ ہمارا کامریڈ نہیں' مظلوم ضرور ہے۔ایک اور بزرگ کی بات کرتا ہوں۔پشتو میں جو کہتے ہیں کہ جس کی گدان کی روشنی میں دیکھ سکوں، وہ میرے غم میں شریک ہو۔جو میرے لئے غم اٹھا کر لاتا ہے، اسے میں کیا کہوں؟ یہ کیسی نیشن ہے۔بلوچی میں کہتے ہیں کہ پیراہی (بلائیں لے لو) اب ہم پنجابی کی بلا کیوں لیں.....؟ ہم اپنی بلائیں لیں گے اور اپنے جیسوں کی بلائیں لیں گے جو ہمارے ساتھ شریکِ سفر ہوں یا شریکِ غم ہوں۔

ہم کب اکثریت میں تھے جو آج اقلیت کا رونا رو رہے ہیں، خوفزدہ ہیں، ہراساں ہیں۔ جب ہمارا جی چاہے بیدار ہو جائیں۔ بنگال اکثریت میں تھا لیکن اکثریت نہ بنا۔آج ہم رو رہے ہیں کہ اقلیت میں بدل جائیں گے۔اقلیت تو پہلے دن ہی سے بنا دیے گئے تھے۔باقی چیزیں کہاں، ترقی کہاں، پارلیمنٹ یا ڈیموکریسی، یہ خوش فہمیاں

ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ سیاست کا ایک زاویہ نہیں ہے۔ جیسا مرض ہے، آپ بھی وہی طریقہ علاج استعمال کریں۔ نہیں کر سکتے تو اور بات ہے۔ لیکن دشمن رات کو بھی چھپ کر آتا ہے، نام بدل کر آتا ہے نظریہ بدل کر آتا ہے، اس لئے چھپ کر آتا ہے بھوت بھی بن کر آتا ہے؛ جو بھی طریقے ہیں اس کے ساتھ، جادو گنڈا، انجکشن جو بھی کام کرتا ہے، جو کچھ کرنا ہے اس کے ساتھ، جائز ہے۔ میری عرض ہے کہ یہاں سیاست کے کئی خانے ہیں، چنانچہ ہماری سیاست کا کوئی علیحدہ خانہ ہو۔ کیونکہ ہمارا علیحدہ تشخص ہے، ہماری اپنی پہچان ہے۔

قومی اھداف کا تعین ضروری ہے

بلوچوں کو فلسطینیوں کی طرح اجتماعی نقصان کا احساس کرنا ہوگا

انٹرویو : توار پینل

ذریعہ : روزنامہ توار

اشاعت : 4 دسمبر 2004ء

بلوچستان میں میگا پروجیکٹس وترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے دوطرح کی باتیں عوام کے سامنے آرہی ہیں۔ایک حکومتی رائے ہے جس کے مطابق ان منصوبوں سے نہ صرف بلوچستان میں خوشحالی آئے گی بلکہ ترقی کی نئی راہیں کھلیں گی۔جبکہ قوم پرست اپنے خدشات کا اظہار کررہے ہیں کہ یہ بلوچ کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی سازش ہے ،آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

کیا یہ ترقیاتی منصوبے میگا پروجیکٹس بلوچ قوم کی ترقی وخوشحالی کیلئے ہیں؟ یا پس پردہ کوئی اور لاوا پک رہا ہے۔ہمیں تاریخ کے سبق کو دھرانا چاہئے کہ بالادست کے منہ سے محکوم قوم کیلئے ترقی کا لفظ صرف لوٹ کھسوٹ کیلئے نکلتا ہے۔غور وفکر کی ضرورت ہے کہ اس طرح کے عمل سے بلوچ پر مزید تسلط کو کیسے مضبوط کیا جارہا ہے۔رومیوں کی اصطلاح کالونیل ازم کا مطلب ہی مقبوضہ علاقوں میں نوآبادیاں قائم کرکے مقامی آبادی کو بے دخل کرنا، ان کے وسائل پر قبضہ جمانا ہے۔رومن امپائر، انگریزی قبضہ گیراور دیگر سامراجی سرمایہ دار ممالک نے کیا ماضی میں اسی طرح کے ہتھکنڈوں سے ترقی کا راگ الاپ کر اقوام کو نہیں لوٹا؟ یا آج امریکہ اور اس کی ملٹی نیشنل کمپنیاں، اقوام کی تہذیب، کلچر وروایات میں رکاوٹیں ڈال کر ان کی تجارت پر قابض نہیں ہورہی ہیں؟ ان کی اقتصادیات کو بگاڑ کر مختلف استحصالی ذرائع سے انہیں افلاس سے دوچار نہیں کیا جارہا؟ آج بلوچ کے خلاف بھی وہی حربے استعمال ہورہے ہیں۔بلوچ کو اس نہج پر پہنچایا جارہا ہے کہ وہ عالمی سرمایہ داروں کا دست نگر ہونے کے ساتھ مکمل طور پر پنجابی پر انحصار کرنے پر مجبور ہو۔ان ترقیاتی منصوبوں میں عالمی سرمایہ داروں اور پنجابی کا مفاد پوشیدہ ہے۔انگریز تسلط کے بعد اب 57 سالوں سے بلوچ جبری قبضے کے شکنجے میں جکڑا ہوا، پنجابی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے۔ترقی ومیگا پروجیکٹس کے اس راگ کا مقصد بھی عالمی اہمیت کے حامل بلوچ علاقوں میں پنجابی غیر مقامی افراد کی آبادکاری وعالمی سرمایہ داروں کے تسلط کو مضبوط کرنا ہے۔ضرورت ہے کہ ان دو باتوں اور تضادات پر غور کیا جائے۔بلوچ وپنجابی کے درمیان موجود تضاد اور بلوچ نیشنلزم کے درمیان تضاد۔پنجابی کی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ اپنے عالمی آقا کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔حصہ داری بٹورنے کیلئے چاپلوسانہ روش پہ گامزن ہے۔اس کی حرکتیں اس کے تاریخی کردار کے عین مطابق ہیں۔لیکن ہمیں سوچنا چاہئے کہ بلوچ نیشنلزم کی حقیقی روح کیا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارا قومی ہدف کیا ہے؟ قومیتیں اپنی خصوصیات کی بناء پر تاریخ میں الگ حیثیت کی مالک ہیں۔ہر کسی کے تاریخی سلسلے اور تقاضے اپنے ہیں۔یلغاروں کی صورت میں ہر عمل کو جوں کا توں قبول کرنا ضروری نہیں، نا ہی ایسا ممکن ہے۔ہمارا اجتماعی شعور اور طرزِ احساس ہمارے ماضی وحال سے

بندھا ہوا ہے۔لیکن کچھ سطحوں پر ہم کشاکش کا شکار ہیں۔ ہماری بلوچ قوم پرست پارٹیوں کی پالیسیوں اور حکمت عملی میں ابہام ہے۔ایسی بھی پارٹیاں وجود رکھتی ہیں جن کے بارے میں واضح طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ ریجنل نیشنلزم ،یونیورسل نیشنلزم یا پراونشل نیشنلزم کی سیاست کررہی ہیں۔ان کا ہدف کیا ہے؟ایک قوم پرست پارٹی کے ریاست کے انتظامی یونٹ کی سطح پر تشکیل کردہ فریم ورک کے نام سے منسوب بات پر غور وفکر کی ضرورت ہے کہ قوم پرست پارٹی قوم سے منسوب ہونی چاہئے کہ وطن سے یا پھر انتظامی یونٹ کے نام سے۔

جس کسی پارٹی میں فکر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے، وہاں شخصیات پارٹی کو مجتمع کرنے کا کام تو کرسکتی ہیں لیکن ان کی حیثیت مرکزی نہیں ہوتی بلکہ مرکزی حیثیت فکر اور قومی پروگرام کو حاصل ہوتی ہے تاکہ قومی پروگرام ،حالات میں اونچ نیچ اور ریاستی سختیوں کے باوجود اپنے ہدف کی جانب بلا رکاوٹ جاری رہے۔نیشنلزم کی سیاست میں جس قوم کا کوئی انقلابی پروگرام ہو یا طویل المدت پروگرام ہو، اس کے سیاسی قائدین وکارکنوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پختہ فکر ہوں، باکردار ہوں۔سرسری اور سطحی اندازِ سیاست وایشو پالیٹکس کو صرف سیاست کا نام تو دیا جاسکتا ہے، قوم پرستی نہیں کہا جاسکتا، یہ ایک بڑی خامی ہے۔مجموعی طور پر قوم پرستی اس وقت ابھر سکتی ہے کہ افراد ہوں یا نہ ہوں مجموعی حیثیت سے پختگی ،صلاحیت وبلوغت ہوتا کہ یہ اپنی منزل کی جانب آگے بڑھے۔

فلسطینی تحریک کے حوالے سے یاسر عرفات کی وفات کے بعد وہاں یہ سوال اٹھ رہا ہے کہ آیا اب PLO کی تحریک اتنی ہی موثر ہوسکتی ہے جتنی یاسر عرفات کے دور میں اس کو حیثیت وشہرت حاصل تھی بلکہ یاسر عرفات فلسطینی تحریک کے سمبل بن چکے ہیں۔انہوں نے ایک فرد کی حیثیت سے جو کچھ کیا۔اب ان کے قد کی کوئی شخصیت نہیں۔کیا وہاں اب بھی موثر قومی طاقت یا رہبر ابھر سکتا ہے؟ حالانکہ فلسطینی تحریک کو عرب اور باقی دنیا سے سیاسی و اخلاقی کمک ملتی رہی ہے۔ان کی تربیت ہوتی رہی ہے۔لیکن اس کے باوجود امکانات پر بحث ہورہی ہے کہ ہوسکتا ہے ایسا ہو،ممکن ہے ایسا نہیں ہو۔اسی طرح فلسطینی تحریک کے اندرونی مسائل بھی ہیں۔

ہم بلوچوں نے تو ان جیسی پختگی بھی حاصل نہیں کی۔کمزوریاں ہیں ،فکر نامکمل ہے۔اجتماعی نقصان کا احساس نہیں۔اس کمی کو دور کرنے کی پختگی نہیں۔کیا ہم ان تقریروں، بلند بانگ دعووں اور موج میلوں سے حقوق حاصل کرلیں گے۔وقت وحالات کے تقاضوں کے مطابق اتحاد واشتراک سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔یہ کوشش ہونی چاہئے کہ یہ جنگ شکست میں بدل نہ جائے۔باریک بینی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔گہرائی سے تجزیہ کرنا

پڑے گا کہ وقت گزاری اور سطحی اندازِ سیاست سے کوئی قومی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ نقصانات کے قوی امکانات ہیں۔ ہمارا راستہ تلخ اور کٹھن ہے۔ کیا ہم اس بار کو اٹھا سکتے ہیں؟ مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے اندر نیشنلزم کی پختگی ہے؟ کس قسم کا خیال ہو؟ کیسی تیاری ہو؟ کیا اتنی تربیت و تیاری ہو چکی ہے یا پھر ایک فریق کی حیثیت سے ہم اتنے پختہ ہو چکے ہیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ بلوچ قومی تحریک و بلوچ قومی جدوجہد کا مقصد حصہ داری نہیں، بلکہ مکمل واک واختیار ہے۔ اپنی سرزمین، اپنے وسائل واقتصادیات پر حق واختیار بلوچ کا ہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ بلوچ اس روایتی انداز کی بجائے جو قصہ پارینہ بن چکا ہے، جدید و منظّم انداز میں جدوجہد کریں۔ حق واختیار کی بجائے ترقی و میگا پروجیکٹس کی باتیں کرنا نافہمی ہے۔ واک اختیار آسانی سے نہیں ملتے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تکلیف بھی نہ ہو اور شہد بھی میسر آئے۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اس کیلئے چلہ کاٹنا پڑتا ہے۔ خواہش کرنے سے قومی حقوق نہیں ملتے۔ اس کیلئے میدانِ عمل میں نکلنا پڑتا ہے۔ اس جدوجہد کیلئے فکر و عمل کی ضرورت ہے۔ ہم اس منزل پر نہیں پہنچے ہیں کہ مذاکرات میں بیٹھیں۔

تو کیا بلوچستان مسائل کے حوالے سے جو پارلیمانی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے، مذاکرات کیلئے پارٹیوں کی جانب سے تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں' آپ اس سے مطمئن نہیں؟

مذاکرات کس حوالے سے ہوں؟ بنیادی نقاط کیا ہوں؟ ضمانت کیا ہے کہ یہ پارلیمانی کمیٹی اتنی بااختیار ہے کہ بلوچ واک واختیار اس کے ذریعے تسلیم ہوگا؟ اس طرح کے مذاکرات بلوچ مسئلے کا حل نہیں۔ پنجابی جیسے دشمن سے مذاکرات کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ قوم پرستوں کی آنکھیں کھلی ہوں اور ان کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے پر مضبوطی سے جما ہو۔ کیونکہ یہ بچوں کا کھیل نہیں، کہ جلسے جلوس تقریروں اور موج میلوں سے حل ہو اور بلوچ کو تمام حقوق واختیار مل جائیں گے۔ ہمیں بلوچ نیشنلسٹوں کا جائزہ لینا ہوگا کہ وہ قومی جدوجہد میں کس حد تک حصہ دار ہو چکے ہیں۔ کیا ایسے کسی امتحان سے گزر رہے ہیں۔ پاکستان تو ابتدا ہی سے ایک کالونی رہا ہے۔ اس نے 1500 میل دور مشرقی پاکستان میں اپنی ظالمانہ طاقت اکثریت کے خلاف استعمال کی۔ پاکستان مذہب کے نام پر وجود میں آیا لیکن پنجابیوں نے بنگلا دیش کے مسلمانوں پر کتنے ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے۔ پنجابی حکمرانوں نے بنگالی، بلوچ، کشمیری اور دیگر محکوم قوموں پر اپنا تسلط اور مالیاتی حکمرانی برقرار رکھنے کیلئے جہاں جبر سے کام لیا، وہاں قومی استحصال بھی جاری رکھا۔ مسلمانی کے نام پہ ان کے ساتھ کیا کچھ روا نہیں رکھا گیا۔ اکثریت بنگالیوں کی تھی لیکن ان پہ ظلم کے ذریعے پنجابی کو حادی کر دیا گیا۔ اس قومی استحصال کے خلاف بنگلہ میں نفرت وحقارت کا بڑھنا فطری عمل تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا، عوامی طوفان نے جس طرح پنجابی

حکمرانوں کو شدت سے ایک سبق سکھا دیا۔لیکن پنجابی کی چالاکی ،عزائم اور مکاری نے وہاں جو گل کھلائے وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں ۔تو کیا اس طرح کے موج میلوں اور مذاکرات سے عیار پنجابی کی طاقت کا رخ موڑا جاسکتا ہے ۔ جلسے جلوس اور تقریروں کی ضرورت اپنی جگہ لیکن ایک فریق کی حیثیت سے ہمیں طاقتور بننا ہے ۔فلسطینی طویل جدوجہد کی آزمائشوں سے گزر کر آج اس مقام تک پہنچے ہیں ۔آج بلوچ کو اپنے دشمن کے مزاج ریاستی کردار اور نام نہاد جمہوری حیثیت کو سامنے رکھ کر قومی ہدف کے حصول کیلئے Means of Struggle طے کرنا ہوگا۔ کیونکہ بلوچ کا جس دشمن سے واسطہ ہے،اس کا تاریخی پس منظر و کردار کیا ہے؟ کیا اس نے عالمی سامراج کی تابعداری ترک کردی ہے؟ کیا اس کے عمل ،فکر و کردار کی ضمانت ہے کہ وہ ماضی کی بدعہدیوں کو نہیں دہرائے گا؟ دوسری جانب سے یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ قوم پرستوں کی ذہنی تیاری کہاں تک ہے ۔اس طرح خالی ہاتھ بلوچ واک واختیار کیلئے میدان عمل میں نکلنا کامیابی کی دلیل نہیں ۔ بلوچ نے تو جدوجہد کیلئے عملی قدم نہیں اٹھایا۔ یہاں تو گاندھی کی سول نافرمانی کی طرح پر کوئی تحریک تک نہیں چلی المیہ تو یہ ہے کہ ناموری بھی ملے اور شوبازی بھی ہو۔لیکن زہر افشانی ونفرت کے اظہار کے ساتھ ضروری ہے کہ مخالفت وعمل کی ہمت بھی ہو۔درباری طرز کی سیاست سے حقوق نہیں ملتے ۔پنجابی کی بدعہدی کا ہر لمحہ ہمارے ذہنوں میں ابھی تازہ ہے ۔

4 اگست 1947ء کو قلات کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی قلات اور پاکستان کے درمیان معاہدہ ہوا تھا۔جس میں پاکستان نے قلات کی آزاد حیثیت کو تسلیم کرلیا تھا۔لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔دارالامراو دارالعوام کی اس قرارداد ''ہم پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے ، ہماری آزاد حیثیت ہے جسے حکومت پاکستان نے تسلیم بھی کرلیا ہے'' کے باوجود کیا ہوا؟ بندوق کے زور پر قبضہ!اس کے خلاف جب آغا عبدالکریم خان نے مسلح جدوجہد کی راہ اختیار کی تو انہیں بھی قرآن پہ معاہدہ کرکے پہاڑوں سے اتارا گیا اور پھر معاہدے کی پاسداری نہ کرتے ہوئے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو سزا دی گئی ۔نواب نوروز خان نے جب پنجابی جبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو بھی قرآن کے حلف پر ان کو دھوکہ دے کر سزا دی گئی ۔ان کے بیٹوں اور ساتھیوں کو پھانسی دی گئی ۔1973ء میں بلوچستان میں پنجابی فوج کا کیا کردار رہا۔خان قلات اور بلوچ قوم سے کئے گئے معاہدوں کی کہاں تک پاسداری ہوئی ۔مسلمانیت کے نام پر پنجابی نے جس طرح بنگالیوں کے ساتھ جبر کیا اسی طرح مسلمانیت کے نام پہ عربوں کو بھی اپنے سازشی جال میں پھنسایا۔

افغانستان میں مسلمانیت کے نام پہ روس کیخلاف جس طرح عربوں اور افغانیوں کو جہاد کے نام پہ استعمال

کیا۔ آج اسی عمل کو اپنے آقا امریکہ کے ساتھ مل کر دہشت گردی مخالفت کا نام دے رہا ہے۔ کیا امریکہ و پنجابی کیخلاف حق کی آواز بلند کرنا دہشت گردی ہے؟ یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا۔ پنجابی کی تاریخی بدعہدی سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ یہ پارلیمانی کمیٹی بھی بلوچوں میں نفاق پیدا کرنے کی ایک سازش ہے۔ مشاہد خود بے بس ہے، اس کی تو حیثیت ہی نہیں، نہ وہ کوئی مسئلہ حل کرسکتا ہے، پھر بھی تجاویز اکٹھی کی جارہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بلوچ قومی جدوجہد کے رخ کو موڑنے اور انہیں ایک نقطے میں الجھانے و مصروف رکھنے کا حربہ ہے۔ اس پہ آس لگا بیٹھنا خود فریبی ہے۔ ہمیں اس کو تاریخ کے سبق سے ناپنا چاہئے۔ ہمیں ہر قدم پہ اپنا تجزیہ کرنا چاہئے۔ اپنی خامیوں کو دیکھنا چاہئے اور ساتھ ہی پنجابی چالبازیوں کو بھی سمجھنا چاہئے۔

آپ پارلیمانی کمیٹی اور مذاکرات کو بلوچ مسئلے کا حل نہیں سمجھتے جبکہ آپ کی تنظیم حق توار، بلوچ چار جماعتی اتحاد میں شامل ہے اور بلوچ چار جماعتی اتحاد نے اپنی تجاویز پارلیمانی کمیٹی کو پیش کردی ہیں؟

حق توار کوئی سیاسی جماعت یا تنظیم نہیں ہے، یہ تو اسٹڈی سرکل کا ایک سلسلہ تھا اور ہے۔ جس کے ذریعے میری کوشش تھی کہ چار بلوچ بیٹھیں، بحث مباحثے کے ذریعے بلوچ قومی مسئلے کو سمجھ سکیں۔ میری کوشش تھی کہ اس طرح، میں بلوچوں کے ذہنوں میں ان کے واک واختیار کے سوال اور عملی جدوجہد کی فکر کو ڈال سکوں اور چار بلوچ میری بات کو سمجھ کو بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد کیلئے کمر ہمت باندھ لیں۔ جہاں تک چار جماعتی بلوچ اتحاد کا تعلق ہے تو انہوں نے از خود حق توار کے نام کو اس اتحاد میں شامل کرلیا ہے۔ حالانکہ فردِ واحد کی رائے کی کیا حیثیت ہے۔ اسی طرح نہ مجھے ان کی تجاویز کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اس میں شریک ہوں۔ صرف اخبارات کی حد تک ان کے بارے میں پڑھتا ہوں۔ مجھے بلوچوں کے اتحاد سے انکار نہیں۔ میں تو خود ایک ایک بلوچ سے اپنی منزل کیلئے اتحاد کی اپیل کرتا ہوں۔ لیکن یہاں جو اتحاد بنے ہیں، ان کی منزل وراہ کا تعین ٹھیک نہیں۔ اس میں کمی ہے۔ بلکہ اس طرح تو اتحاد سے اور دوری و الجھن پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایک ایسے بلوچ اتحاد کی ضرورت ہے کہ جس کا راستہ منزل کی جانب جاتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ منزل ایک جانب ہو اور قدم دوسری جانب جارہے ہوں۔ اس طرح کے اتحاد کا فائدہ دشمن کو تو ہوسکتا ہے، بلوچوں کو نہیں۔

آپ کا یہ کہنا کہ پاکستان ابتداء ہی سے ایک کالونی رہی ہے، اس کی وضاحت کریں گے؟

پاکستان ابتدا سے ایک کالونی رہی ہے اور ہے۔ یہ کوئی قومی ریاست نہیں۔ یہ تو انگریز کی ایما پر بنایا گیا۔ یہ انگریز مفتوحہ علاقوں پر مشتمل ایک ایسا رول ماڈل، ایک ایسی کھچڑی ہے جس کی ظاہری صورتحال، اقتصادیات، فوجی

طاقت یقیناً متاثر کن ہیں۔جس سے متاثر ہوکر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یونین میں اس کے ساتھ رہا جائے۔لیکن اگر اس کے ذرائع ،سامراجی آقاؤں کے مفادات کیلئے کام کرنے ،اس کے چاپلوسانہ تاریخی کردار کو دیکھا جائے تو یہ قابل نفرت ہے۔ یہ نہ ایک وحدت ہے اور نہ بن سکتی ہے۔جبکہ بلوچ ایک قوم ہے۔انگریزی قبضے سے قبل بلوچ ریاست کی ایک آزاد حیثیت تھی۔قلات سٹیٹ کے آزادانہ طور پر اپنے ہمسایہ ممالک اور اقوام سے معاہدے ہوتے رہے ہیں۔ 11 اگست 1947ء کو بلوچ ریاست کی انگریز قبضے کے بعد آزادی بحال تو ہوئی لیکن پھر 27 مارچ 1948ء میں پنجابی حکمرانوں نے اپنے عالمی آقاؤں کے تحفظات اور اپنے مفادات کے پیش نظر اس ریاست کو ہڑپ کرلیا۔اس قبضے کے خلاف جو بلوچ قومی تحریک شروع ہوئی۔اس تحریک کا تسلسل برقرار ہے۔وقت کے ساتھ اس میں گہرائی آتی گئی۔قومی تحریک کے سپاہی اب بالغ ہورہے ہیں۔ان میں رونما ہونے والی تبدیلی اب نمایاں ہورہی ہے۔وہ جانتے ہیں، کہ اس سرزمین کے اصل وارث بلوچ ہیں۔اس کے وسائل اور اس سرزمین پر حقِ ملکیت ان کا ہے۔قومی تحریک کے کارکنوں کو یہ علم ہے کہ تاریخی اعتبار سے اس سرزمین کا مالک ہونے کے سبب اس کا واک واختیار بھی ان کے ہاتھ میں ہو۔اس لئے ان کا عمل بھی تیز ہورہا ہے۔بلوچ قومی تحریک و بلوچ قومی جدوجہد کے بنیادی مقصد کے اس رخ کو موڑنے کیلئے بعض مفاد پرست و نافہم لوگوں کے ذریعے شراکت وحصہ داری کی بات کو بلوچ کے ذہن میں ڈالا جارہا ہے۔حالانکہ حصہ داری وشراکت کی بات وہاں ہوتی ہے، جہاں مکمل اختیارات کے ساتھ دو فریق کے مابین معاہدہ، سودا، یا لین دین ہو جبکہ پنجابی و بلوچ کے درمیان کوئی ایسا تعلق نہیں۔بلوچ اس وقت محکوم ضرور ہے لیکن وہ بلاشرکتِ غیرے اس سرزمین کا ملک ہے۔پھر شراکت وحصہ داری کے کیا معنی ہیں۔برطانیہ نے بھی ہندوستان پہ قبضے کے بعد ترقی کے بلند و بانگ دعوے کئے۔لیکن نتائج سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔کل تک جہاد و مسلمانیت کے نام پر پنجابی حکمرانوں کے تعاون سے افغانستان میں ایک کھیل رچایا گیا اور آج وہی جہادی دہشت گرد بن گئے ہیں۔اصل کھیل یہ ہے کہ ہر طاقتور کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کمزور طاقتور نہ بنے اور ان کے مفادات پہ زد نہ پڑے۔کیا پنجابی یہ چاہے گا کہ وہ افغانستان کشمیر اور بلوچستان سے ہاتھ کھینچ لے۔یہ تو اس کی موت ہے۔وہ نہیں چاہے گا کہ کوئی قومیت طاقتور ہو۔ کیونکہ وہیل ہمیشہ چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کرلیتا ہے۔دنیا میں اسلحہ کے استعمال کے حوالے سے بھی دو آراء ہیں۔ایک یہ کہ اس کا استعمال تباہی کی علامت ہے۔دوسرا یہ کہ طاقتور اور استحصالی قوتوں کے سامنے بند باندھنے ،قومی آزادی اور واک واختیار کیلئے اس کا استعمال غلط نہیں۔کیونکہ طاقتور دنیا پر حاکمیت کے خواب دیکھتا ہے۔اس خواب کو چکنا چور

کرنے کیلئے طاقتور بننے کی ضرورت ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ بلوچ قوم پرست اتنے طاقتور بن گئے ہیں کہ پنجابی کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھ جائیں،جن کو قابو کرنے کیلئے چلہ کاٹنا پڑتا ہے۔اس دوران ''جن'' مختلف روپ دھار کر چلہ کاٹنے والے کو ڈراتا ہے۔شیر کی شکل میں،سانپ کی صورت میں،مختلف بلاؤں کی شکل میں،اس کے ان تمام ڈراؤ نے حربوں کو برداشت کرنے کے بعد اس کو قابو کیا جاسکتا ہے۔اور ''جن'' تابعدار بن جاتا ہے۔ہماری قوم پرستی میں ابھی بہت کمی ہے۔ہمیں ''جن' کو قابو کرنے کیلئے آزمائشوں سے گزر کر طاقتور بننا ہے۔تب ''جن'' تابعدار ہوگا۔

گوادر پورٹ بن رہا ہے۔اس حوالے سے بھی ایک جانب ترقی وخوشحالی کی باتیں ہورہی ہیں اور قوم پرستوں کی جانب سے خدشات کا اظہار کیا جارہا ہے؟

گوادر کا مسئلہ عالمی سامراجی غلبہ ومفادات کا ہے،جہاں پنجابی کے ذریعے سامراجی ممالک اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے غلبے کو مستحکم کیا جارہا ہے۔اس میں زیادہ حصہ امریکہ کا ہے۔دوسرے نمبر پر یورپی ممالک،چین،عرب ،سینٹرل ایشیا کے ممالک اور کچھ کچھ ایران آتا ہے۔اس عمل میں پنجابی ماضی کی طرح اپنا تاریخی کردار ادا کررہا ہے کہ ہڈی کا ایک ٹکڑا ملے۔جس طرح افغانستان میں عالمی کشمکش کا منظر نامہ ہم نے دیکھا۔افغانستان میں سوشلزم اور کیپٹل ازم وسرمایہ داری کی جنگ تھی۔پنجابی کے ذریعے جہاد کے نام پہ روس کے خلاف مختلف کردار پیدا کئے گئے۔افغانستان کو تباہی کے دھانے تک پہنچایا گیا اور اب انہی کرداروں کو دہشت گردی کے نام پہ دیوار سے لگایا جارہا ہے۔وانا میں لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔بلوچستان ان کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں۔گوادر میں بھی عالمی سرمایہ داروں اور طاقتور قوتوں کے مفادات کی جنگ لڑی جارہی ہے۔جس میں امریکہ کے زیادہ اور روس وسینٹرل ایشیا،فرانس،چین،عرب و ایران کے مفادات وابستہ ہیں۔گوادر اور بلوچ سرزمین و بلوچ ساحل ایک شکار ہے اور عالمی سرمایہ دار شکاری ہیں۔ان گِدھوں سے بلوچ و بلوچ سرزمین کو بچانا آسان نہیں اور اگر درمیان میں پنجابی جیسا عیار دشمن ہو تو یہ اور بھی مشکل و دشوار ہوجاتا ہے،یہ سب متحد ہوجاتے ہیں بلوچ کو نوچنے کیلئے۔اب بلوچ کو ایک مکمل تیاری کی ضرورت ہے۔ہر طرح سے اپنے آپ کو لیس کرکے جب تک بلوچ میدان عمل میں نہیں نکلے گا،تب تک اس مرض سے چھٹکارا ممکن نہیں۔اس کو گہرائی اور سنجیدگی سے لینا چاہئے۔لیکن ہم اسے سطحی لے رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایرانی بلوچستان کے گورنر نے یہاں کا دورہ کیا۔اس بلوچ اور ایرانی بلوچستان کو جڑواں قرار دیا گیا۔اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

یہ سب بلوچ قومی تحریک کی راہ کو روکنے کے حربے ہیں۔ بلوچ قوم کو مارنے کیلئے سب کچھ کیا جارہا ہے۔ یہ ایک تیاری ہے۔ ایک کور کیموفلاج کیا جارہا ہے۔ یہ بلوچ دشمنی کی ایک کڑی ہے۔ جڑواں قرار دینے کی منطق عجیب ہے؛ یہ بھی بلوچ سرزمین ہے، وہ بھی بلوچ سرزمین۔ پر تاریخ کی ستم ظریفی ہے۔ اب ایران اور پنجابی ہمیں آسانی سے حق تو نہیں دیں گے۔ 1973ء میں بھی پنجابی و ایرانی فورسز نے مل کر بلوچوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ تاریخ کا سبق تو یہ ہے کہ یہ بھی بلوچ کو مارنے کی ایک تیاری ہے۔ یہ قومی و اجتماعی طور پر ہمارا نقصان ہے۔ کیا ایرانی و پنجابی حکمرانوں نے بلوچ حقوق کو تسلیم کرلیا ہے؟ وہ بھی نچلے طبقے کے غلاموں جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمیں اس احساس کو اجاگر کرنا ہے۔ ہمارے قومی مسائل کیا ہیں؟ قومی جہد کی راہ کیسے متعین کرنی چاہئے؟ تب ہی ہم ان دو دشمنوں کے چنگل سے چھٹکارا پاسکتے ہیں۔ یہ دونوں بلوچ دشمن ہیں اور اب ایک بار پھر بلوچ کے خلاف اپنے مفادات کے تحت مل بیٹھے ہیں۔

پنجابی یہ نہیں چاہے گا کہ وہ
افغانستان، کشمیر اور **بلوچستان** سے ہاتھ کھینچ لے

انٹرویو : اعظم الفت

ذریعہ : روزنامہ بلوچستان نیوز، کوئٹہ

اشاعت : 19 مارچ 2005

انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا 12 اگست 1947ء میں قلات کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی قلات اور پاکستان کے درمیان معاہدہ ہوا تھا جس میں پاکستان نے قلات کی آزاد حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا دارالعلوم کے اس قرار داد "ہم پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے ہماری آزاد حیثیت ہے جسے حکومت پاکستان نے تسلیم بھی کر لیا ہے۔" کے باوجود کیا ہوا۔ بندوق کے زور پر جبری الحاق، اس کے خلاف جب آغا عبدالکریم خان نے مسلح جدوجہد کی راہ اختیار کی تو انہیں بھی قرآن پر معاہدہ کر کے پہاڑوں سے اُتارا گیا اور پھر معاہدے کی پاسداری نہ کرتے ہوئے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو سزا دی گئی۔

نواب نوروز خان نے جب پنجابی جبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو بھی قرآن کے حلف پر ان کو دھوکہ دے کر سزا دی گئی۔ ان کے بیٹوں اور ساتھیوں کو پھانسی دی گئی۔ 1973ء کو بلوچستان میں پنجابی فوج کا کیا کردار رہا۔

خان قلات اور بلوچ قوم سے کئے گئے معاہدوں کی کہاں تک پاسداری ہوئی؟ مسلمانیت کے نام پر پنجابی نے جس طرح بنگالیوں کے ساتھ جبر یا اسی طرح مسلمانیت کے نام پر عربوں کو بھی اپنی سازشوں کے جال میں پھنسایا۔ افغانستان میں مسلمانیت کے نام پر روس کے خلاف جس طرح عربوں اور افغانیوں کو جہاد کے نام پر استعمال کیا۔ آج اس کو اپنے آقا امریکہ کے ساتھ مل کر دہشت گردی نما لعنت کا نام دے رہا ہے۔ کیا امریکہ و پنجابی کے خلاف حق کی آواز بلند کرنا دہشت گردی ہے؟ یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا۔ پنجابی کی تاریخ بدعہدی سے ہم بخوبی وقف ہیں۔ یہ پارلیمانی کمیٹی بھی بلوچوں میں نفاق پیدا کرنے کی ایک سازش ہے۔ مشاہد خود بے بس ہیں اس کی حیثیت ہی یہ ہے کہ وہ خود برملا اظہار کرتے ہیں کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اور پھر تجاویز بھی اکھٹی کی جارہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بلوچ قومی حقوق کے رُخ کو موڑنے اور انہیں ایک نقطے میں الجھانے و مصروف رکھنے کا حربہ ہے۔ اس پر آس لگائے بیٹھنا خود فریبی ہے۔ ہمیں اس کو تاریخ کے سبق سے لینا چاہیے۔ ہمیں ہر قدم پر اپنا تجزیہ کرنا چاہیے۔ اپنی خامیوں کو دیکھنا چاہیے اور ساتھ ہی پنجابی چالبازیوں کو بھی سمجھنا چاہیے۔

بلوچ حق توار کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بلوچ حق توار کوئی سیاسی جماعت یا تنظیم نہیں ہے۔ یہ تو اسٹڈی سرکل کا ایک سلسلہ تھا اور ہے۔ جس کے ذریعے میری کوشش تھی کہ بلوچوں کے ذہنوں میں ان کے واک و اختیار کے سوال اور عملی جدوجہد کی فکر کو ڈال سکوں اور چار بلوچ میری بات کو سمجھ کر بلوچ قومی حقوق کے جدوجہد کے لئے کمر ہمّت باندھ لیں۔ جہاں تک چار جماعتی بلوچ اتحاد کا تعلق ہے تو انہوں نے از خود حق توار کے نام کو

اس اتحاد میں شامل کرلیا ہے۔ حالانکہ فردِ واحد کی رائے کی کیا حیثیت ہے اس طرح نہ مجھے ان کی تجاویز کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اس میں شریک ہوں۔ صرف اخبارات کی حد تک ان کے بارے میں پڑھتا ہوں۔ مجھے بلوچوں کے اتحاد سے انکار نہیں میں تو خود ایک ایک بلوچ سے اپنی منزل کے لئے اتحاد کی استدعا کرتا ہوں لیکن یہاں جو اتحاد بنے ہیں ان کے منزل کا تعین ٹھیک نہیں۔ اس میں کمی ہے بلکہ اس طرح تو اتحاد سے اور ذہنی اُلجھن پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایک ایسے بلوچ اتحاد کی ضرورت ہے جس کا راستہ منزل کی جانب جاتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ منزل ایک جانب ہو اور قدم دوسری جانب جارہے ہوں۔ اس طرح اتحاد کا فائدہ دشمن کو تو ہوسکتا ہے بلوچوں کو نہیں۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سردار خیر بخش نے کہا کہ گوادر کا مسئلہ عالمی سامراجی غلبہ اور مفادات کا ہے جہاں پنجابی کے ذریعے سامراجی ملک اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے غلبے کو مستحکم کیا جارہا ہے۔ اس میں زیادہ حصہ امریکہ کا ہے۔ دوسرے نمبر پر یورپی ممالک چین، عرب، روس، سینٹرل ایشیاء کے ممالک اور کچھ ایران آتا ہے۔ اس عمل میں پنجابی ماضی کی طرح اپنا تاریخی کردار ادا کررہا ہے کہ ہڈی کا ایک ٹکڑا ملے جس طرح افغانستان میں عالمی کشمکش کا منظر نامہ ہم نے دیکھا۔ افغانستان میں سوشلزم اور کیپٹل ازم کی جنگ تھی۔ پنجابی کے ذریعے جہاد کے نام پر دیوار سے لگایا جارہا ہے۔ وانا میں لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ بلوچستان ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ گوادر میں عالمی سرمایہ داروں اور طاقتور قوتوں کے مفادات کی جنگ لڑی جارہی ہے۔ بلوچستان ایک شکار ہے اور عالمی سرمایہ دار شکاری ہیں۔ ان گدھوں سے بلوچ و بلوچ سرزمین کو بچانا آسان نہیں اور اگر درمیان میں پنجابی جیسا عیار دشمن ہو تو یہ اور بھی مشکل و دشوار ہوجاتا ہے۔ یہ وہ موذی مرض ہے کہ اگر جس کی تشخیص کرکے علاج نہ کیا گیا تو انجام بہت بُرا ہوگا۔ گوادر میں گدھ جمع ہیں بلوچ کو نوچنے کے لئے اب بلوچ کو ایک مکمل تیاری کی ضرورت ہے۔ ہر طرح سے اپنے آپ کو لیس کرکے جب تک بلوچ میدان عمل میں نہیں نکلے گا تب تک اس مرض سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ اس کو سنجیدگی سے لینا چاہیے لیکن ہم اسے سطحی لے رہے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ بلوچ قومی تحریک کی راہ کو روکنے کے حربے ہیں۔ بلوچ قوم کو مارنے کے لئے سب کچھ کیا جارہا ہے۔ یہ تیاری کی کڑی ہے۔ ایک کور کیموفلاج ہے۔ مغربی اور مشرقی بلوچستان کو جڑواں قرار دینے کی منطق عجیب ہے، یہ بھی سرزمین ہے وہ بھی بلوچ سرزمین ہے تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ یہ پنجابی و ایرانی قبضے میں ہیں۔ ہمارے وسائل و ملکیت کا اختیار ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اب ایران اور پنجابی ہمیں آسانی سے حق تو نہیں دیں گے۔ 1973ء میں بھی پنجابی و ایرانی فورسز نے ملک کر بلوچوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا

تھا۔ تاریخ کا سبق تو یہ ہے کہ یہ بھی بلوچ کو مارنے کی ایک تیاری ہے۔ یہ قومی و اجتماعی طور پر ہمارا نقصان ہے۔ کیا ایرانی پنجابی حکمرانوں نے بلوچ حقوق کو تسلیم کرلیا ہے۔ وہ بھی نچلے طبقے کے غلاموں جیسی ہمیں اس احساس کو اُجاگر کرنا ہے۔ ہمارے قومی مسائل کیا ہیں؟ قومی جہد کی راہ کیسے متعین کرنی چاہیے۔ تب تک ہم ان دشمنوں کے چنگل سے چھٹکارا نہیں پاسکتے۔ یہ دونوں بلوچ دشمن ہیں اور اب ایک بار پھر بلوچ کے خلاف اپنے مفادات کے تحت مل بیٹھے ہیں۔

بلوچ قوم دوست رہنماء نے مذاکرات کے حوالے سے ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مذاکرات کس حوالے سے ہوں؟ بنیادی نقاط کیا ہوں؟ ضمانت کیا ہے کہ یہ پارلیمانی کمیٹی اتنی بااختیار ہے کہ بلوچ واک واختیار اس کے ذریعے تسلیم ہوگا؟ اس طرح کا مذاکرات بلوچ مسئلے کا حل نہیں۔ پنجابی جیسے دشمن سے مذاکرات کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قوم پرستوں کی آنکھیں کھلی ہوں اور ان کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے پر مضبوطی سے جما ہو کیونکہ یہ بچوں کا کھیل نہیں کہ جلسے جلوس وتقریر اور موج میلوں سے حل ہوگا اور بلوچ کو تمام حقوق واختیار مل جائیں گے۔ ہمیں بلوچ نیشنلسٹوں کا جائزہ لینا ہوگا کہ وہ قومی جدوجہد میں کس حد تک حصہ دار ہو چکے ہیں۔ کیا ایسے کسی امتحان سے گزرے ہیں؟ پاکستان تو ابتداء ہی سے ایک کالونی رہا ہے۔ اس نے 1500 میل دُور مشرقی پاکستان میں اپنی ظالمانہ طاقت اکثریت کے خلاف استعمال کی۔ پاکستان مذہب کے نام پر وجود میں آیا لیکن پنجابیوں نے بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر کتنے ظلم وجبر کے پہاڑ توڑے۔ پنجابی حکمرانوں نے بنگالی، بلوچ، کشمیری اور دیگر محکوم قوموں پر اپنا تسلط اور مالیاتی حکمرانی برقرار رکھنے کے لئے جہاں جبر سے کام لیا وہاں قومی استحصال بھی جاری رکھا۔ اکثریت بنگالیوں کی تھی لیکن ان پر ظلم کے ذریعے پنجابی کو حاوی کردیا گیا۔ ننگی خونی آمریت کے ذریعے ان کا استحصال کیا گیا۔ اس قومی استحصال کے خلاف بنگال میں نفرت وحقارت کا بڑھنا فطری ردعمل تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا۔ عوامی طوفان نے جس طرح پنجابی حکمرانوں کو شدت سے ایک سبق سکھا دیا لیکن پنجابی کی چالاکی، عزائم اور مکاری نے وہاں جو گل کھلائے وہ تاریخ کا حصہ ہیں تو کیا اس طرح موج میلوں اور مذاکرات سے عیار پنجابی کی طاقت کا رُخ موڑا جاسکتا ہے۔ جلسے جلوس اور تقریر کی ضرور اپنی جگہ لیکن ایک فریق کی حیثیت سے ہمیں طاقتور بننا ہے۔ فلسطینی طویل جدوجہد کی آزمائشوں سے گزر کر آج اس مقام تک پہنچے ہیں لیکن عرفات کے بعد اب ضرورت کے مطابق آگے بڑھنے کے لئے تذبذب کا شکار ہیں۔ آج بلوچ کو اپنے دشمن کے مزاج وریاستی کردار اور نام نہاد جمہوری حیثیت کو سامنے رکھ کر قومی ہدف کے حصول

کے لئے Struggle of means طے کرنا ہوگا کیونکہ بلوچ کا جس دشمن سے واسطہ ہے اس کا تاریخی پس منظر و کردار کیا ہے؟ کیا اس نے عالمی سامراج کی تابعداری ترک کردی ہے؟ کیا اس کے عمل وفکر و کردار کی ضمانت ہے کہ وہ ماضی کے بدعہدیوں کو نہیں دہرائے گا؟ دوسری جانب یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ قوم پرستوں کی ذہنی تیاری کہاں تک ہے۔ اس طرح خالی ہاتھ بلوچ واک و اختیارات کے لئے میدان عمل میں نکلنا کامیابی کی دلیل نہیں۔ انہوں نے تو جدوجہد کے لئے عملی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ یہاں گاندھی کی سول نافرمانی کی طرز کی کوئی تحریک تک نہیں چلی ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ ناموری بھی ملے اور شوبازی بھی ہو لیکن زہر افشانی ونفرت کے اظہار کے ساتھ ضروری ہے کہ مخالف وعمل کی ہمت بھی ہو۔ درباری طرز کی سیاست سے حقوق نہیں ملتے۔ پنجابی کی بدعہدی کا ہر لمحہ ہمارے ذہنوں میں ابھی تازہ ہے۔

انہوں نے برجستہ کہا کیا یہ ترقیاتی منصوبے و میگا پراجیکٹس بلوچ قوم کی ترقی وخوشحالی کے لئے ہیں؟ یا اس پر لاوا پک رہا ہے۔ ہمیں تاریخ کے سبق دہرانا چاہیے کہ بالادست کے منہ سے محکوم قوم کے لئے ترقی کا لفظ صرف لوٹ کھسوٹ کے لئے ملتا ہے۔ غور وفکر کی ضرورت ہے کہ اس کے بل سے بلوچ پر مزید تسلط کو کیسے مضبوط کیا جارہا ہے۔ رومیوں کی اصطلاح کالونیکل ازم کا مطلب ہی مقبوضہ علاقوں میں نوآبادیاں قائم کرکے مقامی آبادی کو بے دخل کرنا، ان کے وسائل پر قبضہ جمانا ہے۔ رومن امپائر انگریز قبضہ اور دیگر سامراجی سرمایہ دار ممالک نے کیا ماضی میں اسی طرح ہتھکنڈوں سے ترقی کا راگ الاپ کر اقوام کو نہیں لوٹا؟

آج امریکہ وانٹرنیشنل کمپنیاں اقوام کی تہذیب، کلچر اور روایات میں رکاوٹیں کھڑی کرکے ان کی تجارت پر قابض نہیں ہورہے؟ ان کے تضادات کو بگاڑ کر مختلف استحصالی ذرائع سے انہیں افلاس سے دوچار نہیں کیا جارہا ہے؟ آج بلوچ کے خلاف بھی وہی حربے استعمال ہورہے ہیں۔ بلوچ کو اس نہج پر پہنچایا جارہا ہے کہ وہ عالمی سرمایہ داروں کا دست نگر بننے کے ساتھ مکمل پنجابی پر انحصار کرنے پر مجبور ہو۔ ان ترقیاتی منصوبوں میں عالمی سرمایہ داروں اور پنجابی کا مفاد پوشیدہ ہے۔ انگریزی تسلط کے بعد اب 57 سالوں سے بلوچ جبری الحاق کے شکنجے میں جھکڑے پنجابی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے۔ ترقی و میگا پراجیکٹس کے اس راگ کا مقصد بھی عالمی اہمیت کے حامل بلوچ علاقوں میں پنجابی غیر مقامی افراد کی آبادکاری و عالمی سرمایہ داروں کے تسلط کو مضبوط کرنا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان دو باتوں اور تضادات پر غور کیا جائے۔ بلوچ و پنجابی کے درمیان موجود تضاد اور بلوچ نیشنلزم کے درمیان تضاد، پنجابی کی حیثیت تو یہ ہے کہ

اپنے عالمی آقا کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔ حصہ داری بٹورنے کے لئے چاپلوسانہ روش پر گامزن ہے۔ اس کی یہ حرکتیں اس کے تاریخی کردار کے عین مطابق ہیں لیکن ہمیں سوچنا چاہیے کہ بلوچ نیشنلزم کے حقیقی روح کیا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارا قومی ہدف کیا ہے؟ قومیتیں اپنی خصوصیات کی بناء پر تاریخ میں الگ حیثیت کے مالک ہیں۔ ہر کسی کے تاریخی سلسلے اور تقاضے اپنے ہیں۔ یلغاروں کی صورت میں ہر عمل کو جوں کا توں قبول کرنا ضروری نہیں ہے نہ ممکن ہے۔ ہمارا اجتماعی شعور اور طرز احساس ہمارے ماضی وحال سے بندھا ہوا ہے لیکن کچھ سطحوں پر ہم کشمکش کا شکار ہیں۔ ہماری بلوچ قوم پرست پارٹیوں کی پالیسیوں اور حکومت میں ابہام ہے۔ ایسی پارٹیاں وجود رکھتی ہیں جن کے بارے میں واضح طور پر نہیں کہہ سکے ہیں Nationalism Regionel, Nationalism Proviceial, Nationalism Univer کی سیاست کر رہے ہیں۔ ان کا ہدف کیا ہے قوم پرست پارٹی کے انتظامی یونٹ کی سطح پر تشکیل کردہ فریم ورک کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اس بات پر غور وفکر کی ضرورت ہے کہ قوم پرست پارٹی قوم سے منسوب ہونی چاہیے کہ وطن سے یا پھر انتظامی یونٹ کے نام سے۔

جس کی پارٹی میں فکر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے وہاں شخصیات پارٹی کو مجتمع کرنے کا کام تو کر سکتی ہے لیکن حیثیت ان کی مرکزی نہیں ہوتی بلکہ مرکزی حیثیت فکر اور قومی پروگرام کو حاصل ہوتی ہے تاکہ قومی پروگرام حالات میں اونچ نیچ اور ریاستی سختیوں کے باوجود اپنے ہدف کی جانب بلا رکاوٹ جاری رہے۔

نیشنلزم کی سیاست میں جس کسی قسم کا کوئی انقلابی پروگرام ہو یا طویل المدت پروگرام ہو۔ اس کے سیاسی قائدین وکارکنوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پختہ فکر ہو با کردار ہوں، سرسری اور سطحی انداز سیاست وایشو پالیٹکس کو صرف سیاست کا نام تو دیا جاسکتا ہے، قوم پرستی نہیں۔ یہ ایک بڑی خامی ہے۔ مجموعی طور پر قوم پرستی اس وقت ابھر سکتی ہے کہ افراد ہوں یا نہ ہوں مجموعی حیثیت سے پختگی صلاحیت وبلوغت ہوتا کہ یہ اپنی منزل کی جانب آگے بڑھے۔

فلسطینی تحریک کے حوالے سے یاسر عرفات کی موت کے بعد وہاں یہ سوال اُٹھ رہا ہے کہ آیا اب PLO کی تحریک اتنی ہی موثر ہوسکتی ہے جتنی یاسر عرفات کے دور میں اس کو حیثیت وشہرت حاصل تھی۔ بلکہ یاسر عرفات فلسطینی تحریک کے سمبل بن چکے ہیں۔ وہاں اب بھی موثر قومی طاقت یا رہبر اُبھر سکتا ہے؟ حالانکہ فلسطینی تحریک کو عرب اور باقی دنیا سے سیاسی واخلاقی کمک ملتی رہی ہے۔ ان کی تربیت ہوتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود امکانات پر بحث ہو رہی ہے کہ ہوسکتا ہے ایسا ممکن ہے، ایسا نہیں۔ اس طرح فلسطینی تحریک کے اندرونی مسائل بھی ہیں۔ ہم بلوچوں نے تو ان

جیسی پختگی بھی حاصل نہیں کی کمزوریاں ہیں۔اس کمی کو ڈور کرنے کی پختگی نہیں۔کیا ہم ان تقریروں، بلند و بانگ دعوؤں اور موج میلوں سے حقوق حاصل کرلیں گے۔وقت وحالات کے تقاضوں کے مطابق اتحاد واشتراک سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ کوشش ہونی چاہیے کہ یہ جنگ شکست میں بدل نہ جائے۔ باریک بینی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ گہرائی سے تجزیہ کرنا پڑے گا کہ وقت گزاری اور سطحی انداز سے سیاست قومی کامیابی حاصل نہیں ہوگی بلکہ نقصانات کے قومی امکانات ہیں۔ ہمارا راستہ تلخ اور کھٹن ہے۔کیا ہم اس بار کو اُٹھا سکتے ہیں؟ مقابلہ کرسکتے ہیں۔ ہمارے اندر نیشنلزم کی پختگی ہے؟

یہ سمجھ سکیں کہ بلوچ قومی تحریک و بلوچ قومی جدوجہد ہے۔اپنی سرزمین اپنے وسائل اور اقتصادیات پر حق و اختیار بلوچ کا ہو۔اس کیلئے ضروری ہے کہ بلوچ اس روایتی انداز کی بجائے جو قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ جدید و منظّم انداز میں جدوجہد کریں۔حق واختیار کی بجائے ترقی و میگا پراجیکٹس کی باتیں کرنا کم فہمی ہے۔واک واختیار آسانی سے نہیں ملتے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تکلیف بھی نہ ہو اور شہد بھی میسر آئے۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس کے لئے چلہ کاٹنا پڑتا ہے۔خواہش کرنے سے قومی حقوق نہیں ملتے،اس کے لئے فکر وعمل کی ضرورت ہے۔ہم اس منزل پر نہیں پہنچے ہیں کہ مذاکرات میں بیٹھیں۔ایک گہری سانس بھرتے ہوئے۔خیر بخش مری نے کہا کہ پاکستان ابتداء سے ایک کالونی رہی ہے اور ہے۔یہ کوئی قومی ریاست نہیں ہے۔یہ تو انگریز کی ایماء پر بنایا گیا۔

انگریز مفتوحہ علاقوں پر مشتمل ایک ایسا رول ماڈل ایک ایسی کھچڑی ہے جس کی ظاہری صورت حال اقتصادیات،فوج طاقت یقیناً متاثر کن ہیں۔جس سے متاثر ہوکر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یونین کے ساتھ رہا جائے لیکن اگر اس کے ذرائع سامراجی آقاؤں کے مفادات کے لئے کام کرنے اس کے چاپلوسانہ تاریخی کردار کو دیکھا جائے تو یہ قابل نفرت ہے۔یہ نہ ایک وحدت ہے اور نہ بن سکتی ہے۔جبکہ بلوچ ایک قوم ہے۔انگریز قبضے سے قبل بلوچ ریاست کی ایک آزاد حیثیت تھی۔قلات ریاست کے آزادانہ طور پر اپنے ہمسایہ مما لک اور اقوام سے معاہدے ہوتے رہے ہیں۔15 اگست 1947ء کو بلوچ ریاست کی انگریز قبضے کے بعد آزادی بحال تو ہوئی لیکن پھر 1948ء میں پنجابی حکمرانوں نے اپنے عالمی آقاؤں کے تحفظات اور اپنے مفادات کے پیش نظر اس ریاست کو ہڑپ کرلیا۔اس جبری الحاق کے خلاف جو بلوچ قومی تحریک شروع ہوئی اس تحریک کا تسلسل برقرار ہے۔وقت کے ساتھ اس میں گہرائی

آتی گئی ہے۔قومی تحریک کے سپاہی اب بالغ ہورہے ہیں۔اس میں رونماء ہونے والی تبدیلی اب نمایاں ہورہی ہے۔ کیونکہ ان میں قومی احساس کا جذبہ پختہ ہورہا ہے۔وہ جانتے ہیں کہ اس سرزمین کے اصل وارث بلوچ ہیں اس کے وسائل واس سرزمین پرحق ملکیت ان کا ہے۔قومی تحریک کے کارکنوں کو یہ علم ہے تاریخی اعتبار سے اس سرزمین کا مالک ہونے کی سبب اس کا واک واختیار بھی ان کے ہاتھ میں ہو۔اس لئے ان کا عمل بھی تیز ہورہا ہے۔بلوچ قومی تحریک و بلوچ قومی جدوجہد کے بنیادی مقصد کے اس رُخ کوموڑنے کے لئے بعض مفاد پرستوں نافہم لوگوں کے ذریعے شرکت وحصہ داری کی بات کو بلوچ کے ذہن میں ڈالا جارہا ہے۔حالانکہ حصہ داری وشراکت کی بات وہاں جاتی ہے جہاں مکمل اختیارات کے ساتھ دوفریق کے مابین معاہدہ سودا یالین دین ہوجبکہ پنجابی و بلوچ کے درمیان کوئی ایسا تعلق نہیں۔ بلوچ اس وقت محکوم ضرور ہے لیکن وہ بلاشرکت غیرے اس سرزمین کا مالک ہے۔پھر شراکت وحصہ داری کے کیا معنی ہیں۔برطانیہ نے بھی ہندوستان پر قبضے کے بعد ترقی کے بلد بانگ دعوے کیے لیکن نتائج سب کے سامنے ہیں۔آج امریکہ بھی عراق اور افغانستان میں جمہوریت وترقی اور خوشحالی کے دعوے کررہا ہے لیکن حقائق سے ہم سب بخوبی واقف ہیں کل تک جہاد مسلمانیت کے نام پر پنجابی حکمرانوں کے تعاون سے افغانستان میں ایک کھیل رچایا گیا اور آج وہی جہادی دہشت گردی بن گئی ہیں اصل کھیل یہ ہے کہ ہر طاقتور کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کمزور طاقتور نہ بنے اور ان کے مفادات پر ضرب نہ پڑے۔کیا پنجابی یہ چاہے گا کہ وہ افغانستان، کشمیر اور بلوچستان سے ہاتھ کھینچ لے؟ یہ تو اس کی موت ہے۔وہ نہیں چاہے گا کہ کوئی قومیت طاقتور ہو کیونکہ وہیل ہمیشہ چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کرلیتی ہے۔دنیا میں اسلحہ کے استعمال کے حوالے سے بھی دو آرائیں ہیں ایک یہ کہ اس کا استعمال تباہی کی علامت ہے دوسرا یہ کہ طاقتور اور استحصالی قوتوں کے سامنے بند باندھنے قومی حقوق اور واک واختیار کے لئے اس کا استعمال غلط نہیں کیونکہ طاقتور بننے کی ضرورت ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ بلوچ قوم پرست اتنے طاقتور بن گئے ہیں کہ پنجابی کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھ جائیں جن کو قابو کے لئے چلہ کاٹنا پڑتا ہے۔اس دوران جن مختلف روپ دھا کر چلہ کاٹنے والے کو ڈراتا ہے۔شیر کی شکل میں سانپ کی صورت میں مختلف بلاوں کی شکل میں اس کے ان تمام ڈراؤنے حربوں کو برداشت کرنے کے بعد اس کو قابو کیا جاسکتا ہے جس سے جِن تابعدار بن جاتا ہے۔

ہماری قوم پرستی میں ابھی بہت کمی ہے۔ہمیں جِن کو قابو کرنے کے لئے آزمائشوں سے گزر کر طاقتور بننا ہے۔تب جِن تابعدار ہوگا۔

بلوچ نیشنلزم ابھی طفلی سطح پر ہے

وقتی مراعات، حقِ ملکیت کا نعم البدل نہیں کہ ان کی خاطر لہو بہایا جائے

انٹرویو : خادم لہڑی جاوید نصیر رند، حاصل نورد شتی

ذریعہ : روزنامہ توار

اشاعت : 4 مارچ 2006ء

بدلتے عالمی حالات کے تناظر میں آپ بلوچ قوم پرستی کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

نیشنلزم کے معیار اور تقاضوں کے حوالے سے قومیت وقوم پرستی کی ضرورت کو پورا کرنے کے وسائل، قومی یکجہتی وقومی شعور کے تحت ممکن الحصول ہوتے ہیں، قوم پرست اپنے سماجی اقدار، حالات اور قومی ضرورتوں ارتقاء کی موزونیت سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے جب اپنے واک واختیار کیلئے جدوجہد اور اپنی سرزمین کی جغرافیائی وحدتوں وقومی تقاضوں کے پیش نظر سائنٹیفک سوچ، تدبیر اور انقلابی لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں، تو اس طرح وہ نہ صرف ایک حقیقی عمل پہ گامزن ہوجاتے ہیں، بلکہ بدلتی حقیقی عمل پہ گامزن ہوجاتے ہیں بلکہ بدلتی حقیقتوں کے ساتھ ساتھ اپنے سماجی حالات کا بھی گہرائی سے مشاہدہ ومطالعہ کرتے ہیں اور اسی حقیقی تجزیے کی بناء پر اپنی پالیسی مرتب کرکے قومی جذبہ ابھارتے ہیں، اس لئے قوم پرستی نہ صرف ایک سیاسی پروگرام ہے بلکہ ایک نصب العین بھی ہے، ایک ایسا نصب العین جس کی بنیاد واک واختیار، اتحاد اور قومی شناخت کے مثبت جذبے پہ رکھی جاتی ہے۔ یہ تینوں عناصر جہد آزادی اور واک واختیار کے حصول کیلئے افراد کو ذہنی طور پر تیار اور آمادہ کرتے ہیں اس لئے حقیقی نیشنلزم کا راستہ انتہائی مشکل اور انتہائی کٹھن ہے اس راستے پر چلنے کیلئے انگاروں سے گزرنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر سرزمین کا دفاع ممکن ہوتا ہے۔

اس تناظر میں اگر بلوچ نیشنلزم کا جائزہ لیا جائے تو قوم پرستانہ بلوغت کے فقدان کا شدت سے احساس ہوتا، خصوصاً حالت جنگ میں نیشنلزم کے جذبات اور بھی گہرے ہوجاتے ہیں، بلوچ اسی تاریخی کیفیت سے گزر رہا ہے۔ کیا بلوچ قوم پرستی کے نام لیوا اس کا ادراک کر چکے ہیں؟ کیا انہوں نے گہرائی اور سنجیدگی سے اس کا تجزیہ کرکے، اس تجزیے کی بنیاد پہ اپنی پالیسیاں مرتب کی ہیں؟ بدبختی سے ایسی بات نظر نہیں آتی، بلوچ سماج میں آج تک کوئی بھی قوم پرست جماعت مفادات وعلاقائیت سے بلند تر ہوکر ''بلوچ'' نام اختیار نہیں کرسکی ہے، نہ ہی بلوچ وبلوچ قومیت کے تحت اپنا لائحہ عمل وپروگرام مرتب کرسکی ہے، تاکہ حقیقی معنوں میں بلوچیت کی ترجمانی کرسکے۔ کوئی نیشنل کے نام پہ مفادات وقومیت کو گڈمڈ کرکے نہ جانے کس قوم کی باتیں کررہا ہے۔ کوئی بلوچستان اور نیشنل یعنی علاقائیت اور قومیت کو ایک دوسرے میں مدغم کرکے نیشنلزم کے حوالے سے ابہام کا باعث بن رہا ہے، کوئی بلوچستان نیشنل کے ساتھ عوامی نتھی کرکے نہ جانے کس قوم اور کس عوام کی بات کررہا ہے، اسی طرح جمہوری اور وطن کی شکل بھی واضح نہیں، یہ وہی پرانی شکل ہے۔ یہ حالات نیشنلزم کے نہیں ہیں۔ بلوچ جدوجہد نیشنلزم کے ذریعے ہی کرسکتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے بلوچ قوم پرستوں کی جانب سے نیشنلزم کے نام پہ جو سیاست ہورہی ہے وہ بلوچ وطن کیلئے نہیں ہورہی ہے اس لئے یہ عملی

طورقوم پرست نہیں ہیں۔اسی طرح بلوچ قوم پرستی کی بھی نیشنلزم کی بنیادوں کی وضاحت ہونی چاہئے کہ اس کو کیا نام دیا جائے۔

نیشنل،نیشنلزم وانسانی تہذیب کی نشوونما قومی ماحول میں ہوتی ہے۔جب سماج میں نیشنلزم کی تحریک اٹھتی ہے تو سیاسی وکلچرل ہر دو سطح پہ قومی شعور ابھرتا ہے اور نشوونما پاتا ہے، پھر اس سماج میں نیشنلزم درجہ بہ درجہ آگے بڑھتے ہوئے قومی سوچ کو وسعت دیتا ہے۔تب اس مقام پہ نیشنلزم پختگی کی سطح اور بلوغت کو پہنچتی ہے۔اس وقت بلوچ نیشنلزم درجہ بہ درجہ آگے بڑھتے ہوئے،قومی سوچ کو وسعت دیتے ہوئے پختگی کی سطح اور بلوغت کو پہنچا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بلوچ نیشنلزم یا تو طفلی کی سطح پہ ہے، یا شاید ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے چلنے کے قابل ہوا ہے۔اس کو قومی آزادی وشعور کی صورت دے کر عمل کو پختہ بنانے کی ضرورت ہے۔بلوچ کو آگ اور تلوار کی سختیوں سے گزر کر کندن بننے کیلئے ایک آزمائش سے گزرنا پڑے گا،تب بلوچ نیشنلزم میں بلوغت آئے گی،اور بلوچ ایک فریق کی حیثیت سے قبضہ گر کو ہاتھ سے پکڑ کر یہ کہہ سکے گا کہ میری سرزمین سے نکل جاؤ۔

نیشنلزم کے حوالے سے ایک تو یہ ناپختہ سوچ ہے جس کو نیشنلزم کی ابتدائی شکل کا نام دیا جاسکتا ہے،البتہ اس میں پختگی نہیں اور دوسری جانب وہ گروہ ہے جو بلوچ نیشنلزم کے نام پہ دو کشتیوں میں سواری کر رہا ہے، جو بے ایمان ہے اور مکر وفریب سے قوم پرستی کو مفادات کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔یہ اتنے خودغرض ہیں کہ ایک جانب تو کشتیاں جلانے کی باتیں کرتے ہیں تو دوسری جانب ربڑ کی کشتیاں بھی رکھی ہوئی ہیں۔رائلٹی،کنکرنٹ لسٹ، پندرہ پوائنٹ'اس طرح کے مطالبات کا اظہار.....نیشنلزم اور پروفیشنلزم میں فرق ہونا چاہئے۔

بلوچ سرزمین پہ جنگ کی ابتداء ہوچکی ہے۔اس میں پختگی کے ساتھ جدوجہد وتیاری انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتے ہیں۔اس سلسلے میں اگر ہم بلوچ قومی تحریک آزادی پہ ایک نظر ڈالیں، جو کہ بلوچ واک واختیار کے جہدِ مسلسل کی تاریخ ہے تو نظر آئے گا کہ اب اس تسلسل میں مسلح جدوجہد میں شامل بلوچ مزاحمت کاروں نے بلوچ نیشنلزم کی ابتداء کر کے جدوجہد کے رخ کو فکری وعملی طور پہ بلوچ حقِ حاکمیت اور واک واختیار کی سمت دے کر بلوچ نیشنلزم کی راہ اپنائی ہے۔ نیشنلزم کی پختگی اور بلوغت کا اس کو بھی نام تو نہیں دیا جاسکتا،البتہ ان کے ہاں نہ صرف واضح قوم پرستانہ پالیسی وقومی شعور کی ابتدائی شکل نظر آتی ہے، بلکہ بدلتی حقیقتوں کا ادراک بھی بدلتے عالمی وعلاقائی حالات میں ہمیشہ سے اقوام ان چیلنجوں کے ادراک کے ساتھ ساتھ ان کے مقابلے میں ردعمل کی قوت رکھتے ہیں،یعنی حقیقی

نیشنلزم کی راہ پہ اگر گامزن ہیں تو اپنی بقاء ممکن بنا سکتے ہیں، ورنہ گمنامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔گلوبلائزیشن و آزاد منڈی کی آڑ میں وسائل پہ اجارہ داریاں قائم کرنے کے چیلنجوں کے ساتھ ساتھ بلوچ کو امپیریلسٹ کے ایجنٹ، پنجابی کی چالبازیوں کا بھی سامنا ہے۔ بلوچ قوم پرستی کے دعویداروں سے امید تو نہیں البتہ مجھے امید ہے کہ بلوچ نیشنلزم کی جہاں ابتداء ہو چکی ہے، وہاں اس کو حقیقی نیشنلزم کا رخ دے کر کندن بناتے ہوئے پختگی کی جانب لے جایا جائے تو ان چیلنجوں کا رخ بدل کر بلوچ واک واختیار کی بنیاد ضرور رکھی جا سکے گی۔

آپ نے بلوچ قومی تحریک کے رخ کو واک واختیار کی سمت دینے کی بات کی، جبکہ بعض بلوچ سیاستدان بلوچستان اور پاکستان کو لازم وملزوم قرار دیتے ہیں؟

(ہنستے ہوئے) تاریخ سے ناواقف لوگ تو پنجابی کو بلوچ کا بڑا بھائی بنانے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، حالانکہ نہ ہی بلوچ سرزمین اور پاکستان لازم وملزوم ہیں اور نہ ہی بلوچ کا اپنی شناخت وقومیت کو پسِ پشت ڈال کر امپیریلسٹ ایجنٹ کے خود ساختہ پاکستانی قومیت کے دھارے میں ضم ہونے اور پنجابی کو بلوچ کا بڑا بھائی بنانے کا کوئی منطقی جواز بنتا ہے، رٹے رٹائے ان الفاظ کو دہرانے والوں کو تاریخ کا ادراک کرنا چاہئے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے تاریخی حقائق نہیں بدلتے۔ جام یوسف جیسے قبیل سے تعلق رکھنے والے لوگ پنجابی کو بلوچ کا بڑا بھائی کہتے اور بلوچستان و پاکستان لازم وملزوم کے الفاظ دھراتے ہوئے نہیں تھکتے۔ کیا اس سے بلوچ سرزمین کی تاریخی وجغرافیائی حیثیت بدل جائے گی؟ کیا بلوچ تاریخ، شناخت اور قبضے پہ پردہ پڑ جائے گا؟ یا زمینی حقائق بدل جائیں گے اور خود ساختہ پاکستانی قومیت، جس کی کوئی علمی، سائنسی اور فکری بنیاد نہیں، اُس کیلئے بین الاقوامی منطق کا جواز میسر آئے گا؟ اس غیر منطقی جواز کی نہ تو کوئی تاریخی حیثیت ہے، نہ ہی سماجی، ثقافتی اور لسانی اعتبار سے بلوچ کا پنجابی کے ساتھ کوئی رشتہ بنتا ہے۔ اگر بلوچستان و پاکستان لازم وملزوم کیلئے جواز مسلمانیت ہے۔ تو ماسوائے اسرائیل کے تمام عرب ممالک مذہبی، لسانی، قومی اور ثقافتی اعتبار سے ایک ہونے اور ان کی سرزمین جُڑی ہوئی ہونے کے باوجود مسلمانیت کے ناطے ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم نہیں۔ ایران وافغانستان مسلمان ممالک ہیں۔ لسانی اعتبار سے بھی ان کی قربت داری کے ساتھ ساتھ ان کی سرحدیں بھی ملی ہوئی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کیلئے مسلمانیت کے نام پہ لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ تو جبری الحاق کے باوجود بلوچ سرزمین و پاکستان کس طرح سے مسلمانیت کے ناطے لازم وملزوم ہو گئے؟

مزاج ،قوموں کی تاریخ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ان کی نفسیات ،خصلت اور سماجی حقیقتوں کا ادراک اسی سے ممکن ہوسکتا ہے۔کیونکہ ارتقائی عمل اور تغیر وتبدل زمانہ ساتھ کلچر وانسانی سماج میں تبدیلیوں کے باوجود مزاج میں تبدیلی نہیں آتی۔پنجابی نے اپنی مزاحمت سے عاری نفسیات اور تابعدار وفرمانبردار غلامانہ مزاج کی بناء پر مہابھارت سے لیکر پانی پت کی لڑائیوں تک شمال سے جنوب کی جانب آنے والے حملہ آوروں کی نہ صرف خدمت گزاری اور دلجوئی کر کے اپنی تاریخ بنائی ہے اور ان کیلئے سامانِ تعیش کا اہتمام کر کے اپنی سماجی حقیقت کو آشکار کیا ہے بلکہ اپنی سرزمین کو ان حملہ آوروں کو گزرگاہ کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔برصغیر اپنی کشش اور مالا مال ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے لوٹ کھسوٹ مچانے والے حملہ آوروں کی نظروں میں رہا ہے۔اور پنجابی نے اپنی خصلت کی وجہ سے ہمیشہ ان حملہ آوروں کی تابعداری کر کے مراعات یافتہ غلامی میں اپنی عافیت سمجھی ہے۔برصغیر پر انگریز تسلط کے بعد پنجاب نے ان کیلئے سب سے وفادار صوبے کا درجہ اختیار کرلیا۔1857ء کی جنگ نے تو انگریز کیلئے پنجابی کی وفاداری پہ مہر تصدیق ثبت کردی،اور انگریز کو پنجابی کی صورت میں ایسے ایجنٹ میسر آئے ،جنہوں نے برطانوی سامراج کے خلاف تناؤ اور مزاحمت کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔انہی ایجنٹوں کے توسط سے 1923ء میں یونینسٹ پارٹی بنی جو بعد میں انگریز ایجنڈے کے مطابق مسلم لیگ میں ضم ہوگئی۔پنڈی میں اس لئے انگریز چھاؤنی بنی کہ پنجاب سے انگریز کو رضا کار فوجی ایجنٹ ملے۔جنہوں نے وسیع تر استعماری مفادات کی تکمیل کیلئے نہ صرف برصغیر پہ انگریز تسلط کو مضبوط بنانے میں کردار ادا کیا، بلکہ سامراجی ایما پر مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا میں سامراجی اثر ورسوخ کو مضبوط تر بنانے میں مدد دی۔یہاں تک کہ اسلام کے چیمپینوں نے سامراجی حربوں کے تحت مسلمانیت کو بھی نظر انداز کر کے بیت المقدس پر چڑھائی کرنے سے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔مسلمانیت کے بڑے دعوؤں کے ساتھ سامراج نے پنجابی کو پاکستان بنا کے دیا۔تب بھی پنجاب ،غلام محمد جیسے پیغمبری کے دعویدار کو جنم دے کر پنجابی حقیقت کو سامنے لایا۔انگریز تسلط کے تمام دورانیے میں قومیتوں اور برصغیر کے عوام اس تسلط کے خلاف سراپا احتجاج بنے رہے۔لیکن پنجابی سامراجی خدمت گزاری میں مگن رہا۔اور آج بھی ذلت ورسوائی سے دوچار ہونے کے باوجود امپیریلسٹ کی تابعداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا ہے۔انگریز نے ملٹری امپیریل ازم کی بنیاد پہ دنیا میں نو آبادیاں قائم کیں،اب امریکہ اقتصادی امپیریل ازم کی بنیاد پہ دنیا کو تخت وتاراج کر رہا ہے۔اور پنجابی تابعداری غلامی سے حاصل شدہ مراعات میں آسودگی ڈھونڈتے ہوئے آج بھی ان دونوں کی خدمت گزاری کر رہا ہے۔جبکہ بلوچ نے اپنی سرزمین کے دفاع کیلئے

اپنے مزاج ونفسیات کے مطابق پرتگیزی لٹیروں، عرب حملہ آوروں، برطانوی سامراجی تسلط اور پنجابی جبری قبضہ گیری کیخلاف مسلسل مسلح جدوجہد کر کے بلوچ جہدِ آزادی کے تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔ حمل جینئد کا پرتگیزی لٹیروں کے لوٹ کھسوٹ کے خلاف مزاحمت کرنا، 1839ء میں محراب خان اور اس کے ساتھیوں کا برطانوی حملہ آوروں کیخلاف سینہ سپر ہوکر شعورِ آزادی کو اُجاگر کرنا، جبری الحاق کیخلاف آغا عبدالکریم خان کا علمِ آزادی بلند کرنا، نوروز خان کا پیرانہ سالی میں آجوئی کے بیرک کو اُٹھا کر قومی تحریک کے جُہدِ مسلسل کو تقویت دینا، 1973ء میں بلوچ سرمچاروں کا اس جُہد کے تسلسل کو جاری رکھنا اور آج ایک بار پھر وطن کے دفاع اور آزادی کیلئے جدوجہد کرنا بلوچ مزاحمتی فکر ومزاج کا عکاس ہے۔ لیکن نادان لوگ اس نمایاں فرق کے باوجود بلوچ وپنجابی کے درمیان رشتہ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ تبدل زمانہ کے اثرات اور پنجابی حربوں سے بلوچ قومی مزاج میں تبدیلی آئے گی اور بلوچ خودساختہ پاکستانی قومیت کے دھارے میں ضم ہوگا تو یہ ان کی خام خیالی ہے کیونکہ تبدل زمانہ ہمیشہ قومی وثقافتی دائرے میں اپنا سفر مکمل کرتا ہے نہ کہ بیرونی مداخلت اور جبر وتسلط کے دائرے میں۔

اسی طرح بلوچ سرزمین اور اس پر بسنے والی بلوچ قوم کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔ مہرگڑھ اور نوشہرو کی نوہزار سالہ بلوچ تہذیب نے ایشیا میں ارتقائی عمل کے ساتھ تہذیبی شعور وآگہی کی روشنی پھیلائی اور گزرتے وقت کی اونچ نیچ کے باوجود اپنے واک واختیار اور سرزمین کیلئے ان پر جبر وبربریت کے پہاڑ توڑنے کے باوجود بلوچ کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ پرتگیزی لٹیروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی خودمختاری کا دفاع کیا، انگریز تسلط ایران، افغانستان اور انگریز کے زیرتسلط انتظامی و برٹش بلوچ میں تقسیم کردیا گیا، لیکن پھر بھی بلوچ اپنے واک واختیار کے حصول کی جدوجہد سے دستبردار نہیں ہوا۔ اور اب جبری الحاق کے خلاف جُہد کے ساتھ ساتھ ان وحدتوں کو دوبارہ جوڑنے کیلئے بلوچ جدوجہد جاری ہے۔ اس تاریخی پس منظر کے مقابلے میں پاکستانی 58 سالہ تاریخ کی وقعت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی کھچڑی ہے جو انگریز نے جاتے جاتے ایشیا میں اپنے سامراجی مفادات کے تسلسل کو جاری رکھنے کیلئے بنائی۔ سامراجی بالادستی کیلئے یورپی اقوام کی آپس کی چپقلشوں اور جنگوں نے پہلی جنگ عظیم سے دنیا کو دوچار کردیا۔ اس کے بعد 1917ء میں انقلابِ روس برپا ہوا، اسی طرح بالادستی کیلئے تگ ودو نے دوسری جنگ عظیم کو جنم دیا۔ اس جنگ نے ماسوائے امریکہ کے تمام سامراجی ممالک واقوام کو معاشی دیوالیہ پن کا شکار کردیا تو دنیا میں تبدیلیوں کا امکان ناگزیر ہوگیا۔ تب برطانوی سامراج نے ان تمام حالات وتبدیلیوں کے پیشِ نظر نئے اُبھرتے امریکی سامراجی کے

سایہ عافیت میں اپنے مفادات اور سامراجی بالادستی کی چھت تلے برصغیر میں موجود مذہبی منافرت، جو مسلمان حملہ آوروں کی بربریت کا تاریخی تسلسل تھا، کی بنیاد پر اپنے تابع فرمان پنجابی کیلئے اس لئے پاکستان بنا کے دیا کہ اس خطے میں بالادستی کا تسلسل قائم رہے۔ اس لئے سامراج کے اس کاسہ لیس چوکیدار کی 58 سالہ تاریخ نے اس کے اس کردار سے ہر لمحہ پردہ اُٹھایا ہے۔ اس تاریخی حیثیت و تناظر کے باوجود اگر کوئی بلوچستان و پاکستان لازم و ملزم کا رٹہ لگاتا ہے تو اس سے بڑا مفاد پرست اور کوئی نہیں ہوگا۔ اس لئے اب بلوچ کو اس دونمبری کاغذی شناخت کے دھوکے میں مزید نہیں رہنا چاہئے۔ یہ انسانی اور اخلاقی فرض ہے کہ ساری زندگی دھوکے میں رہنے کی بجائے اس سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

حال ہی میں جنرل پرویز مشرف نے مذاکرات کا جو عندیہ دیا ہے۔ اگر اس سلسلے میں آپ سے رابطہ کیا گیا تو آپ کا کیا موقف ہوگا؟

:مشرف نے جس انداز میں مذاکرات کو بلوچ قومی تحریک آزادی کے خاتمے اور بلوچ کا ہتھیار ڈالنے سے مشروط کر کے نہ صرف بلوچ قومی غیرت کو للکارا ہے، بلکہ ہوا میں ایک تیر چلانے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح سے تو مشرف نے ''مذاکرات'' کے لفظ کا تقدس بھی مجروح کر دیا ہے۔ بلوچ مر تو سکتا ہے لیکن ہتھیار نہیں ڈال سکتا۔ ہتھیار بلوچ کا زیور اور جسم کا حصہ ہے۔ کوئی اپنے جسم کے حصوں کو کاٹ کر پھینک نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ بقول آئی جی چوہدری یعقوب کے، مجھے مصلحتاً اس لئے گرفتار نہیں کیا جا رہا کہ مجھ سے مذاکرات کا سوچا جا رہا ہے۔ کوئی ذی شعور مذاکرات کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن مراعات و ملازمتیں قومی واک و اختیار کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے مذاکرات قومی واک و اختیار کے تحت ہونے چاہئیں ہم دلال بن کر قومی حقوق و آزادی کو چند ملازمتوں اور مراعات کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے۔ اس لئے مذاکرات کیلئے نہ تو ہمارے پندرہ، بیس نقاط ہیں۔ نہ ہی لمبا چوڑا ایجنڈا ہمارا ایجنڈا صرف ایک ہے، کہ پنجابی بلوچستان سے نکل جائیں اور بلوچ کی آزاد تاریخی حیثیت بحال ہو۔

نو آبادیاتی دور میں بھی تو ملازمتیں اکثریت سے ہندوستانیوں کے پاس تھیں۔ جس طرح آج بلوچستان میں مراعات کے دلدادہ دلال کالونیل ایجنٹ کی چاپلوسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں، اس دور میں بھی سودا بازوں، ضمیر فروش سازشیوں اور منافق دلالوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن کیا اس وقت ہندوستانی آزاد تھے؟ کیا وہ اپنے اختیارات کے مالک تھے؟ اس لئے اس سے قبل ہم طفلگی میں قرآن کی میڑھ پہ جو دھوکہ کھا گئے۔ اب ایسا نہیں ہوگا، نہ ہی فورس کر کے ہمیں مذاکرات کی میز پہ بٹھایا جا سکتا ہے۔ جس طرح بنگالیوں نے مرض کی صحیح تشخیص کر کے دو قومی

نظریے کا پول کھول دیا۔اسی طرح بلوچ قوم پرستوں کو بھی مرض کی صحیح تشخیص کر کے اپنی حیثیت منوالینی چاہئے اور اپنی جدوجہد کے رُخ کو متعین کرنا چاہئے۔

بلوچستان کی موجودہ صورتحال کے حوالے سے حکومتی موقف ہے کہ فوجی آپریشن نہیں ہو رہا ہے، بلکہ نیم فوجی دستے قومی تنصیبات کی حفاظت کیلئے تعینات ہیں۔آئے دن جن پر حملہ کیا جاتا ہے۔آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

میڈیا کے ذریعے تو بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ بلوچ سرزمین پر موجود یہ قومی تنصیبات ہیں۔ان حساس وقومی تنصیبات کو نقصان پہنچانے والوں اور پاکستان دشمنوں کو کرش کریں گے۔میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ پنجابی کس حوالے سے بلوچ وسائل واثاثوں پہ حق جتاتا ہے؟ اور کس قوم اور اس کے تنصیبات کی باتیں کر رہا ہے؟ بلوچ سرزمین پر موجود تنصیبات و وسائل پہ حقِ ملکیت بلوچ کا ہے، نہ کہ پنجابی کا۔ پنجابی جو کہ خود امپیریل کا دستِ نگر ہے، وہ قبضہ گیری کے ذریعے ہماری زمین، گھر، مال وڈی اور وسائل لوٹ کر لے جائے، بلوچ کی تنصیبات پہ اپنا حق جتائے تو کیا ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے خاموش بیٹھ جائیں؟ اور کرش کرنے کے خوف سے اپنے اثاثوں سے دستبردار ہوجائیں؟ یہ ناممکن ہے۔بلوچ سرزمین پر موجود تمام تنصیبات بلوچ کی قومی تنصیبات ہیں، پنجابی کی نہیں۔سورج کے سامنے انگلی لہرانے سے اندھیرا چھا جاتا ہے، نہ قبضہ کرنے کے بعد فورس کر کے کسی کی ملکیت کو چھینا جاسکتا ہے۔پنجابی کا بلوچ سے رشتہ کیا ہے کہ وہ بلوچ کی ملکیت پہ حق جتائے اور کس قومیت کے ناطے سے وہ یہ حق جتا رہا ہے؟ اگر وہ پاکستانی قومیت کے حوالے سے بات کر رہا ہے تو پاکستانی قومیت کی تو کوئی فکری ونظریاتی بنیاد ہی نہیں، جبکہ بلوچ قوم کی تاریخی حیثیت واضح ہے۔اس لئے اب پنجابی کو یہ خوف لاحق ہے کہ بلوچ، پنجابی کے ساتھ اپنے رشتے کی حقیقت سے واقف ہوچکا ہے۔کہ یہ کوئی اخلاقی یا تاریخی رشتہ نہیں ہے۔ بلکہ بلوچ کے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ 58 سالوں سے بلوچ جس زنا بالجبر کا شکار ہے۔اس کے بدلے بلوچ موت کو بہتر سمجھتے ہیں۔وہ سمجھ چکے ہیں کہ فکر سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔اس کیلئے عمل کی بھی ضرورت ہے۔مذہب بھی یہی درس دیتا ہے کہ جبریت کو توڑ دیا جائے، انسانی اور اخلاقی فرض بھی یہی بنتا ہے، کہ ظلم کے خلاف فکری اظہار کے ساتھ عملی کردار ادا کیا جائے۔کیونکہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔اس لئے اب پنجابی، قومی تنصیبات جیسے الفاظ سے سیلاب کی راہ میں بند باندھنے کی ناکام کوششیں کر رہا ہے۔لیکن اس طرح بلوچیت کی نفی ناممکن ہے۔تاریخی حقائق اس طرح سے مسخ نہیں کئے جاسکتے۔

بلوچستان میں ترقیاتی کام اور میگا پراجیکٹس کے حوالے سے آپ کے خدشات کیا ہیں؟

خدشات نہیں، بلکہ ہمیں تو ایسی ترقی ہی نہیں چاہئے جو بیرونی مداخلت کے ذریعے بلوچ سرزمین پر قبضے کو مزید مضبوط بنانے کا سبب بنے۔ کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے کہ قابض اقوام نے اپنے مفادات سے بالاتر ہوکر یا ترس کھا کر مفتوحہ قوم کی بھلائی کیلئے اور اُن کی ترقی کیلئے اپنی توانائیاں صرف کی ہوں؟ انگریز کیلئے ہندوستان سونے کی چڑیا تھا۔ لیکن انگریز کے نام نہاد ترقیاتی منصوبوں اور پروپیگنڈہ نے ہندوستانی سماج کو زوال پذیر بنا کر پستی میں دھکیل دیا۔ پنجابی کا یہ نام نہاد ترقیاتی پروگرام بھی بیرونی جارحانہ مداخلت کا نتیجہ ہے جو بلوچ کے سرتھوپنے سے اس کے سماجی رشتوں اور اجتماعی زندگی پر تباہ کن اثرات مرتب کرنے کے ساتھ پنجابی قبضہ گیری کو مزید تقویت دے گا۔ حقیقی ترقی کا عمل تب ممکن ہے، کہ جب بلوچ کو خود سے آزادی، خودمختاری اور خوداعتمادی کے ساتھ داخلی طور پر اس کی منصوبہ بندی کرنے کا موقع میسر آئے۔ اس طرح وہ ایک بہتر دنیا تخلیق کرسکتا ہے اور بلوچ سماج اور ارتقائی عمل کے تحت آنے والی تبدیلی، جس میں بلوچ کی تہذیبی وثقافتی روح موجود رہتی اس کو روک دیا گیا اور بلوچ بیرونی مداخلت کے ساتھ ساتھ علمی وثقافتی پستی کا بھی شکار ہوا۔ اب یہ نام نہاد ترقیاتی پروپیگنڈہ اس پہ مزید غلاف چڑھا دینے کے مترادف ہوگا۔

لیکن کہا یہ جارہا ہے کہ سردار وقبائلی نظام اس ترقیاتی عمل کے سامنے رکاوٹ ہے اور سرداروں نے اپنی پرائیویٹ آرمی کے ذریعے بلوچستان میں موجودہ صورتحال پیدا کردی ہے۔ خصوصاً تین سرداروں' آپ کا، سردار عطا اللہ خان مینگل اور نواب اکبر خان بگٹی کا نام لیا جاتا ہے اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

یہ بلوچ قومی آزادی کی جنگ ہے، کسی سردار کی پرائیویٹ آرمی کا کرشمہ نہیں کہ وہ اس نام نہاد ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالے۔ یہ ان پاکستانی حکمرانوں کا پروپیگنڈہ ہے۔ جو خود تہذیب سے ناآشنا ہونے کے باوجود بلوچ کو مہذب بننے کا درس دیتے ہیں۔ وہ اس لئے اپنے کاسہ لیس، چاپلوس ہمنواؤں اور میڈیا کے ذریعے زور شور سے اس کی تشہیر کررہے ہیں، اس کے پسِ پشت وہ نفسیاتی خوف کارفرما ہے جس نے ان کی نیندیں حرام کردی ہیں۔ کیونکہ بلوچ نے آزاد حیثیت سے قلات اسٹیٹ کے دونوں پارلیمانی ہاؤسز یعنی دارالامراء اور دارالعلوم کی سطح پر پنجابی حاکمیت سے انکار کرتے ہوئے اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا لیکن جبری طور پر بلوچ سرزمین پر قبضہ کیا گیا۔ بلوچ نے اس فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے آج تک پنجابی قبضہ گیری کو قبول نہیں کیا ہے۔ آج بھی وہ اپنی تاریخی آزاد حیثیت کے خواہاں ہیں۔ پنجابی کو خوف ہے کہ یہ جنگ تحریکِ آزادی کا مکمل رُخ اختیار نہ کرلے۔ اس لئے اسے چھوٹا کرکے قبائیلیت اور تین

سرداروں کی جنگ کا نام دیا جارہا ہے۔ یہ تین سردار اتنے بڑے ڈکٹیٹر ہیں کہ پوری بلوچ قوم پہ اپنا فیصلہ مسلط کرسکیں؟ بلکہ یہ تینوں سردار تو اس بلوچ قومی تحریک کے صرف سپاہی ہیں۔ جس نے پنجابی کو خوف کے نفسیاتی عارضہ میں مبتلا کردیا ہے۔ اس نفسیاتی خوف کا نظارہ اس وقت بالکل کھل کر سامنے آگیا جب کوئٹہ میں نیو کاہان مری کیمپ میں غریب نہتے بلوچوں پر حملہ آور ہوکر بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر ہاتھ اُٹھا کر اپنی بزدلانہ دھونس جماتے ہوئے وہاں پاکستانی جھنڈا گاڑنے اور بلوچ کو فتح کرنے کے بڑے بلند و بانگ دعوے کئے گئے جس سے ثابت ہوگیا کہ بلوچ سرزمین پر ہر چند کہ پنجابی قبضہ ہے لیکن بلوچ نے آج تک پنجابی بالادستی کو قبول نہیں کیا ہے۔ اس لئے بلوچ کو فتح کرنے کی خاطر آج بھی پنجابی تگ و دو جاری ہے۔ بلوچستان میں پسماندگی کے اسباب کا ذمہ دار قبائلی و سرداری نظام کو ٹھہراتے ہوئے تین سرداروں کا نام لیا جاتا ہے، کہ انہوں نے بلوچستان کو یرغمال بنایا ہے۔ یہی بات خود تضادات کو ظاہر کرتی ہے۔ ہمارا قبائلی نظام پاکستانی جمہوریت سے بدرجہا بہتر ہے۔ لیکن بلوچ سرداروں کی اکثریت بلوچ روایات کو پسِ پشت ڈال کر مفادات و مراعات کی خاطر پنجابی جھولے میں جھول رہے ہیں۔ ان تین سرداروں نے پنجابی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلوچ واک واختیار کی بات کی ہے اور بلوچ حقِ حاکمیت کیلئے اس کے ناک میں دم کردیا ہے۔ اس لئے موجودہ جنگ بھی پنجابی قبضہ گیری کے خلاف بلوچ قومی آزادی کی جنگ ہے۔ پاکستانی حکمران ہر چند اس کے سامنے، تین سردار ترقی کی راہ میں رکاوٹ کی لفاظی کرکے بند باندھنے اور اس جنگ کو قبائلی رنگ دے کر چند قبائل تک محدود کرنے کی کوشش کریں لیکن وہ اب اس بلوچ سیلاب کو نہیں روک سکتے، نہ ہی حقیقیت کو مصنوعی لفاظی سے چھپا سکتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ ترقی مخالف تین بلوچ سرداروں کا ورد کرتے ہوئے مشرف اور اس کے حواری اُٹھتے بیٹھتے ان سے سختی سے نمٹنے اور انہیں کچل دینے کی دھمکیوں کے ساتھ بلوچ مسئلے کو مہذب اور جمہوری طریقے سے پارلیمنٹ کی سطح پر حل کرنے کی بات بار بار دھراتے ہیں۔ کیا بلوچوں کو مہذب طریقے اور جمہوری انداز اپنانے کا درس دینے والے مشرف اور اس کے حواری یہ بتاسکتے ہیں کہ وہ خود کس مہذب طریقے اور راستے سے آئے ہیں؟ یا یہ وضاحت کرسکتے ہیں کیا کہ ''کچل دینگے'' اور ''کرش کرینگے'' جیسے الفاظ ادا کرنا اور اس طرح کا لہجہ اختیار کرنا مہذب اور جمہوری انداز ہے؟ بلوچ کو تہذیب و جمہوریت کا سبق دینے والوں کے پاکستان میں مہذب اور جمہوری انداز ہے؟ بلوچ کو تہذیب و جمہوریت کا سبق دینے والوں کے پاکستان میں مہذب سوسائٹی کا وجود ہی نہیں، نہ ہی جمہوری نظام ہے اور نہ ہی قانون اور اخلاقی قدریں ہیں۔ چنگیز خان، ہلاکو خان اور دیگر جابروں نے بھی اسی جاہلانہ پن کا اظہار کیا تھا۔ کتنے

عرصے تک ان کی جبریت قائم رہی؟ جہاں ہر چند سال بعد مارشلاء لگتا ہو، جہاں نام نہاد جمہوریت بندوق کی نوک پر قائم کی جاتی ہو، وہاں کس منہ سے یہ لوگ بلوچ کو مہذب اور جمہوری اور انداز اختیار کر کے بلوچ مسئلے کو نام نہاد پاکستانی پارلیمنٹ میں حل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ جو خود جمہوریت اور مہذب پن سے نا آشنا ہیں، وہ بلوچ کو جمہوریت تہذیب کا درس دیتے ہیں۔ پنجابی جو کہ غلامانہ طرزِ چاپلوسی سے مراعات کے حصول کا ہنر جانتا ہے، اس کی اسمبلیاں اور جمہوریت امپیریلسٹ کے تابع فرمان ہیں۔ اب اس ڈھونگ کی حقیقت سے بلوچ بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ 1970ء کی دہائی تو بلوچ اور پوری دنیا نے پاکستانی جمہوریت کا نظارہ دیکھا۔ جب سندھ اور پنجاب کی چند سیٹوں کے مقابلے میں بنگلہ دیش کی اکثریت کو نظر انداز کیا گیا۔ کیا بنگالی مسلمانیت میں پنجابی سے کمتر تھے؟ یا وہ بھی غیر مہذب اور جمہوریت سے ناواقف تھے؟ اس کے بعد بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی (NAP) کی حکومت کو بمشکل نو ماہ برداشت کیا گیا۔ پنجابی نہ صرف خود غیر مہذب غلامانہ ذہنیت کا مالک اور غیر جمہوری ہے، بلکہ وہ نیشنلزم اور مسلمانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ امپیریلسٹ کی تابعداری کرنا، سامراجی حربوں کو تقویت دینے کیلئے بیت المقدس پہ حملہ کرنا، غلام محمد اور اس کے پیروکار جیسے اسلام دشمن پیدا کرنا اور مذہبی قومیت کی آڑ میں دھوکہ دہی وفریب کا بازار گرم کرنا؛ پنجاب کے اسلامی و مسلمانیت کے ان دعویداروں نے آغا عبدالکریم خان اور نواب نوروز خان کو قرآن کے میڑھ پہ پہاڑوں سے اُتارا اور قرآن کے حلف پہ قائم نہ رہتے ہوئے ان سے دھوکہ کر کے اپنی مسلمانیت کا پول کھول دیا۔ اس لئے اس غیر مہذب، غیر جمہوری اور غیر اسلامی پاکستانیت سے بلوچ کا علیحدگی اختیار کرنا اخلاقی فرض ہے۔

صدر پرویز مشرف جب کوہلو آئے تو ترقیاتی پیکج کا بھی اعلان کیا۔ اس موقع پر اس پہ راکٹ فائر کئے گئے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مہمان پر حملہ بلوچ روایات کے منافی ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

مشرف مہمان کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اپنی شہنشاہیت اور برتری جتانے کی غرض سے کوہلو آیا تھا۔ بلوچ قوم کو یہ احساس دلانے آیا تھا وہ کہ پنجابی کی مفتوحہ قوم ہے اور میں انہیں پیکیج کے نام پر بھیک دینے آیا ہوں۔ جبکہ بلوچ قوم نے آج تک اس قبضہ گیری کو قبول نہیں کیا ہے۔ کیا وہ مشرف کا اپنی ڈکٹیٹرشپ اور فوجی تہذیب کے بل بوتے پر دبدبہ اور دھونس جمانے کیلئے کوہلو آنے پر، اس پر پھول نچھاور کرتے؟ ہم گداگر نہیں کہ مشرف ہمیں پانچ ارب کی بھیک کا لالچ دینے آئے اور یہ احساس دلانے کی کوشش کرے کہ وہ شہنشاہ ہے اور بلوچ اس کی رعیت ہیں۔ بلوچ کو بھیک نہیں چاہئے، اس کی سرزمین معدنی خزانوں سے بھری پڑی ہے۔ جس کا مالک خود بلوچ ہے، نہ کہ پنجابی۔ مشرف

کون ہوتا ہے بلوچ کو نام نہاد ترقیاتی پیکج کے نام پہ فقیری کا احساس دلانے والا۔

اس کے ساتھ یہ نفسیاتی حربہ بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ بلوچستان چھوٹا صوبہ ہے اور پنجاب بڑا بھائی۔ تاکہ مقبوضہ قوم کے افراد کے ذہنوں کو اس طرح مفلوج کر کے انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے آسانی سے ان پر اپنا قبضہ برقرار رکھا جا سکے۔ اب بلوچ ان چالبازیوں کا ادراک رکھتا ہے۔ بلوچ اپنی روایات کی پاسداری کرنا بھی خوب جانتا ہے۔ اسے اچھی طرح علم ہے کہ کون مہمان ہے، کون مکر و فریب سے انہیں دھوکہ دینے آیا ہے۔ بلوچ کو اپنے علاقے میں ایسے مہمانوں کی آمد گوارا نہیں جو مکر و فریب کی علامت ہوں، نہ ہی ہمیں بھیک کے ایسے پانچ ارب چاہئیں جس کے بدلے سامراجی غلام ہم سے ہماری سرزمین کا سودا کر لے۔ بلوچ اپنی سرزمین اور وسائل کا خود مالک ہے اور انہیں سنبھالنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ اب مزید گالی ناقابل برداشت ہے کہ اپنے مفادات کے تحت پنجابی انویسٹ منٹ کے نام پہ بلوچ کو بھیک مانگنے والا بنا دے۔ روڈ، ملازمتیں اور وقتی مراعات، حقِ ملکیت کا نعم البدل نہیں کہ ان کی خاطر لہو بہایا جائے، نہ ہی صوبہ جاتی خودمختاری کے لئے اتنی بڑی قربانی دیتا ہے بلکہ بندوق سے بندوق کا جواب آزادی کے لئے دیا جاتا ہے۔ ہم آخری سانس اور آخری حد تک جدوجہد جاری رکھیں گے۔ جب تک ایک بھی بلوچ زندہ ہے، ہم پنجابی سے اس لڑائی کو بند کرنے کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ جب سوویت یونین ٹوٹ سکتا ہے اور قومیتوں کو آزادی مل سکتی ہے، جب بنگلہ دیش آزادی حاصل کر کے قبضہ گیری سے جان چھڑا سکتا ہے تو بلوچ کیوں کر اپنے واک و اختیار کا مالک نہیں بن سکتا۔

مسلح جدوجہد دشمن کو زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے

اکبر خان کو مسلح جدوجہد کی پاداش میں ہی ٹارگٹ کیا گیا

انٹرویو : بی بی سی، اردو سروس

ذریعہ : روزنامہ آساپ، کوئٹہ

اشاعت : اکتوبر 2006ء

حکومت کا کہنا ہے کہ نواب اکبر خان بگٹی کی ہلاکت ٹارگٹ کلنگ نہیں ہے۔آپ اس کو مجموعی صورتحال کو کیسے بیان کریں گے؟

اکبر خان بگٹی کی شہادت ایک سلسلے کی کڑی ہے۔اگر ان کڑیوں کو جوڑنے کی کوشش کروں گا تو ایک بڑی زنجیر بن جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ جو آج کہہ رہے ہیں کہ یہ ٹارگٹ کلنگ نہیں ہے، ہم بات کرنے گئے تھے، یہ سب غلط ہے۔اس وقت مجھے شک ہے بلکہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان سرکاری کو یہ خدشہ ہے کہ یہ بلوچ جو کہہ رہے ہیں کہ اپنے حق وسائل، ساحل اور اختیار اس کو واضح طور پر سیاسی معنی میں نہیں لیا جائے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں صوبہ جاتی خودمختاری ہو، کوئی کہتا ہے کہ کنکرنٹ لسٹ ہو، کچھ کا کہنا ہے کہ ہم پاکستان نہیں توڑنا چاہتے، ہم علیحدہ ہونا نہیں چاہتے .....کئی قسم کے فنی پہلو ہیں یا آئیڈیالوجیکل ہیں۔ میں نہیں جانتا وہ اس طرح کیوں کہہ رہے ہیں اور ڈر ہے کہ بلوچ حقوق کی تحریک میں جس طرح ابھار پیدا ہو رہا ہے کہیں آزادی مانگنے والے سب پر حاوی نہ ہو جائیں۔فکر بھی حاوی اور عمل بھی حاوی نہ ہو جائے۔فکر سے مراد یہ ہے کہ ہم آزادی چاہتے ہیں' صوبہ جاتی خودمختاری نہیں چاہتے، ترقی نہیں چاہتے، کچھ ملازمتیں نہیں چاہتے۔ پاکستان حکومت چاہتی ہے کہ یہ نہ ہونے پائے۔ مسلح جدوجہد، میرے نقطہ نظر سے اور دنیاوی نقطہ نظر سے دشمن کو تکلیف دیتی ہے۔ باقی چیزوں کی بھی ضرورت ہے؛ جلسہ، جلوس، تقریر وغیرہ لیکن مسلح جدوجہد اس کو زیادہ تکلیف پہنچا سکتی ہے۔ یہ موثر ذریعہ ہے اپنے حقوق حاصل کرنے کا۔حکومت چاہتی ہے کہ یہ بالغ نہ ہو۔اکبر خان کو جو مارا گیا، میری نظر میں وہ دیدہ ودانستہ ہے۔

کچھ بلوچ تحریک کا تاریخی پس منظر بتائیں؟

جب پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو رہا تھا' انگریز سرکار نے بلوچوں سے پوچھا تھا کہ آپ آزاد ہوں گے یا کسی کے ساتھ شامل ہوں گے؟ اس وقت قلات کی دو اسمبلیاں تھیں؛ ایک ہاؤس آف لارڈز اور ایک ہاؤس آف کامن۔ دونوں نے اکثریت سے کہا کہ ہم پاکستان یا ہندوستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے، ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔اس فیصلے کو کچھ دنوں تک مانا بھی گیا۔ پھر ملٹری ایکشن ہوا۔تو ہمارے بلوچستان کی ابتدا سے جو حیثیت ہے، وہ ایسی ہے کہ اس پر قبضہ کیا ہوا ہے۔حقوق کے لئے عبدالکریم (خان آف قلات کا بھائی) بار بار پہاڑوں پر گیا، اسے یہ کہہ کر نیچے لایا گیا کہ قرآن ہے، یہ ہے، وہ ہے۔نوروز کے بارے میں بھی قرآن کو بیچ میں ڈالا گیا۔ پھر پھانسیاں دی گئیں۔ہم جیسے چھوٹے لوگ افغانستان لائے گئے جو اپنی مجبوریاں جانتے تھے۔راستے میں آ رہے تھے کہ ہمارے ہتھیاروں پر چھاپہ

مارا گیا اور لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ پاکستان آج کہتا ہے کہ تین سردار ہیں، دو اضلاع ہیں، ہندو اس کی مدد کر رہا ہے، ایران کر رہا ہے، امریکہ کر رہا ہے۔ میں پاکستان کو ریاست نہیں سمجھتا وہ اس لئے کہ انگریز کے جانے بعد یہ اس کی دوسری شکل ہے۔ یہ نو آبادیاتی ہے جسے آقا دور بیٹھ کر ریموٹ کنٹرول سے چلاتا ہے۔ انگریز نے کئی سال حکومت کی ہے۔ فوج میں 90 فیصد ہندوستانی تھے۔ انٹیلی جنس ہندوستانی تھی۔ سب ادارے، انتظامیہ ہندوستانیوں کی تھی۔ اس کے باوجود حاکم انگریز تھا۔ اس لئے پاکستان حکومت کا یہ کہنا کہ ملازمتیں دیں گے، سڑکیں بنا دیں گے، ڈویلپمنٹ کریں گے.....اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ بلوچوں کو حق دے دیں گے۔ مشرف پانچ ارب لے کر کو ہلو گیا تھا۔ تو آپ آئے ہیں دہلی والے، پانچ ارب لے کر! کیا ہم میراثی ہیں! ہم خیرات مانگنے والے ہیں! ہمارے باپ دادا کی زمین نہیں ہے؟ (یہی کرنا تھا تو) انگریز کو یہاں سے نکالنے کی ضرورت کیا تھی؟ آپ کو ڈویلپمنٹ چاہئے نا' وہ تو اپنی طبیعت کے مطابق، اپنے اختیار سے جو بچے گا، دے گا۔ ہمارے یہاں جو روٹی بچتی ہے، اسے' ودھی' کہتے ہیں، جو پسماندہ لوگوں کو دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ' ودھی والے' ہیں، یعنی مانگ کر کھانے والے۔ اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ پنجاب سمجھتا ہے کہ ہمیں حصہ دینا ہے۔ اس کو برے معنی میں سمجھتے ہیں یعنی ہم ودھی والے ہیں، پسماندہ ہیں۔ دہلی والے اور پنجابی امریکہ کے غلام ہمیں پسماندہ کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس قدر غلامی ہے جیسے (غیر کو) سجدہ کرنا ہے۔ میں شاید یہ نہیں کہہ سکتا کہ بلوچستان کے سیاستدان سچ مچ آزاد قوم کی بات کر رہے ہیں یا محتاجی کی بات کر رہے ہیں جسے کہتے ہیں ڈیپنڈنٹ نیشنل ازم یا انڈیپنڈنٹ یعنی میں ترقی دوں گا، میں یہ دوں گا، سکول دوں گا؛ یہ محتاجی ہے، ترقی نہیں ہے۔ جسے میں ترقی کہتا ہوں، وہ اختیار کی بات ہے۔ اور یہ نہ وہ ہمیں دینے والے ہیں، نہ کوئی دنیا میں دیتا ہے؛ چاہے وہ کتنا مہذب کیوں نہ ہو۔ مشرف اور شوکت عزیز یہ کہتے ہیں کہ ان بلوچوں کو ترقی دیں گے، یہاں جمہوریت لائیں گے، یہاں ترقی لائیں۔

یہ کہتے ہیں یہاں ملکی تنصیبات پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ ملکی تنصیبات' پھر چاہے مشرف یا نواز شریف کہے یا بھٹو کی بیٹی کہے؛ سوئی گیس ان کی تنصیبات کس طرح بنتے ہیں؟ یہ کس کی تنصیبات ہیں؛ قابض کی تنصیبات ہیں یا مالک کی تنصیبات ہیں؟ زمین تو مالک کی ہے۔ بنانے والے، اس سے فائدہ اٹھانے والے، قابض ہو سکتے ہیں۔ یہ اپنی طاقت پر ہمیں غلام نہیں رکھ سکتے۔ یہ بھی ان کے آقا امپیریلسٹ کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے انہیں طاقت مل رہی ہے۔ انہوں نے ہمیں دبایا ہوا ہے۔ نہ تو یہ تنصیبات پنجابی کی ہیں نہ مہاجر کی ہیں۔ طاقت کے زور

والوں کی تنصیبات ضرور کہہ سکتے ہیں۔اگر کوئی جائز چیز ہے تو وہ بلوچ کی ہے۔اس لئے کچھ سیکشن (حلقے) یہ محسوس کر رہے ہیں کہ خود کو ترقی دینے کیلئے خود اختیار حاصل کریں۔

یہاں ہماری سیاسی جماعتیں بھی ہیں،مختلف ناموں سے۔میں بھی سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ادھوری بات اور ادھورا عمل ہے۔اسے تابعدارانہ مطالبہ کہہ سکتے ہیں۔یہ جو پانچ ارب لایا ہے، یہ تب کوئی بات ہوتی کہ وہ کہتا کہ یہ میں لایا ہوں ایک شریک کی حیثیت سے، بلوچ اس میں برابر کا شریک ہے،اس کو ترقی دینے کا اختیار بھی بلوچ رکھتا ہے، میں یہ اتنے پیسے خرچ کرنے لایا ہوں، (لیکن وہ کہتا ہے) یہ گھاس چرنے والے ہیں، میں چارہ لے کر آیا ہوں؛ کیونکہ بہت سارے ہوں گے جو مزدوری ،نوکری، ملازمت پر مریں گے۔کچھ ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ اختیار ہمارے بلوچوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔یہ نہیں کہ آپ آکر کارخانہ بنائیں گے،آپ آکر سڑکیں بنائیں گے۔

اکبر کی مسلح جدوجہد.....اکبر خان کی حرکتوں سے ان کے کئی خدشات تھے کہ اکبر خان آج کل جو کر رہا ہے شاید اس سیکشن (حلقے) کے ذریعے کو تقویت مل رہی ہے جو ہتھیار کا ہے۔یہاں کئی جماعتیں ہیں؛ کوئی نیشنل پارٹی کہلاتی ہے،کوئی بلوچستان نیشنل پارٹی کہلاتی ہے۔بلوچستان نیشنل پارٹی برابر نہیں ہے۔بلوچستان نیشنل پارٹی کے لیبل کی بات ہے۔بلوچ نیشنل پارٹی اور چیز ہے، بلوچستان نیشنل پارٹی اور چیز ہے۔بلوچستان ایک صوبہ ہے، انتظامی صوبہ ہوسکتا ہے۔،یہ نہیں کہہ سکتے کہ بلوچ نام ہے جسے اختیارات نہیں ہیں۔بلوچستان نیشنل پارٹی کہنا یا نیشنل پارٹی کہنا نہ جانے کیا معنی رکھتے ہیں۔انگریزی کی ایک مثال ہے کہ Call rose with any name smell is same (گلاب کے پھول کو چاہے کسی بھی نام سے پکارو خوشبو ایک ہی ہوتی ہے) ہاں آپ اسے کسی نام سے پکاریں،اس کی تاثیر اور حیثیت وہی ہے۔یہ اور بات ہے یہاں تو نام بھی ایسے ہیں اور تاثیر بھی معلوم نہیں ہے کہ اس میں نقلی عطر ہے یا اصلی۔

یہاں کہہ رہے ہیں کہ صاحب ہم تو بات چیت کرنے گئے تھے،ٹارگٹ کلنگ نہیں تھی۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہ صرف ٹارگٹ کلنگ بلکہ ماس ٹارگٹ کلنگ ہے۔یہ جو بلوچ نیشنل ازم ابھر رہا ہے، اس پر بھی حملہ ہے۔جس طرح حسن نصرت اللہ کو مارنا اسرائیل کی ضرورت ہے نہ کہ ساری فوج کی کیونکہ وہ ذہن ہے۔اس پاکستان سرکار کی ضرورت کے مطابق یہاں ٹارگٹ کلنگ بھی ضرورت ہے اور ماس کلنگ کی بھی ضرورت ہے تاکہ سپاہی بھی مارا جائے،سرکردہ بھی مارا جائے، وہ جو ترجمان بریز (دماغ) ہیں وہ بھی مارے جائیں ،جو ان کے ایکسپرٹ ہیں وہ بھی مارے جائیں

۔ جہاں سرمایہ حاوی ہوتا ہے' اس کے بارے میں ایک فرنچ رائٹر کے قول کے مطابق فوج سب سے بڑی محافظ ہے' سرمایہ دارانہ اور مراعتی طبقے کی دنیا میں فوج اور سیاست سب سے بڑے مجرم ثابت ہوئے ہیں۔ ہم غدار ہیں، ہم ظالم ہیں، سردار محدود ہیں، جابر ہیں، پسماندہ ہیں۔ اتنے سال گزر گئے ہیں، دنیا میں غربت میں کتنی کمی آئی ہے اور آسودگی میں کتنا فرق آیا ہے! غریب عوام کی روٹی روغنی کرنا اور بات ہے اس کو برابر کرنا اور بات ہے۔ میں ارب پتی ہوں، آپ تین چار ہزار کماتے ہیں۔ میں آپ کو مارتا ہوں، آپ کی ٹانگ توڑتا ہوں، عدالت میں آپ میری برابری کر سکیں گے؟ میں بارہ وکیل بھی کر سکتا ہوں، سفارشی بھی لا سکتا ہوں، رشوت بھی دے سکتا ہوں۔ یہ کہتے ہیں کہ قانون میں سب برابر ہیں؛ ایسا قانون دنیا میں بنا ہے جس میں سب برابر ہیں؟ وہ برابر کی ٹکر میں آجائیں تو ہو سکتا ہے۔ برابری ایک مقصد ہے مگر حاصل نہیں ہوا ہے۔ آزادی ضرورت ہے، خواہش ہے مگر کہاں دنیا میں کہہ سکتے ہیں کہ آزادی ہے۔ یہ منزل ابھی تک دور ہے۔ جہاں گئی اس نے اپنی جیب سے خرچ کر کے ترقی دی ہے۔ اس پر حکومت کے اپنے برابر لا کر اور سمجھا کہ اب یہ خود چل سکتے ہیں اسے چھوڑ دیا ہو۔

بلوچستان میں ترقیاتی منصوبے جاری ہیں، آپ کو اس پر کیوں اعتراضات ہیں؟

حکمرانوں کے خیال میں بلوچستان اب منافع بخش ہے۔ دائیں بائیں روس کے ٹوٹنے کے بعد اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ سینٹرل ایشیا کی ریاستیں اب خود مختار ہو گئی ہیں۔

اصل ایشو حصہ داری نہیں، آزادی ہے

قلم اور بندوق سے لے کر ہر وہ ذریعہ جو بلوچستان کو آزادی دلائے، استعمال کریں گے

انٹرویو : شفیع موسیٰ منصوری

ذریعہ : روزنامہ ایکسپریس، سنڈے میگزین

اشاعت : 2 دسمبر 2007ء

بالاچ مری کے حوالے سے (ان کے جاں بحق ہونے کی) چند دنوں پہلے جو خبریں اخبارات میں آئیں اس بارے میں تازہ ترین صورتحال کیا ہے؟

پتا نہیں یہ میری نادانی ہے یا سادگی کہ بالاچ مری کا حال احوال معلوم کرنے کے ذرائع رکھنے کے باوجود رابطہ نہیں کرسکتا کہ دشمن ہماری سن گن نہ لے رہا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لندن میں کسی رشتے دار کے پاس ٹھہرا ہوا ہو یا دُبئی میں بیٹھا ہو۔ یہاں سے میں اس کے ساتھ بات نہیں کرسکتا، اس لئے بالاچ کے بارے میں میرے پاس سب سے کم معلومات ہیں۔

وہ کیا حالات تھے جن کی بناء پر بالاچ مری کو روپوشی اختیار کرنا پڑی؟

نواب خیر بخش مری: اس کیلئے ہمیں انگریزوں کے دور میں جانا پڑے گا۔ قیام پاکستان سے اب تک ساٹھ سال ہو چکے، یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ نوروز خان کیوں روپوش ہوا؟ عبدالکریم کو کیوں جانا پڑا؟ فلاں فلاں کو کیوں قتل کیا گیا؟ بسا اوقات ہمیں مکے مار کر اتنا کم زور کردیا جاتا ہے۔ بلوچ قوم اپنے حق کیلئے لڑ رہی ہے۔ بلوچ پہلے آزاد قوم تھے، پھر انگریز آئے، پھر آزاد کئے گئے اور پھر غلام بنالئے گئے۔ ہم چوں کہ اپنی زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے پاکستان ہم کو ترقی کے نام پر، کسی کو مذہب کے نام پر بہکاتا اور روزگار کے نام پر خریدتا رہا۔ ہم مزدوری کا معاوضہ نہیں مانگتے، بلکہ ہم اس سرزمین کے مالک ہیں، چاہے ہم قبیلوں میں بٹے رہے، کٹے رہے لیکن بہ حیثیت بلوچ قوم ہماری اپنی ایک شناخت ہے اور ہم آپس میں جُڑے ہوئے ہیں۔ چار ہزار سال پرانی بلوچ شناخت کو ان ساٹھ برسوں میں مٹانے اور ختم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔

آپ کے خیال میں بلوچستان کا پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ غلط تھا؟

بلوچستان کے لوگ پاکستان میں شامل نہیں ہوئے تھے، ہمیں زبردستی اس میں شامل کیا گیا۔

بلوچستان میں جاری جدوجہد کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

بلوچ قوم میں شعور کی کمی ہے اور سب کے ذہن الگ الگ ہیں۔ سب اپنے طور پر حق مانگ رہے ہیں۔ کوئی مزدوری مانگ رہا ہے تو کوئی پورا کارخانہ چاہتا ہے۔ اس جنگ میں کس کی جیت ہوگی، میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

بلوچستان کے مطالبات کیا ہیں؟

بہ حیثیت ایک قوم پرست میرا مطالبہ ہے کہ بلوچستان آزاد کیا جائے۔ میرا ملک بہت وسیع وعریض ہے، اس میں خزانے دفن ہیں، اگر ہم انہیں سنبھال کر رکھیں، تو یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

ملک سے آپ کی مراد پاکستانی بلوچستان ہے یا بلوچوں کی اکثریت والے تمام علاقے؟

ملک سے میری مراد بلوچستان ہے۔ وہ علاقے جہاں بلوچ اکثریت میں آباد ہیں، چاہے وہ ایرانی بلوچ ہوں یا افغانستان کے بلوچ وہ علاقے بھی جہاں تاریخی اعتبار سے تبدیلیاں ہوئیں اور بلوچوں کو وہاں سے نکال کر دوسرے لوگ آباد کر دیے گئے۔

گویا آپ پاکستان کے وفاق سے الگ ہونا چاہتے ہیں؟

پاکستان میں وفاق کہاں ہے؟ آپ کس وفاق کی بات کرتے ہیں، غلاموں کو اکٹھا کر کے پاکستان بنا دیا اور کہا گیا کہ اب اس میں رہو۔ پاکستان میں فوج کا جنرل حکومت کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہاں جمہوریت ہے۔ پاکستان نیو کالونیل ازم کی عملی تفسیر ہے۔ برطانیہ کو جمہوریت کی ماں اور پارلیمانی جمہوریت سے پہچانا جاتا ہے۔ یہی برطانوی جب افریقہ گئے تو وہاں انہوں نے لوٹ مار مچا کر دروازوں کے باہر لکھ دیا، ''افریقی اور کتوں کا اندر آنا منع ہے۔''

صوبائی خودمختاری ملنے سے کیا چھوٹے صوبے مطمئن ہو سکتے ہیں؟

میں دوسرے صوبوں کی بات نہیں کر رہا، البتہ میری سوچ کے مطابق صوبائی خودمختاری ایک ڈھونگ اور غیر ضروری بات ہے۔ اصل ایشو صوبائی خودمختاری نہیں بلکہ آزادی ہے۔

آپ بلوچستان کی آزادی کیلئے کیا ذرائع استعمال کریں گے؟

ہر وہ ذریعہ جو بلوچستان کو آزادی دلائے استعمال کریں گے، چاہے قلم کی طاقت ہو یا بندوق کی گولی۔

بلوچ قومی تحریک کے حوالے سے براہمدغ بگٹی کی جدوجہد کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

براہمدغ کم عمر بچہ ہے، اس کے باوجود ہتھیار اُٹھائے جدوجہد میں شریک ہے۔ اس کی سیاسی پختگی کے بارے میں مجھے زیادہ معلوم نہیں ہے، کیونکہ بدقسمتی سے بگٹی صاحب (نواب اکبر بگٹی) کے ساتھ پاکستانی سرکار نے جو گھریلو اور قبائلی جھگڑے شروع کرائے، اس کی وجہ سے براہمدغ کی سیاسی تربیت بہت کم ہو سکی، اس لئے وہ بغیر سیاسی

تربیت کے جنگ میں شریک ہوگیا ہے۔اس دوران اس نے کچھ نہ کچھ تو سیکھا ہوگا۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ قوم پرست ہے یا محض Militant (جنگ جو) ہے۔لیکن میرے مطابق وہ ملی ٹینٹ کے دائرے سے نزدیک ہے۔سیاسی حالات کی وجہ سے ہمیں اور اس کے دادا (اکبر بگٹی) کو اکٹھے بیٹھنے کا موقع نہ مل سکا،اس لئے میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔وقت کے ساتھ ساتھ وہ سیاست اور سوشلزم سیکھتا جائے گا۔لیکن اس وقت وہ بندوق سے مقاصد حاصل کرنے والوں کی صف میں کھڑا ہے۔

وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بناء پر حیدرآباد ٹریبونل کے بعد سے اب تک بلوچ راہنما اکھٹے نہ ہو سکے؟

جب مزاحمت کے راستے روکے جاتے ہیں تو تحریک اور زیادہ شدت کے ساتھ اٹھتی ہے۔ایسے حالات میں بہت سے لوگ جبر کے ہاتھ دب کر رہ گئے۔کچھ لوگوں کو حالات نے سخت بنا دیا اور انہوں نے کہا کہ ہم لڑیں گے۔کسی کو نوکریاں دی گئیں۔پارٹی کا نام کچھ اور ہے لیکن کردار وعمل اس سے مختلف ہے۔بین الاقوامی سامراج کے سامنے کئی چیزیں دب جاتی ہیں،بکھر جاتی ہیں۔عراق وافغانستان میں امریکہ کا کردار سب کے سامنے ہے۔اتنی بڑی طاقت کو سمجھنے اور مقابلہ کرنے کی راہ میں بہت رکاوٹیں حائل ہیں۔

بلوچ سرداروں کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں،اس کے باوجود سب سردار ایک سیاسی جماعت کے جھنڈے تلے اکھٹے کیوں نہیں ہوتے؟

اگر ایمان داری سے جائزہ لیا جائے تو فکر میں تضاد ہے اور جدوجہد کی جو قیمت دینا پڑتی ہے،وہ چکانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔اس جدوجہد میں بیٹے،دوست اور عزیز رشتے دار جدا ہوجاتے ہیں۔طاقت کے سامنے تسلسل کے ساتھ کھڑے رہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی،اس لئے بہت سے لوگ اس سفر میں تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اکبر بگٹی کے قتل ہونے کے بعد سے اب تک پاکستان نے آپ سے رابطہ کیا؟

بالاچ مری کے واقعے سے کچھ عرصہ پہلے میرے زمانہ طالب علمی کے ایک ساتھی میرے پاس آئے تھے اور بہت ساری باتیں کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ کچھ بڑے لوگ مجھے تنگ کر رہے ہیں کہ مری صاحب سے پوچھیں کہ وہ پاکستان کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں آپس میں بات کرنا چاہئے؟ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارا تعلق رہے تو اس معاملے کو رہنے دیں،لیکن وہ ضد کرتے رہے،چنانچہ میں نے جان چھڑانے کیلئے ان سے کہا کہ وہ (حکمران) کس موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں۔بعد میں وہ مرے پاس نہیں آئیں۔

پاکستان میں ایمرجنسی لگی ہوئی ہے۔آپ پاکستان کے موجودہ حالات کا تجزیہ کس طرح کریں گے۔ پاکستا ن کس طرف جارہا ہے؟

اگر میں ہلکی بات کروں تو پاکستان جہنم کی طرف جارہا ہے۔

فوج کے سیاسی کردار کو روکنے کیلئے آپ کیا تجویز دینا چاہیں گے؟

فوج کے سیاسی کردار کو روکنے سے پہلے امریکہ کو روکنا ہوگا، پنجابی فوج کو روکنا ہوگا۔ پھر ہمارے وہ چھوٹے بڑے دلال جوان کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں، انہیں روکنا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں ون مین رول ہے۔ حالانکہ ون مین رول کہیں نہیں رہا۔ افغان جنگجوؤں کے ہندوستان پر حملے کے وقت ہندوستان کے نواب اور راجا ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ انگریز بھی ہندوستانیوں کو آپس میں لڑا کر حکومت کرتے رہے۔ غاصبوں کے بہت سے لوگ مددگار ہوتے ہیں۔

حزبِ اختلاف کی جماعتوں کو جنوری میں ہونے والے عام انتخابات میں حصہ لینا چاہئے؟

انسانیت اپنی جگہ لیکن حزب اختلاف کی جماعتوں سے زیادہ مجھے اپنی بلوچ قوم کی فکر ہے۔ میرے ذہن میں پنجابیوں سے اتحاد کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

پاکستانی عدلیہ نے حال ہی میں بعض ایسے فیصلے کئے جو اس نے اپنی تاریخ میں کبھی نہیں کئے تھے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عدلیہ کے اس کردار سے انسانی حقوق کے حوالے سے کچھ مثبت تبدیلیاں آنے کی توقع ہے؟

بعض لوگوں کیلئے کچھ تبدیلیاں ضرور آئیں گی لیکن ہم بلوچوں کو اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوگا۔ میرے علاقے سے لوگوں کو گھسیٹ کر لے جایا جارہا ہے۔ عدلیہ سے بالائی سطح پر فرق آئے گا مثلاً بلوچستان میں جام یوسف کی جگہ کوئی اور آجائے گا، وزیراعظم تبدیل ہوجائے گا، مگر نچلی سطح پر زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔

گوادر میگا پروجیکٹ کو بلوچستان کی ترقی میں اہم سنگ میل قرار دیا جارہا ہے۔ آپ اسے کسے دیکھتے ہیں؟

انگریزوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پڑھی لکھی اور جمہوریت پسند قوم ہے، لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ انگریزوں نے ہندوستان کو فائدہ زیادہ پہنچایا یا نقصان؟ انگریزوں نے نوکریاں دیں، ان کی فوج میں ننانوے فی صد ہندوستانی تھے۔ اگر اس طرح کا فائدہ دیکھیں تو اور بات ہے، لیکن بدلے میں ہندوستانیوں کو انگریزوں کی غلامی کرنی پڑی تھی۔ گوادر میگا پروجیکٹ کو میں ''میگا ایکسپلائٹیشن'' سے تعبیر کرتا ہوں۔

نواب اکبر بگٹی قتل ہونے کے ایک ماہ بعد حکومت کی طرف سے ایک حقائق نامہ سامنے آیا، جس میں عطاء اللہ مینگل، نواب اکبر بگٹی اور آپ پر تخریب کاری، قتل اور اغواء کے الزمات لگائے گئے۔ ان الزامات میں کتنی صداقت ہے؟

پاکستان سے چھٹکارا پانے کی میری دلی خواہش ہے، کوئی اس سازش میں مجھے شریک کرنا چاہے تو یہ اور بات ہے، لیکن میری جسمانی حالات ایسی نہیں کہ میں اس قسم کا کام کرسکوں۔ میں چونکہ آزاد بلوچستان کی بات کرتا ہوں اس لئے بلوچستان کے غاصبوں کو اگر کوئی نقصان پہنچا رہا ہے تو وہ گناہ نہیں کر رہا بلکہ غلامی سے نجات پانے کیلئے آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔

آپ بائیں بازو کے نظریات کے حامی ہیں، یہ نظریات پوری مظلوم انسانیت کی بات کرتے ہیں، مگر آپ صرف بلوچ قوم کی مظلومیت کا رونا رو رہے ہیں، یہ تو نظریات میں تضاد ہوا؟

بالکل تضاد ہے۔ چاہے آپ اسے تضاد کہیے یا میری سادگی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پوری دنیا کے مظلوم اور کم زور چاہے وہ چھوٹے طبقات سے تعلق رکھتے ہوں یا وہ ایک قوم ہوں، جب تک اکھٹے مل کر کام نہیں کریں گے اس وقت تک پوری طرح نجات نہیں ملے گی۔

سرداروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں ترقیاتی کام نہیں کرنے دیتے۔ مثال کے طور پر آپ کے خلاف حکومتی حقائق نامے میں اس بات کا ذکر کیا گیا کہ آپ نے کاہان سے سبی تک سڑک کی تعمیر رکوادی اور اپنے علاقے کاہان میں 47 سرکاری سکول بند کروادیے؟

سڑک بننے سے پنجابی پولیس، فوج اور پیسہ آئے گا۔ افغانستان میں روسی افواج کیلئے سڑکوں کا انفرااسٹرکچر موجود نہیں تھا لیکن چیکوسلواکیا میں تھا، اس لئے روسیوں نے وہاں آسانی سے قبضہ کرلیا تھا۔ ہم پر ڈنڈے برسانے کیلئے بلوچستان میں سڑکیں بنائی جارہی ہیں۔ شروع میں یہ بلوچستان کو خوب کھلا پلا کر توانا کریں گے پھر جب ہم اپنا حق مانگیں گے تو یہ ہمیں ڈنڈے ماریں گے۔ جہاں تک سکول بند کرنے کی بات ہے، اگر یہ سوال مجھ سے کوئی بلوچ پوچھے گا تو میں سزا کا حق دار ہوں۔ ایک بلوچ صحافی، جس کا غیر ملکی میڈیا سے تعلق تھا، اُس نے یہی سوال بلوچی میں پوچھتے ہوئے کہا ''لوگ کہتے ہیں خیر بخش مری اپنے بچوں کو آکسفورڈ میں پڑھاتے ہیں لیکن یہاں پر سکول بھی نہیں بننے دیتے۔'' کاش، میں نے اپنی زمینوں میں کچھ سکول گرائے ہوتے جن میں بلوچوں کو پنجاب کی حمایت میں طوطا مینا کی

طرح رٹوایا جاتا ہے۔ جولوگ ایسے سکول توڑتے ہیں وہ شاباشی کے مستحق ہیں۔ سکول بنانے سے کوئی ذی ہوش شخص انکار نہیں کرسکتا۔ آج کی دنیا میں بغیر تعلیم کے کوئی قوم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ تعلیم سے مراد صرف پاکستانی تعلیم نہیں ہے۔ انگریز اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم لائے تھے۔ ہم پاکستانی یا پنجابی تعلیم کے حق میں نہیں ہیں۔ میں بلوچ قوم کی تعلیم کیلئے ایسا پروگرام دینا چاہتا ہوں کہ 15 سال بعد کوئی بلوچ تعلیم سے محروم نہ رہے گا اور وہ ٹیکنالوجی میں مہارت رکھتا ہو۔ میں اُن سکولوں کیخلاف ہوں جو ہمیں پاکستانی بنانا چاہتے ہیں۔ کسی ملک کو ''پاکستان'' کہنا صحیح نہیں ہے۔ کوئی ملک پاک نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہیے کہ اللہ کی ذات پاک ہے یا قرآن پاک ہے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ کسی ملک کے آگے لفظ ''پاک'' لکھنا کیا یہ اللہ کی نافرمانی نہیں ہے؟ مجھے اسلام کا عالم ہونے کا دعویٰ نہیں ہے لیکن کسی ملک کو پاک کہنا صحیح نہیں لگتا۔

اختر مینگل کی وزارت اعلیٰ کے دوران بلوچستان کی حکومت عملاً بلوچوں کے ہاتھوں میں تھی اس دور میں ترقیاتی کام کیوں نہیں کرائے گئے؟

یہ سوال تو آپ اختر مینگل یا ان کے والد عطاء اللہ مینگل سے پوچھیں۔ البتہ اگر آپ بلوچستان میں نیپ کی حکومت کے حوالے سے سوال کریں گے جس میں میں بھی شامل تھا، تو یہ حکومت صرف نو ماہ تک چلنے دی گئی تھی۔ اس کے بعد اُسے توڑ دیا گیا تھا۔ ترقیاتی کاموں کیلئے یہ عرصہ بہت قلیل ہوتا ہے۔

دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بلوچستان زیادہ معتوب کیوں رہا ہے؟

یہ سب سے زیادہ پس ماندہ صوبہ تھا شاید اس لئے زیادہ معتوب ٹھہرایا گیا۔ بلوچستان دوسرے صوبوں کی طرح کھیل میں شریک نہیں تھا۔ اس لئے اسے غافل یا پیر تلے دبا دیا گیا۔ سوویت یونین کے گرنے کے بعد بلوچستان پر امریکہ کی توجہ زیادہ ہوگئی، کیونکہ یہاں پر چین اور امریکہ کیلئے اچھی منڈی بن سکتی ہے۔

مظلوم اقوام اور طبقات کو متحد ہونا ہوگا

بلوچستان ایک کالونی بن چکا ہے، سونے کا نہیں بیداری کا وقت ہے

انٹرویو : دی پوسٹ

ذریعہ : روزنامہ توار

اشاعت : جنوری 2008ء

بات چیت کا آغاز اس کارروائی کے حوالے سے کرتے ہیں جو گزشتہ چھ، سات برسوں سے بلوچستان میں پانچویں فوجی آپریشن کی شکل میں جاری ہے۔ ہمیں اس کی وجوہات جاننے کی ضرورت ہے۔ جوں جوں سوال کی گہرائی میں جائیں گے ہمیں لاتعداد وجوہات معلوم ہوں گی۔ اس سلسلے میں پیش رفت قیدیوں کے تبادلے کے حوالے سے پاکستان اور برطانیہ کی حکومتوں کی ملی بھگت کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ حکومت پاکستان راشد رؤف کو برطانیہ کے حوالے کر کے اس کے بدلے میں حیر بیار مری اور اس کے ساتھیوں کو واپس لے گی۔ یہ الزام بھی لگایا جا رہا ہے کہ حکومت نے راشد رؤف کا جان بوجھ کر فرار کروایا۔ فرار کی اصل وجہ اب تک سامنے نہیں آسکی۔ تحقیقات جاری ہے۔ ایک تجزیہ یہ ہے کہ راشد رؤف کے پاس ایسی معلومات تھیں جن کے انکشاف سے پاکستان مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ خفیہ ایجنسیوں کا القاعدہ، طالبان اور متعلقہ عناصر پر اثر انداز ہونا ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ عام طور پر اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ماضی میں خفیہ ایجنسیوں اور عسکری تنظیموں کے تعلق کی نوعیت کیا تھی۔ برطانیہ میں راشد رؤف کے انکشافات پاکستانی حکومت کو سمجھنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اس فرار کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے فرار کے حوالے سے جو بیانات سامنے آئے ہیں وہ الجھاؤ پیدا کرتے ہیں۔ وہ نہایت اہم ملزم تھا مگر اس کی حفاظت کے انتظامات حیران کن حد تک کمزور تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسے بغیر سکیورٹی کے ایک مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ کچھ بھی ہو، اس کے فرار کی ایک کڑی اب ملزموں کے تبادلے کے امکان کو ختم کرنے سے مل رہی ہے۔ میری معلومات کے مطابق حیر بیار کی گرفتاری کے خلاف لندن میں بڑے پیمانے پر احتجاج کیا جا رہا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار اس عدالت کے باہر احتجاج کر رہے ہیں جہاں حیر بیار کا مقدمہ چل رہا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ حیر بیار بلوچستان میں اپنے لوگوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہا ہے۔ ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ حیر بیار اور دیگر قیدیوں کو پاکستان کے حوالے کرنے سے ان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ یہ عمل برطانیہ اور یورپی انسانی حقوق کے قوانین کی مکمل خلاف ورزی ہوگی۔ وکلاء بھی یہی نقطہ اٹھا رہے ہیں۔ ہم اس حوالے سے بھی بات چیت کریں گے۔ تاہم میرا بنیادی مطمع نظر یہ ہے کہ بلوچستان کے سوال کو جامع طریقے سے پیش کیا جا سکے؟

آپ کے جذبات کو سراہتا ہوں۔ مجھے یقین نہیں کہ میں اس معاملے کو اس طریقے سے پیش کرنے کے لئے تیار ہوں جس سے حیر بیار اور اس کے ساتھیوں کو فائدہ ہو یا بلوچوں کے ذہن پر مثبت اثر پڑے۔ اگر اس انٹرویو کے سوالوں کا مجھے پہلے پتہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اس انٹرویو کے سوالوں کا مجھے صحیح اندازہ نہیں ہے لہٰذا میرے دلائل درست نہیں

ہو سکتے یا اس گروپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ مجھے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ انہیں دہشت گرد ہونے کی وجہ سے پکڑا گیا ہے یا کوئی اور وجہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں کی گرفتاری کا جواز پیدا کرنے کے لئے انہیں دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ برطانوی حکومت اپنی ضرورت کے تحت ان لوگوں کو دہشت گرد گردان رہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ برطانوی حکومت نے ان لوگوں سے اسلحہ برآمد کرنے کا جو دعویٰ کیا ہے اسے کسی بھی لحاظ سے اسلحہ نہیں کہا جا سکتا۔ اصولی طور پر اپنے دفاع یا حملے کے لئے کسی بھی مقصد کو کام میں لایا جا سکتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یورپ میں عورتوں کے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعے مضبوط حملہ آور کو وقتی طور پر مفلوج کر دیا جاتا ہے تاکہ اس سے متاثر ہونے والے مدد کے لئے پکار سکیں۔ اب ایسی چیزوں کو ہتھیار تو نہیں کہا جائے گا۔ ہمارے ساتھیوں نے برطانوی حکام کو خط لکھا جس کے جواب میں کہا گیا کہ حیربیار اور ساتھیوں کو کسی ملک کے حوالے کرنے کے لئے نہیں پکڑا گیا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ وزارت داخلہ نے انہیں گرفتار کیا ہے۔ آج حکومتوں کے بیانات پر یقین کرنا بہت مشکل ہے۔ بلوچوں کے حوالے سے اب آپ کے سوال کی طرف آتا ہوں، کیا آپ اسے ذرا وضاحت سے بیان کریں گے!

میں چاہتا ہوں کہ آپ ان حالات و واقعات کا احاطہ کریں جو چھ سال سے بلوچستان میں جاری ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس جائزے سے حقیقت کے ادراک میں مدد ملے گی۔ ملک میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں میں ایسے نوجوانوں سے بھی ملا ہوں جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بنگلہ دیش کبھی ہمارے ملک کا حصہ تھا۔ وہ ایسے حالات و واقعات سے مکمل طور پر ناواقف ہیں جو مشرقی پاکستان سے علیحدگی کا سبب بنے۔ اگر یہ لوگ اتنے بڑے واقعے سے آگاہ نہیں تو یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ بلوچ مسئلے کی تاریخ ان کے لئے کیا معنی رکھتی ہوگی۔ جن لوگوں نے جدوجہد کی یا ایسے تاریخی واقعات کی تحقیق کی، ان سیاسی شخصیت کی وضاحت فائدہ مند ہو گی۔

اس سلسلے میں میری تیاری نہیں ہے لہٰذا میرا جواب نامکمل ہوگا۔ پہلا سوال تو بلوچستان پر دہشت گردی کے الزام کا ہے۔ بلوچستان ایسا پسماندہ علاقہ ہے کہ بلوچ قوم پر دہشت گردی کا الزام سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیا (یہ) لوگ مذہبی دہشتگرد ہیں؟ کیا یہ لوگ پیسے کی وجہ سے بک جاتے ہیں؟ کیا وہ پاگل ہو گئے ہیں؟ انہوں نے ایسا کام کر دیا ہے کہ ان پر الزام لگایا جا رہا ہے؟ انہیں دہشت گرد کیوں قرار دیا جا رہا ہے؟!

دراصل امریکہ، یورپ اور کسی حد تک پاکستان نے بھی گوریلا جدوجہد اور مزاحمتی تحریکوں کو دہشت گرد قرار

دینا شروع کر دیا ہے۔

دیکھئے، اس جھگڑے کے اہم دو دھڑے ہیں۔ پہلا دھڑا، کمزور، اَن پڑھ، پسماندہ اور غریب ہے۔ دوسری طرف دنیا کے مضبوط ترین لوگ امریکہ، مغرب اور اس کے حواری ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کون کس کے مفادات کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ عالمی منڈی میں ہر چیز کی قیمت طاقتور لوگ مقرر کرتے ہیں اور جب کمزور ہلکی سی بھی حرکت کریں تو دہشت گرد قرار دے کر جکڑ لیا جاتا ہے۔ ہم امریکیوں کو نہیں مار سکتے، برطانویوں کو نہیں مار سکتے، یہاں تک کہ ہم پاکستانی رہنماؤں کو نہیں مار سکتے، پھر ہمیں دہشت گرد کیسے قرار دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے اسلامی دہشت گردی اور دیگر مواقع پر اسے بنیاد پرست دہشت گردی کہا جاتا ہے۔

تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو بلوچ کبھی بھی دہشت گرد نہیں رہے۔ القاعدہ اور عربوں نے دہشت گردوں میں پیسہ تقسیم کیا تاہم کوئی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ بلوچوں نے اس فیاضی سے کوئی فائدہ حاصل کیا۔ بلوچ تو بہت کمزور اور پسماندہ قوم ہے، اس پر کون پیسہ ضائع کرے گا۔ یہاں تک کہ امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان شدید جنگ کے دنوں میں بھی بلوچ کارکن کابل میں تھے۔ انہوں نے امریکہ، روس، یا اسلام پسندوں پر ایک گولی تک نہ چلائی۔ امریکیوں کو معلوم تھا کہ بلوچ کابل میں موجود ہیں مگر انہوں نے لڑائی میں حصہ نہ لیا۔ ماضی میں حکومت پاکستان نے مشرقی پاکستان کی اکثریتی رائے کو ماننے سے انکار کیا۔ یوں پاکستان میں حقوق کی جدوجہد میں پرامن راستہ اختیار کرنے کا امکان ختم ہو گیا۔ میں نیشنل عوامی پارٹی کا رکن رہا ہوں۔ ہم نے انتخابات میں حصہ لیا اور جیتے بھی مگر ہماری جیت نے حقوق حاصل کرنے میں ہماری مدد نہ کی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ کچھ بلوچ وقت کی تبدیلی سے خوفزدہ ہیں۔ سوویت یونین کے خاتمے نے ہمارے علاقے کی صورت حال تبدیل کر دی ہے۔ اب لوگوں کے سامنے ان گنت آراء ہیں۔ وہ اب زیادہ بڑی مارکیٹ میں اپنے وسائل کو فروخت کر سکتے ہیں۔ اب تمام ریاستیں اس طرح کی سودے بازی میں شامل ہو سکتی ہیں۔ معدنی وسائل کی وجہ سے گوادر اور بلوچستان کے دیگر حصوں میں آنے والے دنوں میں ہمیں خوشحالی کی توقع ہے۔ گوادر بہت بڑی منڈی بن سکتا ہے۔ اسے خوش حالی کا راستہ کہا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی خدشہ ہے کہ ہماری اخلاقی قدار میں تبدیلی آ جائے گی۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم انتخابات یا جمہوریت اور پارلیمنٹ کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بیس، پچیس برسوں میں بلوچ اپنے ہی خطے میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے۔ وہ ہمارے وسائل کو لوٹ لیں گے۔ وہ لوگ

جو ہمارے وسائل کو لوٹنے کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں، ہم پر دہشت گرد ہونے کا الزام لگا رہے ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہم اپنے مسائل کے حل کے لئے پارلیمانی جمہوریت سے کام لے سکتے ہیں تو اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کی مثال دوں گا۔ عوامی لیگ نے پارلیمانی حق استعمال کرنے کی کوشش کی مگر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ یہاں تک کہ 1971ء کے بعد ہم نے دو صوبوں میں اتحادی حکومتیں قائم کیں مگر مسٹر بھٹو جیت گئے کیونکہ انہیں پنجاب کی حمایت حاصل تھی۔ جب پنجاب کی بات آتی ہے تو دیگر دعوے فضول قرار پا جاتے ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ بلوچستان میں آخری لڑائی 1977ء میں ختم ہوئی۔ اس کے 25 سال بعد یعنی 2002ء تک سکون رہا؟

قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں، یہ جنگ کا خاتمہ نہیں تھا بلکہ ایک راؤنڈ کا خاتمہ تھا۔ جنگ 1977ء کے بعد بھی جاری رہی۔

میں اسے درست مانتا ہوں۔ 25 سال سکون سے گزرے۔ بلوچ قوم نے پارلیمنٹ میں 25 سال بعد جدوجہد کی یہاں تک کہ 2002ء کے انتخابات کے بعد ہمارے دوست ثناء اللہ بلوچ سینٹ میں بولے۔ انہوں نے تحقیق کی اور بہت سی گزارشات دیں مگر ان کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ جس قسم کے انتخابات ہوتے رہے ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا نظام پسماندہ اور غریب بلوچ قوم کی آواز سننے سے قاصر ہے؟

بلوچ ایک گڈریا ہے۔ اس فیڈریشن میں وہ پنجاب کی نسبت کم ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ اور کم ہنرمند ہے۔ پنجاب ریاستی امور میں حصہ دار ہے۔ منڈی کے اس کھیل میں بلوچ چوہا ہے۔ وہ مقابلے کی ہر دوڑ سے باہر ہے۔ اب بلوچ کو اپنی شناخت کے لالے پڑ گئے ہیں۔ وہ کبھی فیصلہ سازی کا حصہ نہیں رہا۔ وہ پہاڑوں میں پلا بڑھا۔ اب اس کے پہاڑ سونا چاندی اگل رہے ہیں اور اسے خدشہ ہے کہ ان پہاڑوں سے نکال باہر کیا جائے گا۔ بلوچ کو یہ خوف ہے کہ اسے اس کی معدنیات سے بے دخل کر دیا جائے گا، جب بلوچ مزاحمت کرتا ہے تو اسے دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے۔

مرکز اور پنجاب کا بلوچستان میں کیا مفاد ہے؟ انگریزوں کے زمانے سے استحصال ہو رہا ہے۔ پرویز مشرف اب بڑے منصوبوں کی بات کر رہے ہیں۔ ان منصوبوں سے کون فائدہ اٹھائے گا؟

ہمارے پاس ایسے بڑے منصوبوں کی مثال ہے جو امریکہ میں شروع کئے گئے۔ مقامی لوگوں کو اس سے کیا

فائدہ ہوا؟ یہ سارا کھیل تخصیص کا ہے، بڑائی کا سلسلہ ہے۔ امریکہ کو مواقع کی سرزمین کہا جاتا تھا۔ اس زمین کے باسیوں نے کیا حاصل کیا؟ اس مثال کا بنیادی تصور ایک گروہ کی تباہی اور دوسرے کی خوشحالی ہے۔ باہر سے آنے والوں کی خوشحالی کے لئے مقامی باشندوں کو تباہ کر دیا گیا۔ انہیں خوشحالی میں حصہ دار نہ بنایا گیا۔ یہاں کے مواقع سے وہ لوگ فائدہ نہ اٹھا سکے، انہیں نکال دیا گیا۔

انگریزوں کے یہاں آنے سے پہلے دوسرے لوگ آ چکے تھے، وہ الگ بات ہے کہ انگریز علم و ہنر میں ترقی یافتہ تھے۔ انہوں نے علاقے میں سڑکیں بنائیں، ریل گاڑی چلائی، ہسپتال اور سکول قائم کئے۔ انہوں نے سب کچھ اپنے فائدے کے لئے کیا۔ مقامی لوگوں کو اگر کوئی فائدہ ہوا تو وہ محض اتفاقیہ تھا۔ انہیں ریل گاڑی چلانے اور اپنا سامان اِدھر اُدھر لے جانے کے لئے ہنرمند لوگوں کی ضرورت تھی۔ جب انگریز جانے لگے تو انہوں نے حساب لگایا کہ برصغیر میں بلوچ سب سے زیادہ پسماندہ قوم ہے۔ بلوچ گڈریے تھے۔ خانہ بدوش اور قبائلی لوگ تھے۔ ان کی معیشت کا دارومدار مویشیوں پر تھا۔ ان کی زراعت کا انحصار بارشوں پر تھا، بس اس مارکیٹ کے ساتھ ان کا یہی تعلق تھا۔ لہٰذا پاکستان بلوچوں نے نہیں بنایا۔ بلوچ، پاکستان کے ساتھ ملنے کے فیصلے میں شریک نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی مرضی یا سیاسی اتحاد کے ذریعے پاکستان میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔ ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آ گیا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ پاکستان میں کس طرح اسلام کا استحصال کیا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات تاریخ کا حصہ بن گئے جن کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ مگر پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ تاہم اس (بلوچ) قوم کی تہذیب، ثقافت، زبان اور تاریخ بھی تھی۔ ہندوستان کی تقسیم سے بہت پہلے بلوچوں نے انگریزوں سے مزاحمت شروع کر دی تھی۔ بلوچستان میں کئی قبائلی اتحاد قائم ہوئے۔ اور انہوں نے برطانیہ کے خلاف مزاحمت کی۔ یہاں تک کہ جو قبائلی ان اتحادوں میں شامل نہ ہوئے انہوں نے بھی انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔ ریاست قلات قبائلی اتحاد کا مرکز تھی جو قبائلی قلات کے زیر اثر نہ تھے انہوں نے بھی برطانوی راج کے خلاف بغاوت کی۔ میرے دادا افغانستان کے بادشاہ سے مدد لینے کے لئے کابل گئے۔ انہیں امید بھی تھی کہ مسلمان حکمران ان کی حمایت کرے گا لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔ انہیں خالی ہاتھ واپس آنا پڑا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف مری قبیلے نے انگریزوں کے خلاف مزاحمت کی۔ دوسرے قبیلے بھی اس مزاحمت میں شریک تھے۔ مینگل، زہری اور دیگر قبائل نے مزاحمت کی۔

جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا، متعدد قبائل اور سرداروں نے اس کے ساتھ ملنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ اسلام کے نعرے سے مرعوب ہو چکے تھے مگر انہیں بھی پھر وقت پاکستان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پڑے۔ جب یہ لوگ کھلے عام پاکستان سے الگ ہونے کی باتیں کر رہے تھے، برطانوی حکام کو پتہ چل گیا تھا کہ انہیں ہندوستان سے جانا ہی ہوگا۔ انہوں نے اپنے جانے کے بعد اپنے مفادات کے تحفظ کے منصوبے بنائے ہوئے تھے۔ انہیں ایسی قوم اور افراد کی شناخت کرنا پڑی جو ان کے منصوبوں کے لئے مفید ثابت ہوسکیں۔ انہوں نے پاکستان کی شکل میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط قلعہ تخلیق کر دیا۔ ہم سادہ بلوچ قوم کو اس اسکیم میں جوت دیا گیا۔ بلوچ قوم کے برطانوی لوگوں کے ساتھ معاہدے تھے جن میں برطانوی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کا پہ چلتا تھا، اور یہ معاہدے ان سمجھوتوں سے بالکل مختلف تھے جو بھارت کی دیگر ریاستوں کے ساتھ کئے گئے تھے۔ صرف نیپال کے ساتھ کیا جانے والا معاہدہ بلوچوں کے معاہدے کے ساتھ کسی حد تک مماثلت رکھتا تھا۔ ان معاہدوں کے مطابق بلوچ انگریزوں کے جانے کے بعد دوبارہ آزادی حاصل کر سکتے تھے۔ جب بلوچوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے آزادی کا انتخاب کیا۔ یہاں تک کہ برطانوی حکام اپنی حکومت کے خاتمے کے بعد بھی بلوچوں کے آزادی کے حق کو تسلیم کرتے تھے۔

کیا پاکستان نے اس صورتحال کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا؟

مجھے یقین تو نہیں لیکن کچھ لوگوں کا موقف یہ بھی ہے کہ صرف ریاست کو آزادی دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ تاہم بعد میں انگریزوں نے محسوس کیا کہ بلوچ تو اتنے سادہ لوح اور پسماندہ ہیں کہ وہ برطانیہ کے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکیں گے چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ بلوچستان کو بذریعہ قوت پاکستان کے ساتھ شامل کیا جائے۔ بعض مورخین کے مطابق ریاست قلات، پاکستان کے ساتھ بذریعہ طاقت ملانے سے قبل غالباً چند مہینے ہی آزاد رہی، تب سے برطانیہ کے جانے کے بعد ہی جنگ کا آغاز ہوگیا۔

1948ء میں؟

ہاں! خان آف قلات کے چھوٹے بھائی آغا عبدالکریم نے قلات کو پاکستان میں ضم کرنے کی مخالفت کی اور مسلح جدوجہد کے لئے پہاڑوں پر چلا گیا۔ قلات کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے بھاری اکثریت کے ساتھ فیصلہ کیا کہ وہ آزاد ریاست کے طور پر ہی رہیں گے لیکن پاکستان نے اس فیصلے کی خلاف ورزی کی۔ اس کے بعد آغا

عبدالکریم کو کچھ وعدے وعید کے بعد پہاڑوں سے واپس لایا گیا اور اسے قرآن حکیم پر قسم کھا کر امان دی گئی مگر اس قسم کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا۔ جب آغا عبدالکریم پہاڑوں سے واپس آ رہا تھا تو اسے راستے میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد نواب نوروز خان کا واقعہ پیش آیا۔ مگر اس وقت اس واقعہ کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد نیپ کا دور آیا۔ یہ جہدِ مسلسل کے مختلف ادوار تھے۔ بلوچستان کے عوام نے کبھی بھی شکست تسلیم نہیں کی۔ اس وقت جو بغاوت جاری ہے وہ اس جدوجہد کا پانچوں مرحلہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ لوگوں کے درمیان 'غیر فطری وفاق' ہے۔ بلوچ پسماندہ ہیں تو پشتون بھی، ہاں' پشتونوں کے معاشرے کا ایک حصہ ایسا ہے جو سرکاری ملازمتوں سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ پھر پنجاب ہے، باقی وہ لوگ ہیں جو انڈیا کے مختلف حصوں سے یہاں آئے ہیں۔ گزشتہ روز ہی ایک مہاجر خاتون میرا انٹرویو لینے آئیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اس کا پس منظر کیا ہے تو اس نے بتایا کہ اس کا تعلق دہلی سے ہے۔ اب وہ میری قوم کا حصہ کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ شہروں کے باسی ہیں اور ہم بلوچ تو توپ خانہ بردار لوگ ہیں۔ بھلا اس نوع کے افراد کے مفادات کیسے سانجھے ہوں؟ ان کی تاریخ ایک ہو اور ان کی ثقافت بھی یکساں ہو؟ ہمیں ایک قوم کا حصہ بنانا ممکن ہی نہیں۔ اگر ہمیں ایک قوم بننا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کی تفہیم کی مسلسل کوششیں کرنا ہوں گی۔ مختلف امور پر تفہیم کے حوالے سے ہمارے درمیان بہت سے اختلافات ہیں۔ ایک قوم بننے کے لئے مناسب راستے اختیار نہیں کئے گئے۔ اقوام کی تشکیل اوپر سے نافذ کئے جانے والے حکم کے تحت نہیں سکتی، نہ ہی کسی ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے قوم بنائی جا سکتی ہے اور جب اس معاشرے کا کوئی حصہ، طبقہ 'زبردستی کے اتفاق' کی مزاحمت کرتا ہے تو ہم ان لوگوں کو غدار، اسلام کا دشمن اور ملک کے مخالف قرار دے دیتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف اجزائے ترکیبی ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ انہیں 'ایک قوم' قرار ہی نہیں دیا جا سکتا۔

اس ملک (پاکستان) کے قیام کے وقت ہی جو واقعات پیش آئے، ان کے باعث بہت سے بلوچ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ اس ملک کے اتحاد کا حصہ ہیں، نہ انہیں فیصلوں میں کوئی اختیار حاصل ہے، بلکہ انہیں غلام بنایا جا رہا ہے۔ آہستہ آہستہ بعض دیگر لوگ بھی اسی طرح سوچنے لگے۔ برطانیہ والوں کو یقین تھا اور میں کہوں گا کہ ان کا یقین درست تھا کہ پنجاب والے تو بڑے ہی فرمانبردار اور اطاعت گزار ہیں۔ پنجاب کا یہ رویہ تاریخ کے مطابق بھی ہو سکتا ہے۔ شمال سے آنے والے حملہ آوروں نے پنجاب کو ہی زیر کیا، طویل عرصہ قابض رہے۔ پنجاب کی سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ اسے انڈیا کا اناج گھر کہا جاتا تھا۔ پنجاب کے عوام نے حملہ آوروں کے ساتھ زندگی گزارنے کا طریقہ سیکھ

لیا تھا۔ چنانچہ برطانوی قابضین نے پنجاب کے لوگوں کو اپنے اسٹنٹ کے طور پر تربیت دینے اور اپنے وارث کے طور پر آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ جب 1948ء کے بعد کے واقعات وحالات پر ہم نے غور کیا تو ہم نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ جدوجہد آج تک جاری وساری ہے۔ اور اسی نتیجہ ہے کہ ہمیں دہشت گرد، درندے اور ملک دشمن قرار دیا جارہا ہے۔

میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ بین الاقوامی معیارات کی تفصیل کون تیار کرتا ہے؟ عالمی نظام کی تشکیل کون کرتا ہے؟ یہ بین الاقوامی رائے کون تجویز کرتا ہے؟ امریکہ اور اس کے حامی پیٹرول کی قیمتوں کا تعین کرتے ہیں۔ اور قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں، اور جو کوئی بھی ان کے فیصلوں سے اختلاف کرتا ہے، دہشت گرد ہے۔ انسانوں کو اس امر پر غور وغوض کرنا چاہئے کہ دراصل دہشت گرد کون ہے؟ وہ جو دوسروں کو جان سے مارتا ہے، وہ جو زندگی اور اپنے حقوق دفاع کرتا ہے۔ جو دوسروں کو غلام بناتا ہے یا غلامی کی مزاحمت کرتا ہے۔ یہ تقدیر الٰہی تو نہیں ہے کہ کوئی عالمی طاقت ہی متمدن ہے اور وہی امن پسند ہے۔ جب کسی بھی ملک وقوم کے پاس ایٹم بم نہیں تھا تو ایٹم بم کس نے بنایا اور کس نے استعمال کیا؟ یہ تو 'شیر' کے شکار کی تقسیم والا معاملہ ہے۔ یہیں سے شیر کے حصے کی مثال سامنے آئی۔ اس کا تعلق وسائل کی منصفانہ تقسیم سے ہو ہی نہیں سکتا۔ امریکہ بین الاقوامی معاشرے کا 'شیر' ہے، پھر اس کے پاس ملازمتوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ پوری دنیا میں امریکہ کی 'کالونیاں' موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ٹیکنالوجی، سائنس اور تحقیقات میں بھی امریکی مفادات ہیں۔ جو کوئی بھی امریکہ کی مخالفت کرتا ہے اس پر دہشت گرد ہونے کا لیبل لگایا جاتا ہے۔ جب اسامہ نے امریکیوں سے کہا کہ وہ اس کے وطن سے نکل جائیں تو اسے دہشت گرد قرار دے دیا گیا حالانکہ اسامہ اور اس کے دیگر ہم نوا امریکہ کے مفادات کے لئے کام کرتے رہے تھے۔ جب عمر نے امریکہ سے کہا کہ وہ افغانستان خالی کردے تو اسے بھی 'دہشت گرد' کا خطاب دے دیا گیا۔

امریکیوں نے ابھی تک بلوچوں کی مزاحمت کو 'دہشت گردی' سے تعبیر نہیں کیا البتہ برطانیہ والے 'شاہ سے زیادہ وفادار' کی کوشش فرمارہے ہیں اور انہوں نے بلوچوں کی بغاوت کو دہشت گردی قرار دے دیا ہے۔ بھلا بلوچوں کی بغاوت کس اعتبار اور کس معیار کے تحت دہشت گردی قرار پاتی ہے؟ کیا بلوچ مزاحمت کار کسی اور کی سرزمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟ وہ تو مساوات، عزت ووقار اور اپنے وسائل پر قانونی حق مانگ رہے ہیں۔

یہ تو واضح ہے کہ بلوچستان کا مسئلہ شروع ہی سے الجھ چکا تھا۔ پھر 1952ء میں سوئی (ڈیرہ بگٹی) میں گیس

دریافت ہوئی۔ سوئی گیس بلوچستان کے سوا ملک کے ہر حصے میں گھروں اور فیکٹریوں میں استعمال کی جارہی ہے ۔بلوچستان ملک کا وہ آخری علاقہ تھا جسے سوئی گیس سے استفادہ کرنے کا کوئی موقع ملا،مگر پورے بلوچستان کو(آج بھی) یہ سہولت میسر نہیں ۔اسی طرح بلوچستان مین تیل،تانبے اور سونے کے وسیع ذخائر موجود ہیں ۔سیندک میں سونے اور تانبے کی کانیں کام رہی ہیں اور مزید وسائل کی تالش جاری ہے۔ایک آسٹریلوی کمپنی بلوچستان میں یہ کام کر رہی ہے۔گوادر کی بندرگاہ کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ان وسائل کی تلاش اور ان کی ترقی میں بلوچستان کے عوام کا کتنا حصہ ہے؟

اِس وقت تو شیر ہی شیر کا حصہ پا رہا ہے۔اور بیچارے 'گیدڑ' بلوچستان کے وسائل کی تلاش کے ارد گرد گھوم پھر رہے ہیں۔

آپ کی سیاست،خاص طور پر پارلیمانی جمہوری سیاست میں کچھ حصہ جو رہا،آپ کے بعد آپ کے بیٹوں نے بھی یہ کوشش کی۔بڑوں نے بھی کی،چھوٹوں نے بھی کی اور 2002ء کے الیکشن میں آپ کے دو بیٹے منتخب ہوئے لیکن 2002ء کے الیکشن کے بعد کیا یہ فیصلہ کیا گیا،یا یہ اندازہ لگایا گیا کہ ماضی کی طرح اپنے حقوق حاصل کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا؟

2002ء آپ فرما رہے ہیں،صحیح طور پر 2002ء کے الیکشن کا کوئی نقشہ سامنے نہیں ہے۔جو تھے ان میں سے کچھ شاید اسی راہ پر رہے،خاموش رہے،خاموشی سے کچھ کام کرتے رہے،لیکن الیکشن میں نہیں آئے۔کچھ اس وقت بھی تھے شاید الیکشن میں واپس آئے۔کچھ نوجوان بھی تھے،مثلاً میری اولاد،شاید شروع میں سوچتے ہوں کہ باپ غلط ہے،کچھ کہہ رہا ہے،ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔انہوں نے بھی آزمایا۔بڑے لڑکے کا میں نہیں کہہ سکتا لیکن باقیوں نے اپنے طور پر جو کیا شاید ان کو بھی بند دروازہ ہی لگا۔انہوں نے بھی یہی سوچا۔سارے بلوچوں کا میں نہیں کہہ سکتا لیکن اپنے گھر کا کہہ سکتا ہوں۔انہوں نے یہ سوچا؛ باپ غلط تھا' بے صبر تھا،نادان تھا،آسمان پر اڑنا چاہتا تھا تو شاید انہوں نے بھی دیکھ لیا کہ یہاں کیا حاصل ہے۔تو اس نئی نسل کے،میرے اپنے ہی اسی راہ پر چل دیے۔باپ کے کہنے پر صرف اعتبار نہیں کیا۔باپ کے ساتھ افغانستان میں رُلتے رہے یا عیش کرتے رہے،اس کے بعد خود بھی اس راہ پر چل پڑے۔دیکھتا ہوں کہ اور بھی نوجوان ایسے ہیں،میرے بیٹوں سے زیادہ،میرا بیٹا تو خیر ایسا نہیں ہے۔بلوچ اور بھی کہہ رہے ہیں کہ الیکشن سے،جمہوریت سے،پارلیمنٹ سے کچھ حاصل نہیں ہے۔

ایک بات میں نوٹ کر رہا ہوں کہ اس مزاحمت میں، مری قبیلے کے بارے میں تاریخ بھی ہے اور ایک حقیقت بھی ہے کہ وہ ہر مزاحمت میں شامل بھی رہے اور ہراول دستے کا کام بھی انہوں نے سرانجام دیا ہے۔لیکن اس دفعہ بلوچستان کے ہر ضلع میں مزاحمت نظر آتی ہے، چاہے وہ مکران ہو۔نوشکی ہو، چاہے وہ جھالاوان ہو، اس مزاحمت کی لپیٹ میں تقریباً پورا ہی بلوچستان آ گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے خاندان یا قبیلے کا رول اپنی جگہ لیکن باقی نوجوان بھی اسی ڈگر پر چل نکلے ہیں؟

خواہ مخواہ کسی مشکل ڈگر پر کوئی شوقیہ تو نہیں چلتا، شوق یا ایڈونچر کی بات اور ہے۔بلوچستان انتظامیہ جیسے کہ کہتی ہے، یوں نہیں کہ ہر گھر میں سب بندوق اٹھائے ہوئے ہیں۔لیکن گھر گھر میں یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے، خاص طور پر ہماری آبادی بھی جیسے کٹی پھٹی ہے۔ہم بٹے ہوئے ہیں، سندھ میں، پنجاب میں، سرحد میں، ایران میں ،افغانستان میں.....تو ڈر یہ ہے کہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔خاص طور پر اس وقت جب سوویت یونین کا خاتمہ ہوا، اس کے بعد سے وہاں کی کچھ ریاستیں امریکہ کی مرضی کے کچھ زیادہ تابع آ گئی ہیں۔اپنے وسائل کو استعمال کرنے کا انہیں کسی حد تک راستہ دے دیا ہے۔وہ راستہ میرے خیال میں آسان اور نزدیک تر گوادر ہے۔کچھ روس کے گرنے کی وجہ سے سامراجی طاقتوں کو یہ خیال آیا.....تو اندیشہ ہے کہ ہماری حالت 25 سال میں بھی ایسی ہی رہے گی، ہم پچیس سال میں بھی بدحال ہی رہیں گے، یا ہمارا نام ونشان ختم ہو جائے گا۔ہماری شناخت ختم ہو جائے گی.....تو ہماری مجبوری ہے جیسے کہ خودکشی کی راہ پر چلنا پڑ رہا ہے۔

خبریں گردش کر رہی ہیں کہ براہمدغ بگٹی، جو نواب اکبر خان کے نواسے ہیں، ان کا اور بالاچ کا کوئی اختلاف تھا اور براہمدغ نے ان کی موت میں کوئی رول ادا کیا ہے، کسی طرح سے بدلہ لیا ہے اکبر بگٹی کی موت کا .....میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کی وضاحت کریں؟

جہاں تک براہمدغ کا تعلق ہے، پہلے بھی ایک ایسا سوال ہوا تھا اور جو کچھ میں نے کہا تھا شاید اتنا کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔براہمدغ پر میرا شک ہی نہیں ہے۔میں نے ایک لفظ استعمال کیا تھا بلوچی کا، جس کا اردو ترجمہ ہے کہ کوئی اپنی آنکھ کیسے پھوڑتا ہے۔براہمدغ اسے اپنا ہم سفر کہتا ہے، بازو کہتا ہے۔براہمدغ سے تو مجھے گمان ہی نہیں ہے۔کہنے والوں نے کہا براہمدغ ہے، کسی نے کہا نیٹو کی غلط فہمی میں مارا گیا، کسی نے کہا نوشکی میں مارا گیا، کبھی کہا کہ کاہان میں مارا گیا، کسی نے کہا کوہلو میں مارا گیا۔اتنی باتیں ہوئیں، آیا وہ ڈھونڈ رہے تھے کہ نسبتاً کون سا (جھوٹ)

لوگوں کے ذہنوں پر اثر ڈالتا ہے.....تو براہمدغ پر تو مجھے شک ہی نہیں ہے۔

دوسرا آپ کا بیٹا حیر بیار جو برطانیہ میں گرفتار ہوا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملے میں تھوڑی سی روشنی ڈالیں؟

بالاچ تو ہتھیار اٹھا کر پھر رہا تھا۔ حیر بیار سے مجھے لگتا ہے کہ سرکار کافی ناراض ہے۔

آپ کیا سمجھتے ہیں کیا وجہ ہے اس ناراضگی کی؟

وہ سمجھتے ہیں کہ وہ باہر بیٹھ کر ایسا کام کر رہا ہے جو سرکار کو پسند نہیں ہے۔ یعنی وہ اپنی قومیت کے لوگوں کے لئے وہاں کے لوگوں کے ساتھ، ہم خیال لوگوں کے ساتھ، لندن میں، امریکہ، اسکینڈے، یورپی ممالک، پولینڈ ہے، بلجیم ہے۔ ان کا خیال ہے' کبھی کہتے ہیں کہ منی لانڈرنگ ہے۔ بالاچ کے نعم البدل کے طور پر بلوچوں کو حیر بیار کی ضرورت پڑے گی۔

ان کا خیال ہے کہ وہ آپ کا معاملہ دنیا کے سامنے لا رہا ہے؟

اس سے بھی وسیع تر، اپنے علاقے سے باہر بھی وہ دوسروں کے ساتھ مل کر قومی خدمت کر رہا ہے۔

نواب صاحب' آپ کو علم ہے کہ پاکستان کا برطانیہ کے ساتھ قیدیوں کے تبادلے کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ چنانچہ عام حالات میں پاکستان سے کوئی آدمی برطانیہ یا پاکستان سے کوئی آدمی برطانیہ منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ راشد راؤف کے فرار کے بعد یہ سارا معاملہ کیا آپ کے خیال میں کھٹائی میں پڑ گیا ہے؟ اب شاید یہ تبادلہ نہ ہو سکے اور کیا اس کے باوجود حیر بیار اور ان کے ساتھی کو برطانیہ پاکستان بھیجے گا؟

آج کل اخلاق کے مالک بھی وہ ہیں جو طاقتور ہیں۔ قانون کے بھی، تہذیب اور رویے کے بھی وہی (مالک) ہیں۔ ہمارے یہاں بلوچی میں ایک روایت ہے کہ کسی بلوچ نے دوسرے سے پوچھا بھائی تم نے ہاتھی دیکھا ہے؟ تو دوسرے نے کہا کہ بھائی دیکھا تو نہیں ہے لیکن سنا ہے کہ بہت زور آور جانور ہے' پہلے نے پھر پوچھا پتہ نہیں انڈے دیتا ہے یا بچے دیتا ہے؟ تو وہ سوچ کر کہتا ہے زور آور ہے، مرضی ہے اس کی، انڈے دے یا بچے دے۔ اب وہاں اتنے بڑے جلسے جلوس ٹرائیفالگر سکوائر میں نکلتے ہیں، امریکہ، انگریز اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہاں قانون کے پیچھے جانا بھی ایک رسم، دکھاوا ضرور ہے۔ آپ کا فرمانا ہے کہ قیدیوں کا تبادلہ نہیں ہو سکتا۔ آج کل کہاں طاقت کے بل بوتے پر اس کو یہ چیزیں روک سکتی ہیں۔

نواب صاحب! بلوچستان ایک بہت ہی اہم خطے میں موجود ہے۔اس کا ساحل گلف کے ساتھ ملتا ہے ۔گلف کی اہمیت کسی کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔تیل کا معاملہ بھی ہے،اور معاملات بھی ہیں،جس کے لئے اتنی بڑی جنگ لڑی جارہی ہے۔آپ بلوچستان کا مستقبل کیا دیکھتے ہیں؟

اس کا مستقبل..... جہاں طاقتور لے جانا چاہے گا، لے جائے گا ،جس میں کمزور کی تباہی ہے ،محکومی ہے،غلامی ہے،تابعداری ہے۔دنیا کے حاکم تبدیل ہوں گے یا نہیں ہوں گے! یہ گوروں کی صدی ہے،جو ان کے خدمت گار ہیں اوہ دنیا کو اس طرف گھسیٹنا چاہیں گے۔اس وقت اس کو روکنے کا، میں نہیں کہہ سکتا کہ چین روک سکتا ہے ،روس روک سکتا ہے، ہندوستان روک سکتا ہے۔یہ متحد ہو سکتے ہیں یا نہیں ہو سکتے۔فی الحال یہ لڑائی زیست کے لئے لڑنی ہے۔کیا انجام ہوگا، کچھ کہہ نہیں سکتا۔

لیکن کیا یہ لڑائی (کب تک) جاری رہے گی؟

میرا خیال ہے کہ ہر عمل کا ردِعمل ہوگا۔وہ ردِعمل اس کا کتنا موثر ہو،کتنا رکاوٹ کا باعث بنے یا کتنا موخر کرے جس میں طاقتیں اور جمع ہوتی جائیں۔میری نظر میں انسانیت کی نجات تو اس میں ہے جو مظلوم قومیں ہوں یا طبقے، یہ جب تک ایک دوسرے کے غم میں اکھٹے نہیں ہوں گے، چھٹکارا نہیں پاسکیں گے۔لیکن اس کے لئے بہت بڑی قیمت ادا کرنے پڑے گی۔

آپ سمجھتے ہیں کہ بلوچستان کے بالخصوص اور پاکستان کے لئے عام طور پر یہ حالات ہمیں بُری سمت لے جارہے ہیں؟

میرے خیال میں اُمید چھوڑ دیں تو پھر موت ہے۔زندہ ہیں تو امید رکھنا ہی ہوگی۔گو آپ جیسے فرمارہے ہیں کہ الیکشن ہے، ہر طرف زور شور مچا ہے۔مخالفت میں شور ہے۔حاکم کی طرف سے بھی شور ہے لیکن ان کے پاس زور نہیں ہے۔ایک طرف شور بھی ہے اور زور بھی ہے۔لیکن ضروری نہیں کہ یہ پلڑے ہمیشہ ایسے ہی رہیں۔

ہم آپ کے انتہائی شکر گزار ہوں گے اگر آپ پاکستانی عوام یا دنیا کو کوئی پیغام دینا چاہیں؟

بنیادی طور پر تو میں بلوچوں کے لئے ہی کوئی پیغام دوں گا البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میرا یہ پیغام اوروں کے لئے بھی فائدہ مند ہو۔یہ وطن ہم بلوچوں کا ہے اور اس وقت ہم اکثریت میں ہیں، ہمارا علاقہ ایران اور افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔ہم سے چھوٹی چھوٹی ریاستیں آج کل اقوام متحدہ کی رکن ہیں۔انہیں ووٹنگ کے اختیارات انگریزوں

جیسے ہیں لہٰذا اب ہمیں اپنے لوگوں کی سوچ کو بیدار کرنا ہوگا۔ آنے والے خطرات کے نقصان کا صحیح اندازہ لگانا پڑے گا۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے جبکہ بلوچستان اس وقت نوآبادیات کے لئے ایک مرکز بنا ہوا ہے کیونکہ یہاں زمین، پانی اور معدنیات سبھی کچھ ہے۔ ان پر قابض ہونے والے ہمیں فوری طور پر ختم کرنے کے چکر میں ہیں۔ میرا تو ہر بلوچ کے لئے یہی پیغام ہے کہ اب سونے کا نہیں، بیداری کا وقت ہے۔ ہمیں امید کا دامن ہرگز نہیں چھوڑنا چاہئے کیونکہ امید چھوڑنے کا مطلب موت ہوگا۔ ہر شخص کو امید کے ساتھ رہنا ہوگا۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انتخابات بھی قریب ہیں۔ میرا اپوزیشن کو مشورہ ہے کہ انہیں نہ صرف پنجاب بلکہ ہر جگہ فوج سے پاور شیئر کرنی چاہئے مگر میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ بلوچ عوام سے بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ کریں جس کا صاف مطلب ہے کہ ہمارا مضبوط اتحاد نہیں ہو پائے گا کیونکہ ہماری ضروریات مختلف ہیں۔

اس دن کیلئے جینا چاہتا ہوں
جب **بلوچ** ایک منزل پالیں

انٹرویو : وسعت اللہ خان

ذریعہ : بی بی سی اُردو

اشاعت : 19 اپریل 2008ء

بزرگ بلوچ قوم پرست رہنماء نواب خیر بخش مری نے کہا ہے کہ حکومت کی جانب سے بلوچ عوام سے معافی ایک فریب ہے۔ بی بی سی کو دیئے جانے والے ایک طویل انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ بلوچ تحریک جاری ہے۔ بلوچ سماج اپنے جگہ سے جس علاقے سے ان کا تعلق تھا پھر اس میں جا رہا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں ہمارے ہاں

اگر لیڈر فرد کی حیثیت سے نہیں کہہ سکتا کہ کس کو کہتے ہیں یا کس کو نہیں کیونکہ وہ حکومت کی نظر میں قانون کے خلاف کام کر رہا ہے۔ زیر زمین ہے، ان میں بی ایل اے، بی ایل ایف، اور بلوچ ریپبلکن آرمی ہیں اور بھی چھوٹے موٹے ٹائیگرز ہیں جو دیگر علاقوں میں کام کرتے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سیاسی عمل والے میری دانست میں شاید وہ میری ناسمجھی ہو، مجھے ایسا نہیں لگ رہا کہ وہ شعوری طور پر نیشنلزم کہتے ہیں یہ بھی جھوٹ بولتے ہیں یا لفاظی کرتے ہیں، میری دانست میں بھی حکومت عمل کے زمرے میں نہیں آتا، ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ کچھ سوچے سمجھے کر رہے ہیں۔ کچھ محدود سوچ کی وجہ سے کر رہے ہیں اور کچھ ان سے متاثر شدہ ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے خاندان نے بلوچ قوم کے لئے کیا کیا، اس کے لئے کوئی بڑا دعویٰ تو نہیں کرسکتا لیکن اس میں حصہ دار رہا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ان کی فیملی بھی حکومت کا حصہ رہی ہے تو انہوں نے کہا کہ میری فیملی میں میرا بڑا بیٹا گیا، دوسرا بیٹا گیا۔ میرے خیال میں حیربیار مری اور بالاچ مری پاکستانی سیاست سے متاثر نہیں تھے۔ اتنے جتنے بڑے بیٹے تھے تو انہوں نے مشترکہ فکر اپنائی، بڑا بیٹا اپنی ماضی سے گیا، گزین ادھورا ہے لیکن آج کل وہ بھی بلوچ سوچ کی طرف لوٹ رہے ہیں اور ان کا لہجہ وزارتوں کے حوالے سے کچھ سخت سا ہوا ہے۔ یہ حرکت اچھی لگی، جب قبیلہ بھی عرصے سے خود بھی بچپن سے جلاوطنی میں تھے۔ تو قبیلے کہیں بلوچستان کہیں اور، باپ سے کتنا اثر لیا ہے زیادہ سے زیادہ باپ نے چند سال جیل میں گزارے۔ تو انہوں نے سمجھا کہ باپ بھٹکا ہوا نہیں ہے۔ حیربیار مری اور بالاچ تو شروع سے ہی الگ راستوں پر چل رہے تھے جبکہ ماضی میں حیربیار حکومت میں ضرور تھے لیکن اپنے لئے کام کرتا تھا، انہوں نے کہا کہ وہ ضیاء الحق کے کہنے پر وطن واپس نہیں آئے تھے بلکہ ایک بڑا لشکر ان کے ساتھ تھا، کافی لوگ تھے۔ 20 ہزار مری چھوٹے بڑے یا اس سے زیادہ تھے، یہ مری موٹی بات کرتے ہیں، بیس ہزار کی۔ ہتھیار اٹھانے والے شاید اتنے نہیں ہوں گے اور قبیلے والوں کی خواہش تھی کہ وہ واپس چلا جائے، ہم آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت باہر رہنا بہت مشکل تھا۔ افغانستان والوں نے تو جواب دے دیا تھا کہ مہمانداری تو ہماری روایت ہے مگر پاکستان کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ہم آپ کو مہمان بھی نہیں رکھ سکتے، اس لئے یا وطن واپس چلے جائیں یا کہیں اور بھاگ جائیں۔ یورپ وغیرہ یا ادھر اُدھر۔ اس سے بھی امید کتنی تھی اور ساتھی تھے۔ سوچا جہاں جارہے ہیں جتنے ساتھی کہیں، فطری ساتھی، روایتی ساتھی اور کچھ قبیلے کے لوگ تھے جو غلط ہے صحیح ہے۔ میں بھی واپس جاتا اگر وہاں کام کرلیں۔ اس کی مہربانی کہ کوئی سبب بنا براہ راست ان کی یا ان کے نمائندوں کی مجھ سے ڈیل نہیں ہوئی۔ اتنے لوگ

بھی آئے۔ بلوچستان سے، کافی سارے ظاہر یہ کرتے ہیں کہ آٹے کا نمک کے لوگ آئے تھے۔ ہماری اپنی ضرورت کے تقاضے ایسے تھے کہ چائس انگریزوں میں کہتے ہیں نہیں، لگ رہے تھے۔ چلتے ہیں کچھ کر سکیں برابر نہیں۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ تاثر غلط ہے کہ تحریک میں صرف مری ہیں۔ بے شک مریوں کی تعداد زیادہ ہوگی مگر اب اس میں سارے بلوچ شامل ہیں۔ اب یہ گننا مشکل ہے کہ کون زیادہ مزاحمت کر رہا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ بلوچستان کے باہر کے بلوچوں کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ سندھ، پنجاب، سرحد میں اب ابتدائی طور پر سامنے آرہا ہے کہ لوگ اپنے نام کے ساتھ بلوچ لکھتے ہیں، انتہائی ابتدائی عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسٹبلشمنٹ گلوبل شکل میں ہے۔ میں اسے بدمعاش سمجھتا ہوں جو بلوچ، پنجابی، سندھی، پٹھانوں کی شکل میں ہے۔ اور یہی لوگ چاہتے ہیں کہ میگا پراجیکٹ، اسلام، وزارتوں کے نام پر دھوکہ دیا جاتا ہے کوئی کسی کو ترقی نہیں دیتا، سارے اپنے فائدے کا سوچتے ہیں۔ جیسے انگریز نے کوئٹہ تک ریلوے لائن بچائی، جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا بلوچستان کی ترقی اسٹبلشمنٹ کے مفاد میں ہے تو انہوں نے کہا کہ میری دانست میں جو میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہی ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ وہ بلوچستان پر اپنا قبضہ برقرار رکھ سکیں۔ انہوں نے کہا کہ بلوچ کو ترقی دینے والے کبھی ان کے غم یا خوشی میں حاضر نہیں تھے۔ ایک سوال کے جواب میں مقاصد حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی اہمیت تسلیم کروانے کے لئے خون پسینہ بہانا ہوگا، ہم بیماری کا علاج چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا اس دن کے لئے جینا چاہتا ہوں جب بلوچ عوام اپنی منزلیں پالیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ مشرف دور میں ان کو صرف لاٹھی دکھائی گئی ہے یا کوئی گاجر، انہوں نے کہا کہ گاجر چبایا ہوا، کسی کا پھینکا ہوا گاجر تمہیں ڈویلپمنٹ دیں گے، تمہیں یہ دیں گے، تمہیں وہ دیں گے۔ گاجر وہ بھی گدھے کا چبایا ہوا گاجر۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہمیں بہکانا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکمران اب بھی ہمیں غلام سمجھتے ہوئے ملازمت تنخواہ بانٹ کر خوش کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بلوچ فرد کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ بلوچ قوم ایک خوش قسمت قوم ہے لیکن کچھ مشکلات ضرور آئی ہیں۔ انہوں نے کہا بلوچ آج جس مقام پر ہیں، اس سے آگے اس لئے بڑھ نہیں سکے کہ وہ سڑک، نوکری، جمہوریت کی سوچ تک محدود ہیں اس کے علاوہ پرانی اور نئی سوچوں والوں کا بھی اختلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ نیشنل پارٹی تو ہے لیکن اس میں نیشنلزم نہیں ہے۔ اس طرح بلوچستان نیشنل پارٹی بھی ہے جو پاکستان وفاق کے لئے کام کرتی ہے۔ قوت بکھری ہوئی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ماضی کے

مقابلے میں مزاحمت میں فرق آیا ہے۔ پہلے صرف پہاڑوں پر مزاحمت ہوتی تھی، اب شہروں میں بھی ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ جنگی صلاحیت میں مزید بہتری آئی ہے۔ انہوں نے آصف زرداری کی جانب سے معافی کو فریب قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے اختیارات ملنے سے پہلے معافی مانگ لی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھٹو جو تمہارا بڑا پیر مقدم تھا انہوں نے بنگال کے ساتھ کیا کیا۔ ان کی باتیں جو ہیں، میں ان کو کھوکھلا سمجھتا ہوں، فریب سمجھتا ہوں، ان کی مجبوریاں ہیں۔ جو انہوں نے بنائی ہوئی ہیں۔ اس کو پورا کرنا ہے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ بے نظیر بھٹو صاحبہ بھی ان کے پاس تشریف لائی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ رسماً آئی تھیں۔ اگر مجھ سے بات کرتیں تو اس وقت سوچ رہا تھا کہ میں کیا جواب بھیجتا تو اس وقت وہ پہنچ گئیں تھیں، تو مجھے اطلاع ملی۔ تو پھر میں نے سوچا کہ چلو عورت ہے آئی ہے، سطحی ایک سنت یا نفل کہیں، حالانکہ مجھے پسند نہیں آ رہا تھا۔ وہ شاید اپنی عادت اور سمجھ کے مطابق کچھ بات ہو رہی تھی تو وہ ذرا تقریر کے انداز میں شروع ہوئی تو میں نے ان سے ایک دو دفعہ گزارش کی کہ یہ باتیں اس وقت کی نہیں ہیں چھوڑو۔ بعد میں زندگی رہی تو دیکھیں گے۔ تو پھر کچھ ڈائیوٹ کرنے کے لئے میں مسکرایا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ان کے صوبے میں پیپلز پارٹی کی حکومت بن رہی ہے تو انہوں نے کہا کہ زندگی میں کتنی چیزیں بنی ہیں۔ یہ ایک اور لعنت، خیر ہے، کتنے عرصے کے لئے۔ اس دن کے لئے جینا چاہتا ہوں۔ جب بلوچ ایک منزل کی حیثیت سے منزلیں پالیں۔ ایک تصور ہے خواہشیں ہیں۔ جمہوریت آنے سے سب مرض کتنے تندرست ہو جائیں گے۔ ضیاء الحق کی بھی جمہوریت تھی، ایوب کی بھی جمہوریت تھی۔ بھٹو کے دنوں میں ایک جنرل تھا۔ قزلباش اس کی بھی جمہوریت تھی۔ مشرف کی بھی جمہوریت تھی۔ امریکہ کی بھی جمہوریت ہے۔ یہ جمہوریت اتنی لچک دار ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ بدظنی ختم ہو سکتی ہے یا کبھی نہیں تو انہوں نے کہا کہ بلوچوں کا دعویدار نہیں ہوں کہ میں سب بلوچوں کا لیڈر رہوں، رہنماء ہوں کہ میرے ایماء پر یہ ہو جائے گا۔ یا وہ ہو جائے گا۔ میں ایک بلوچ فرد کی حیثیت سے، خیر بخش مری بلوچ کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں کہ ختم تب ہو گی جب ہم اپنا مقصد حاصل کرنا شروع کر دیں گے کیونکہ ہماری آزادی کے معنی واثر تو سب پر پڑے گا۔ سندھ پر پڑے گا، اسی طرح پنجاب پر پڑے گا۔ اس کے لئے بہت زیادہ محفل شریک جرگے کی ضرورت پڑے گی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ نئی حکومت بن رہی ہے تو کیا کوئی امید یا اندھیرا ہی اندھیرا ہے تو انہوں نے کہا کہ انقلابی لوگ تو نہیں آئیں گے ایک اور فکر ایک اور عمل کے ساتھ آئیں گے، وہی پیدا گیر ہیں، ان کے پتے باز کہیں، ان کو جیب کترے کہیں، کچھ کو دھوکہ دینا، کچھ کو نشہ پلانا اور اس سے کیا

بلوچوں میں اور نفاق، اختلافات پیدا کرنا ہے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ ٹینس کھیلتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ آج کل کچھ نہیں کھیلتے، حالانکہ چلتے بھی کم ہیں۔ ملا اور مسجد والی بات ہے۔ کمرے تک آتا ہوں۔ مرغی رکھتا ہوں یا زیادہ رکھتا ہوں۔ مرغی کی مرض کہیں یا کچھ بھی کہیں، میں خود بھی بیان نہیں کرسکتا۔ کبھی مرض، کبھی خبط، خبط ڈکشن وہ ہے کم نہیں ہو رہا، وقت کے ساتھ لڑانا چھوڑ دیا ہے براہ راست۔ لیکن لڑکے کے اوصاف کی قدر اب تک موجود ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ نواب خیر بخش مری کسی سے خوش ہے یا نہیں تو انہوں نے مسکرا کر کہا کہ وہ کم از کم اپنے سے تو خوش نہیں اور پتہ نہیں کسی سے۔

نیت بلوچستان کی
آزادی کی ہو تو ہر محاذ پر لڑنا چاہئے

انٹرویو : عبدالحئی کاکڑ

ذریعہ : ماہنامہ نیا زمانہ، لاہور

اشاعت : اپریل، 2008ء

آپ کیوں بلوچستان کو فیڈریشن آف پاکستان کا حصہ دیکھنا نہیں چاہتے؟

میں پاکستان سے آزادی چاہتا ہوں کیونکہ میری نظر میں نوآبادیاتی معاشروں کے لئے فیڈریشن کی اصلاح کو استعمال کرنا درست نہیں ہے یہاں تو رشتہ طاقتور اور کمزور، آقا اور رعایا کا ہے۔

آپ سیاسی کی بجائے مسلح جدوجہد پر اتنا زور کیوں دے رہے ہیں؟

ماؤزے تنگ کہتے ہیں کہ ''مسلح جدوجہد بھی سیاسی جدوجہد ہے، فرق صرف ہتھیار اور قلم کا ہے'' میں بھی اسی عقیدے کا آدمی ہوں۔ میں فکری طور پر سمجھتا ہوں کہ اب تک دیگر ذرائع موثر ثابت نہیں ہو سکے ہیں، اسی لئے میں ''گولی'' پر زیادہ زور دے رہا ہوں۔ اس کے ذریعے بلوچ مسئلہ کا عالمی سطح پر تعارف ہوا۔ اس کے ذریعہ بلوچستان میں جو لوٹ مار جاری تھی اس میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور گولی سے پاکستانی فوج کو کافی تکلیف بھی پہنچی ہے۔ بلوچوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بچوں نے 'انتفادہ' کے طرز پر پاکستانی فوج کو پتھر مارے ہیں۔ اس سے ان کی ایک قسم کی گوریلا تربیت ہو رہی ہے۔ لندن میں ایک بچی نے پلے کارڈ اٹھایا تھا جس پر لکھا گیا تھا ''آئی لو بلوچستان'' اب تو یہ اتنا پھیل گیا کہ ہمیں کل کے ریکروٹس بھی مل گئے ہیں۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایسے ملک سے آزادی حاصل کی جائے جو نہ صرف ایک ایٹمی قوت ہے بلکہ اس کا عالمی سیاست میں ایک کلیدی کردار بھی ہے جو مغربی ممالک بالخصوص امریکہ اسے مستحکم ہی دیکھنا چاہتا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ممکن ہے مگر اس کے لئے ہمیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ غرض یہ کہ یہ 'آسان ممکن' نہیں بلکہ مشکل ممکن کے زمرے میں آتا ہے۔

اٹھارویں صدی کے بلوچ مزاحمت کار میر محراب خان سے لے کر بالاچ خان مری تک ایک سو سڑسٹھ سال کی مسلح جدوجہد کے ذریعے، آزاد بلوچستان قائم نہیں کیا جا سکا تو یہ سلسلہ نتیجہ دیے بغیر کب تک اسی طرح جاری رہے گا؟

کب تک چلے گا، یہ نہیں جانتا لیکن جب تک بلوچ دھرتی کے فرزند زندہ ہیں، یہ جدوجہد جاری رہے گی۔ اس سے قبل بھی کئی نسلیں آئیں، انہوں نے مار کھائی، تحریک دب گئی، مگر اگلی نسل نے پھر سے توانائی حاصل کی، انہوں نے دوبارہ لڑنا شروع کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلح جدوجہد کو جاری رہنے کے لئے وقفے کم ہی سہی، مگر بہتر یہی ہوگا کہ اس تسلسل کو برقرار رکھا جائے۔

بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر بالفرض ایک آزاد بلوچ ریاست بنتی بھی ہے تو اس میں تادیر چلنے کی صلاحیت موجود نہیں ہوگی؟

پاکستان سے ہماری زمین اور دولت کم نہیں ہے۔ اگر کمی ہے تو وہ آزادی کے احساس کی ہے۔ غربت اور

سادہ زندگی نے تاریخ میں بلوچ اور مری بلوچ کو سخت جان ثابت کیا ہے۔ ایک بلوچ بچہ جب جنم لیتا ہے تو پیروں پر چلنا سیکھنے کے بعد وہ پھر مرتے دم تک پہاڑوں پر پیدل چلتا ہے۔ جس طرح ویتنامیوں نے امریکن کمانڈوز کو تھکا دیا تھا اسی طرح سخت جان بلوچ پاکستانی کمانڈوز کو تھکا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بلوچ مسلح مزاحمت کو بیرونی امداد کی ضرورت ہے؟

ہاں بلوچوں کو کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو یہاں دستیاب نہیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بیرونی طاقت حُبِ علی میں نہیں البتہ بغضِ معاویہ میں ہماری مدد کو آسکتی ہے، جسے قبول کرنا فرض ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ کل کلاں وہ ہمیں ہی گھیرے میں نہ لے لے۔

آپ پر کئی دہائیوں سے مختلف حکومتوں کی جانب سے یہ الزامات لگائے جاتے رہے ہیں کہ آپ بلوچوں کی ترقی کے مخالف ہیں؟

یہ الزام سراسر غلط ہے۔ اگر پنجابی کا نظام سوشلسٹ یا کمیونسٹ ہوتا تو پھر مانا جاسکتا تھا کہ خیر بخش سرمایہ دار ہے جو اپنی ذاتی ملکیت کی بات کرتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ میں اپنے لوگوں کا دشمن اور وہ بلوچوں کے دوست ہیں۔

اگر حکومت انفراسٹرکچر بناتی ہے تو وہ تمام چیزیں ہمیشہ کے لئے بلوچستان ہی میں رہیں گی لہٰذا جو کچھ بن رہا ہے اس کی مخالفت کیوں؟

میرے خیال میں اس انفراسٹرکچر کا مقصد محکوم کو دھوکہ دینا اور اپنے کے لئے سڑکوں اور ریلوے لائن بچھا کر فوج اور پولیس کو لانا ہے تاکہ اپنی سہولیات بڑھا سکیں۔ انفراسٹرکچر ہماری محرومیوں اور استحصال کا معاوضہ نہیں ہوسکتا۔

جسے آپ لوٹ مار یا استحصال کہتے ہیں اس کو روکنے کے لئے کیا حکمت عملی ہوسکتی ہے؟

حکمتِ عملی کے بارے میں بتانا چاہئے بھی یا نہیں، البتہ کوشش ہونی چاہئے کہ دونوں ہاتھوں سے (تیل و گیس) لوٹ مار نہ ہو۔ اس میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ تاکہ ہمیں پائیدار نقصان نہ پہنچایا جاسکے۔

یعنی حکمتِ عملی یہ ہو کہ بلوچستان کو بم دھماکوں اور تشدد کے ذریعے غیر مستحکم رکھا جائے؟

پتہ نہیں کہ غیر مستحکم کا لفظ ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ میرا مطلب ہے کھلم کھلا لوٹ مار نہ کرنے دی جائے۔

لیکن پچھلے ساٹھ سال میں چار مرتبہ بلوچ مسلح جدوجہد نے سر اٹھایا اور بار بار اس کو کچلا گیا اور کامیابی سے

دبایا گیا ہے تو آپ کو نہیں لگتا کہ اس بار بھی ایسا ہی ہوگا؟

ان چار پانچ مرتبہ 'دشمن' نے یہی سمجھا کہ مزاحمت ختم ہوگئی ہے لیکن اس بار جدوجہد رکے گی نہیں اور اگر اس بار ایسا ہوا تو مجھے ڈر ہے کہ بلوچ وسائل کی بے دریغ لوٹ مار ہوگی۔

نواب صاحب ایک کمیونسٹ ہونے کے ناطے آپ ایک غریب اور اپنے ہم طبقہ پنجابی سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟

ایک زمانہ میں کمیونسٹ یہ کہتے رہے کہ امریکی مزدور ہمارا ساتھی ہے تو اس وقت کیولٹی نامی ایک سینئر کمیونسٹ رہنما نے کہا تھا کہ ایک امریکی مزدور ہمارا ہم پیشہ تو ہے مگر ہم فکر نہیں۔ وہ اس سامراجی مشین کو تیل دیتا ہے جسے ہم تباہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، بالکل اسی طرح ہم میں اور ایک غریب پنجابی میں سوچ اور عمل کا فرق ہے۔

آپ نہیں سمجھتے کہ بلوچوں کو بندوق سے ہٹ کر اپنے حقوق کے لئے سیاسی محاذ پر بھی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے؟

میرے خیال میں اگر نیت بلوچستان کی آزادی کی ہو تو پھر ہر محاذ پر لڑنا چاہئے۔ آج کل یہ کہا جارہا ہے کہ تمام بلوچ سیاسی جماعتوں کو مل کر انتخابات میں حصہ لینا چاہئے۔ اگر بلوچوں کی آزادی کی بات اسمبلی میں بھی کی جاتی ہے پھر تو ٹھیک ہے کیونکہ اس کا عالمی سطح پر یہ مثبت اثر پڑے گا کہ ہم الیکشن بھی جیت سکتے ہیں۔ اگر الیکشن میں ناظم وغیرہ بننا ہے تو میرے خیال میں اس سے ہمیں بہت بڑا نقصان ہوگا۔ اس کا مطلب پھر یہ ہوا کہ آپ استحصال میں ان کے شریک کار بن رہے ہیں۔ ہماری بلوچ سیاسی جماعتیں تو درخواست دیکر حقوق مانگنے کی بات کرتی ہیں۔

کیا آپ نہیں سمجھتے کہ بلوچ مزاحمت کاروں اور پاکستانی فوج کے درمیان جنگی حکمت عملی اور جدید اسلحہ کے لحاظ سے ایک بہت بڑا فرق موجود ہے؟

ہاں ماضی میں بھی بہت بڑا فرق تھا اور آج بھی ہے۔ ہمارے پاس کلاشنکوف ہے۔ ہماری مالی حالت ایسی نہیں ہے ہمیں اسلحہ بنانے کے لئے ہنر سیکھنے اور میدان جنگ میں اسلحہ چھیننا چاہئے۔ اگر بغضِ معاویہ میں بھی اسلحہ ملتا ہے تو لینا چاہئے۔ تامل ٹائیگرز کو دیکھو، وہ اب جہاز تک اسمبل کرتے ہیں۔ ان کے جو لوگ باہر ہیں، پیسہ کما کر بھیجتے ہیں۔ ہمارے پاس اگر دس ہنرمند ہیں تو ان کے پاس ہزار ایسے ہیں جو منٹوں میں کسی چیز کو اڑا سکتے ہیں۔

نوابزادہ بالاچ مری کی موت حالیہ مسلح جدوجہد کے لئے کتنا بڑا نقصان ہے؟

وہ بلوچوں میں مزاحمت کی ایک علامت بنتا جا رہا تھا اور کچھ حد تک بن بھی چکا تھا لہٰذا میں سمجھتا ہوں مسلح تحریک ایک کمانڈر سے محروم ہو چکی ہے البتہ سپاہی بہت ہیں اور بھی آئیں گے۔ اب اس خلاء کو پُر کرنا ہوگا۔ دیکھتے ہیں، کیسے ہوتا ہے۔

سامراج **قومی تحریکوں** کا دشمن ہے

بلوچ تحریک کو امریکی سامراج نے زیادہ نقصان پہنچایا ہے

انٹرویو : ملک سراج اکبر

ذریعہ : روزنامہ توار

اشاعت : 19 جون 2008ء

• بلوچ قومی تحریک کے لئے اپنی ذات کو وقف کرنے والے نواب مری نے گفتگو کے آغاز میں ہی اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے سیاست میں قدرے تاخیر سے قدم رکھا۔ اس سے پہلے وہ ایچی سن کالج میں شاندار زندگی گزار رہے تھے۔ اگرچہ مری قبیلہ نسل در نسل سامراجی قوتوں کے خلاف اپنی سرزمین کے تحفظ کے لئے برسرِ پیکار

رہا ہے لیکن نوجوان خیر بخش مری اُن دنوں سیاست سے بالکل لاتعلق تھے۔ایوب خان نے جب بلوچ قبائلی علاقوں میں تیل اور گیس کی تلاش شروع کی تو نواب مری پہلی بار شعوری سیاست کی طرف راغب ہوئے تاکہ بیرونی قوتوں کو نکال باہر کیا جا سکے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مری قبائل نے انگریز نوآبادیات پسندوں کے خلاف سب سے زیادہ جنگیں لڑیں۔

• اس سوال پر کہ آیا بلوچ سردار واقعی ترقی مخالف ہیں؟ نواب مری بتاتے ہیں کہ یہ صرف سرکاری پروپیگنڈہ ہے تاکہ بلوچ وسائل کو لوٹا جا سکے۔ہزارہا پیش کش کے باوجود نواب مری نے تمام سرکاری مراعات، وزارتیں اور گورنر شپ جیسی پیشکشوں کو ٹھکرا دیا۔ان کا کہنا ہے کہ ایسی مراعات سے ہمیں خریدنے میں نہ انہیں کامیابی ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ان کے بقول کچھ لوگوں کی حُب الوطنی کو انتہائی سستے داموں خریدا گیا ہے۔نواب مری کہتے ہیں کہ ''میں اپنے لئے پُر آسائش زندگی نہیں چاہتا، اور نہ ہی غلامانہ طرزِ زندگی کوئی جاذبیت رکھتی ہے۔''

• سفید ریش اور سرخ رنگت کے حامل بزرگ بلوچ قومی رہنما کا یہ یقین ہے کہ موجودہ بلوچ قومی تحریک ماضی کی بہ نسبت کہیں زیادہ پختہ اور مضبوط ہے۔بلوچ قوم نوشیرواں عادل کے زمانے سے محکوم چلی آ رہی ہے۔ہر پاکستانی حکمران کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ بلوچ قوم کی آواز کو دبائے لیکن آج عام بلوچ ماضی کی نسبت زیادہ آگاہی رکھتا ہے۔وہ اپنے آنے والے مستقبل اور درپیش خطرات سے کما حقہ معلومات اور آگاہی رکھتا ہے۔اس کی مثال نواب مری حالیہ گوریلہ جنگی حکمت عملی سے دیتے ہیں جو بلوچستان کے طول وعرض میں دیکھنے کو ملتی ہے۔کہنہ مشق نواب مری بتاتے ہیں کہ ''ہماری تحریک تواتر اور تسلسل کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں ہے، ہمارا مقصد ایک آزاد بلوچ قوم کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اس سے کم تر کسی چیز پر بات نہیں ہو سکتی۔ہم قومی آزادی کے لئے حد درجہ پُر امید ہیں۔گو کہ ہماری رفتار سست ہے لیکن یکسوئی کے ساتھ جاری وساری ہے۔''

• سخت گیر موقف رکھنے والے نواب مری کہتے ہیں کہ بلوچستان کی موجودہ سیاسی پارٹیاں قومی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں کیونکہ یہ پارٹیاں بطور فرزند، بلوچ گلزمین کا حق ادا نہیں کر پا رہی ہیں۔انہوں نے کہا کہ جب یہ سیاسی پارٹیاں، تامل ٹائیگرز، حماس اور آئرش ریپبلکن آرمی (آئی آر اے) کی طرز پر جد جہد شروع کریں گی تب ہی وہ صحیح معنوں میں 'قوم پرست پارٹیاں' کہلائی جائیں گی۔وہ بتاتے ہیں کہ اس وقت صرف بلوچ لبریشن آرمی (بی ایل

اے) ہی قابلِ تحسین ہے؛''میں صرف بلوچ لبریشن آرمی سے ہی خوش ہوں، بی ایل اے صحیح معنوں میں گلزمین کے حقیقی فرزند کے طور پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے، یہ بہت ساروں کے مقابلے میں سرزمین کے بہتر فرزند ہیں کیونکہ وہ بلوچ قومی آزادی کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، بی ایل اے محکوم لوگوں کی امنگوں کی ترجمان ہے۔''

• بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) سے متعلق وہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک خالص 'سیاسی پارٹی' ہے نہ کہ ایک بلوچ 'قوم پرست پارٹی' نواب مری کا کہنا ہے کہ''بی این پی مینگل انتظامی صوبہ بلوچستان جو کہ پاکستان کے زیرِ تحت ہے، کی سیاست پر یقین رکھتی ہے، جبکہ ایک حقیقی قوم پرست پارٹی کے لئے لازم ہے کہ تمام بلوچوں کی بات کرے، کیونکہ بلوچ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ ایران اور افغانستان میں بھی محکوم ہیں، لہٰذا آپ ان بلوچوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔''

• جب بلوچ قومی رہنما سے یہ سول پوچھا گیا کہ آپ اس بارے میں کیا جواب یا تاثر دیں گے کہ بلوچ مسلح تحریک کے پیچھے آپ کا ہاتھ ہے؟ تو انہوں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا'' آپ اس بڑھاپے میں کیوں مجھ سے اعترافِ جرم کروانا چاہتے ہیں، اگر میں جوان ہوتا تو آپ کو یہ انٹرویو نہ دے رہا ہوتا، میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ حقیقی لڑنے والے وہ ہیں جو ہتھیار اٹھا کر جدوجہد کر رہے ہیں، میری خواہش ہے کہ میں نوجوان ہوتا تو سیدھا پہاڑوں پر جاتا اور بلوچ کاز کے لئے لڑتا۔''

• نواب مری مزید کہتے ہیں کہ'' بلوچ ایک عظیم قوم ہے، ہم ایک آزاد بلوچ گلزمین چاہتے ہیں جو کسی اور ملک کی ماتحت اور محتاج نہ ہو، بہت سے لوگ پارلیمانی جدوجہد کے ذریعے بلوچ کاز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، لیکن میں دوسرے مکتبِ فکر کا آدمی ہوں جو مکمل آزادی کی بات کرتا ہے اور مسلح جدوجہد کو سپورٹ کرتا ہے۔'' ماضی سے متعلق نواب مری بتاتے ہیں کہ'' پارلیمانی سیاست نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) سے شروع کی تھی جو بلوچ کاز اور حقوق حاصل کرنے میں بری طرح ناکام ہوگئی تھی، جو مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا، اس کا اب مجھے افسوس ہے، شاید اِس کی وجہ اُس وقت میری اپنی ناپختہ سیاسی سوچ تھی۔''

• جب اُن سے پوچھا گیا کہ اگر بلوچستان کی تمام سیاسی قوتیں بشمول بی ایل اے آپ کے پاس آ کر کہیں کہ آپ ہمارے بزرگ بن کر اسلام آباد کے ساتھ مذاکرات کار بنیں تو اس پر آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ اُن کا فوری جواب

تھا کہ 'میں کوئی مذاکرات نہیں کروں گا' لیکن پھر رُک کر کہنے لگے کہ اگر مذاکرات ہوں گے تو اس کے لئے سب سے پہلے ہم اپنی شرائط رکھیں گے۔اُن سے استفسار کیا گیا کہ اُن کی شرائط کیا ہوں گی تو انہوں نے برجستہ طور پر کہا'' پنجابی دَر بیایاں......چا مئے چماں غائب بنت انت''(ترجمہ: پنجابی یہاں سے نکل جائیں، ہماری نظروں سے دُور ہو جائیں)دوسرے معاملات ہمارے خانگی مسائل ہیں جن پر ہم خود مل بیٹھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔''میں سور کے ساتھ بقائے باہمی کی بات کرسکتا ہوں لیکن پنجابی کے ساتھ نہیں۔''نواب کہتے ہیں کہ پنجابی ، بلوچوں کو کمتر ، جاہل اور نااہل سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بلوچ جہاز اڑا نہیں سکتے ،اس طرح وہ جواز بنا کر ہمارے وسائل پر قابض ہیں اور ہمیں ترقی دینے کی بات کرتے ہیں۔میں کہتا ہوں کہ آپ کون ہوتے ہو ہمیں سکھانے اور ترقی دینے والے؟ اگر ہم جہاز آج نہیں اڑا سکتے تو دس سال کے بعد ہم سیکھ جائیں گے،اگر آج ہمارے پاس ڈاکٹر نہیں ہیں تو کل مل جائیں گے،لیکن آپ کو یہ اجازت کس نے دی ہے کہ ہمارے وسائل کی لوٹ کھسوٹ کریں اور نام نہاد ترقی کے راگ الاپتے رہیں۔''

• نواب مری نے سردار اختر مینگل سے بعداَز رہائی ایک حالیہ ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اُن سے کہا کہ سب سے پہلے اس بنیادی مسٔلہ کی شناخت اور سبب قوم کو بتائیں کہ بلوچ کیونکر باقاعدگی سے جیلوں میں جارہے ہیں؟ بقول نواب مری ،اختر مینگل نے کہا تھا کہ ''اگر حکومت یہ کرے گی تو پہاڑ والے نیچے آجائیں گے ۔'' نواب مری نے اس موقع پر کہا کہ ''میں نہیں سمجھتا سردار اختر مینگل اوران کے والد بزرگوار کے پاس کونسی جادوئی طاقت ہے کہ وہ پہاڑوں میں بیٹھے لوگوں کو غیر مسلح کرا دیں گے، کیونکہ بی این پی مینگل پہاڑوں پر اکثریت نہیں رکھتی، خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ بی این پی نہیں ہے جو پہاڑوں پر لڑنے والوں کو اسلحہ، کمک اور پیسہ فراہم کر رہی ہے۔''

• نواب مری جو کہ مرغے لڑانے کے حوالے سے کافی مشہور ہیں،آج کل زیادہ تر وقت انٹرنیٹ براؤزنگ پر گزارتے ہیں۔

• فیڈریشن کے عدم اعتماد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ''ہم پر ایک ایسی کلاس کی حکمرانی ہے جو دلیل، منطق ،تاریخ، زمینی حقائق اور جمہوری کلچر سے نابلد ہے اور کسی چیز کو تسلیم بھی نہیں کرتی ہے، وہ صرف ایک زبان جانتی ہے اور وہ ہے تشدد کی زبان! بلوچ اپنی گلزمین پر حاکمیت چاہتا ہے لیکن یہ ریاست ہماری اس دلیل سے قائل نہیں ہوتی ۔ہمارے آباواجداد اسی زمین پر پیوستِ خاک ہیں،انہوں نے غربت اور سختیاں برداشت کیں لیکن اپنی گلزمین کو نہیں

چھوڑا۔اب حکمران یہاں آ کر کہتے ہیں کہ وہ ہمیں ترقی دیں گے۔دراصل وہ ہمارے شہروں کی آبادی بڑھانا چاہتے ہیں۔ہمارا موقف یہ ہے کہ کیا ہم خود کو ترقی نہیں دے سکتے ہیں؟ جب ریاست ہماری اس مدلل بات کا جواب نہیں دے سکتی تو ہمارے خلاف بے پناہ اندھی طاقت استعمال کرتی ہے۔میں جمہوریت کے حامی لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اس ریاست نے بنگالی لوگوں کے ساتھ کون سے ظلم نہیں کئے! دوسری جانب ریاست الزام تراشی پہ اتر آئی ہے کہ بلوچ باغی ہیں اور بیرونی دنیا سے پیسہ اور کمک حاصل کر رہے ہیں۔

• نواب مری کے مطابق اندرونی و بیرونی عوامل نے بلوچ قومی تحریک کو غیر فعال بنا دیا اور تحریک اپنے ہدف یا منزل کو حاصل نہ کر سکی تو اس کی ایک بنیادی وجہ یہی ہے کہ بلوچ ایران اور افغانستان کے ماتحت ہیں اور وہ سیاسی میدان میں کم آگاہی رکھتے ہیں، جبکہ ان کی نسبت سے ان کے ہم عصر بلوچ بھائی جو پاکستان کے زیرِ نگیں ہیں، ان میں زیادہ سیاسی شعور و ادراک ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بلوچوں کی ایک بڑی تعداد اپنی آزادی سے مکمل بے خبر ہے۔بہت سوں نے اپنی آزادی اور وفاداریاں اونے پونے بیچ دی ہیں۔

• بیرونی محاذ پر نواب مری کا کہنا ہے کہ بلوچوں کی تحریک کو سامراج، امریکہ نے بہت نقصان پہنچایا ہے جو برطانوی سامراج کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔امریکہ چاہتا ہے کہ دنیا بھر کے لوگ محتاج ہوں۔امریکہ آزادی کا دشمن ہے۔مظلوم عوام کی تحریک کو جس طرح کا شدید نقصان بیرونی عوامل نے پہنچایا ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔گوادر پورٹ کی مثال دیتے ہوئے نواب مری نے کہا کہ بلوچوں کو گوادر پورٹ سے بے دخل کرنے کا مشورہ امریکہ نے ہی حکومتِ پاکستان کو دیا تھا کہ انہیں (بلوچوں کو) ملکیت سے محروم کرو اور انہیں محض شیئر (حصہ داری) دو۔

''ہم نے انہیں (امریکہ کو) تنبیہ کہ آپ گوریلہ جنگ نہیں جیت سکتے، اس بات سے قطع نظر کہ یہ جنگ کس حد تک جائز یا ناجائز ہے، آپ مداخلت نہ کریں، ہم (بلوچ) صرف شیئر پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنی سرزمین اور اپنے وسائل پر مکمل حقِ حاکمیت چاہتے ہیں۔''

• جب نواب مری سے استفسار کیا گیا کہ بلوچ تحریک کے کون سے رہنما انہیں سب سے زیادہ یاد آتے ہیں؟ تو انہوں نے کہ کہ مجھے وہ لوگ یاد آتے ہیں جنہوں نے بلوچ کاز کے لئے اپنی جانیں وقف کی ہیں.....(ان کا اشارہ اپنے شہید بیٹے نوابزادہ بالاچ مری کی طرف تھا، جنہیں گزشتہ برس نومبر میں پُراسرار طور پر شہید کر دیا گیا).....اس کے

بعدنواب صاحب کی آنکھیں نم ہوگئیں۔وہ تین سے چار منٹ خاموش رہے۔ایک وقفے کے بعدانہوں نے اپنی بات چیت جاری رکھتے ہوئے کہا؛''ہم ماضی میں کہتے تھے کہ بلوچ بہادرلوگ ہیں اور وہ روتے نہیں ہیں لیکن انسان کی زندگی میں کچھ ایسے درد ہوتے ہیں جن پر آنسو روکنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

• موجوہ سیاسی حالات و واقعات کا جہاں تک تعلق ہے،اس پر نواب مری کا کہنا ہے کہ''سرکار جعلی اور مصنوعی لوگوں کو حقیقی نمائندوں کے طور پر منوانا چاہتی ہے،جن میں ذوالفقار مگسی بطور گورنر اور وزیراعلیٰ نواب محمد اسلم رئیسانی شامل ہیں،گوکہ یہ دونوں حضرات بلوچ گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن دونوں پاکستان کے تنخواہ دار ہیں۔''

• نواب مری کا کہنا ہے کہ اُن کی ایک خواہش ہے کہ اُن کو تاریخ ،گلزمین کے حقیقی فرزند کے طور پر رقم کرے۔تاہم وہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھار مجھے شرمندگی کا ایک احساس اپنے حصار میں جکڑ لیتا ہے کہ میں نے بلوچ گلزمین کے لئے کچھ نہیں کیا؛''میں نے اور میرے بچوں نے اگر گلزمین کے لئے کچھ کیا بھی ہے تو وہ ایک معمولی سا حصہ ہے،حقیقت یہی ہے کہ ہم سب بلوچ گلزمین کے قرضدار ہیں!!''

آزادی کاروبار نہیں ہے!

قومی تحریک میں خواتین کے کردار کو فعال بنانا ہوگا

انٹرویو : نرگس بلوچ

ذریعہ : روزنامہ انتخاب

اشاعت : 3اپریل2009ء

آپ کیا چاہتے ہیں؟

میں بلوچ قوم اور ملک کی آزادی چاہتا ہوں، ساری انسانیت کی آزادی چاہتا ہوں۔

آپ نے 1956ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی سے اپنی سیاست کا آغاز کیا۔1956ء، 1962ء اور 1970ء کے انتخابات میں کامیاب بھی ہوئے، اب آپ پارلیمانی سیاست کے مخالف ہیں، جبکہ تینوں مرتبہ آپ نے

پاکستان سے وفاداری کی سوگند کھائی؟

میں مغربی پاکستان کی اسمبلی کا ممبر رہا..... ہاں اسے آپ نادانی کہہ سکتے ہیں۔ پارلیمانی سیاست محض ایک دکھاوا نظر آئی، جمہوری کہیں نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو بنگلہ دیش نہ بنتا۔ عمر کے اُس حصے میں شاید اتنا شعور بھی نہیں تھا۔ جوں جوں سمجھ آتی گئی محسوس ہوا کہ راستے بالآخر ایک گھڑے میں جاتے ہیں۔ شعور یا بیداری (کے باعث) قومی رویہ بڑھتا گیا۔ میں پارلیمانی سیاست سے دور ہوتا گیا۔ قبائلی سطح پر بھی مجھے محسوس ہوا کہ پارلیمانی سیاست بلوچ کے حق میں نہیں ہے۔ جب جب میں اسمبلی میں رہا، پاکستان کے ساتھ میری گڑ بڑ ساتھ ساتھ چلتی رہی، جلسہ جلوس بھی ہوتا رہا .....قبائلی حیثیت سے میں اسمبلی پہنچا۔ نادانی کہہ لیں یا شعور نہیں تھا کہ حلف کے نام پر 'سوگند' اٹھا رہا ہوں۔ پھر جیسے جیسے قدم رکھتے گئے، سمجھتے گئے کہ یہ ہماری راہ نہیں ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ کچھ نمازیں قضا ہونے کے بعد احساس ہوا کہ راہ غلط ہے، سورستہ بدل لیا۔ میں اسمبلیوں میں جتنا عرصہ رہا، لڑتا جھگڑتا ہی رہا۔ 1958ء سے قبل ہی تیل کی تلاش کے لئے آئی ہوئی کمپنیز کو تیل نکالنے نہ دینے پر حکومت پاکستان سے جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ کیونکہ ہمارا یہ موقف تھا کہ زیر زمین جتنی معدنیات ہیں، یہ بلوچ کی ملکیت ہیں، لہٰذا ہم کیوں اسے دوسروں کے ہاتھوں فروخت کریں۔

آپ کے خیال میں موجودہ حالات بلوچ جدوجہد کے لئے موافق ہیں؟

بلوچ قوم میں آج بیداری پہلے سے زیادہ ہے، پھر بلوچ قومی جدوجہد بہت تیزی سے آگے جا رہی ہے۔ اب بلوچستان سے نکل کر یہ سلسلہ بیرون ملک بھی پھیلتا جا رہا ہے۔ یوسف عزیز مگسی کے دور میں بھی قومی جدوجہد و بیداری کے حوالے سے کافی کام ہوا۔ پھر یہ کام ہر دور میں کسی نہ کسی حوالے جاری رہا۔ آج ہزاروں لاکھوں بلوچ، بلوچستان کی قومی تحریک میں جس جوش و جذبے کا اظہار کر رہے ہیں، شاید ماضی میں ایسا نہیں تھا کہ کچھ سامنے ہیں، کچھ انڈر گراؤنڈ ہیں، مگر کام ہو رہا ہے۔ حالات تو بلوچ کی آزادی کے لئے کبھی موافق نہیں رہے۔ مگر آزادی حاصل کرنے کے لئے حالات، جُہدِ مسلسل اور انقلابی نصب العین سے موافق بنائے جاتے ہیں۔

آپ کے خیال میں بلوچ پارٹیوں اور شخصیات کی کمزوریاں کیا ہیں؟

ڈر، خوف اور نادانی ایسی چیزیں ہیں، جنہوں نے بلوچ سیاست کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ لالچ اور ذاتی مفاد اس کے علاوہ ہیں۔ شخصیات نیشنلزم کی فکر سے متصادم ہیں اور قربانیاں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جبکہ بعض سیاسی جماعتیں، ذاتی و گروہی مفادات اور باہمی رنجشوں کا شکار ہیں۔

بلوچ قومی تحریک عالمی حمایت کے بغیر جاری ہے، اس پہلو پر توجہ کیوں نہیں دی گئی؟

میں نہیں سمجھتا کہ بلوچ قومی تحریک کو بین الاقوامی ضمانت یا حمایت کی کوئی خاص ضرورت ہے، اس کے بغیر بھی قومی تحریک آگے بڑھے گی۔ دیکھئے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی سکھانے والا آئے گا، تو ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں ہزاروں آزادی پسند قوتیں آئی ہیں اور کیا کیا انقلاب لائی ہیں۔ تاریخ کے اوراق اس سے بھرے پڑے ہیں..... قومی انقلاب، طبقاتی انقلاب! ہم بین الاقوامی حمایت کی ضرورت کیوں محسوس کریں۔ ہاں' دیکھنا ہے تو بین الاقوامی سطح پر دنیا کے لوگوں کو دیکھیں، پڑھیں، پرکھیں، سب کچھ خود بخود واضح ہوتا جائے گا..... میں خود بھی جیسے جیسے دیکھتا گیا، سمجھتا گیا۔ حالات میرے سامنے کھلی کتاب بن گئے۔ آج بہت سے بلوچ کہتے ہیں کہ انہیں کوئی سکھانے والا نہیں ہے۔ ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ دنیا میں بڑے بڑے انقلاب آئے، کسی نے ان قوموں کو انگلی پکڑ کر کچھ نہیں سکھایا..... آزادی پسند قوتیں جذبے سے بنتی ہیں، سیکھنے یا سکھانے سے نہیں۔

جہاں تک بات بلوچ قومی تحریک کی 'عالمی حمایت' کی ہے تو میرا خیال ہے کہ جب تحریک زور پکڑتی ہے تو وہ عالمی سطح پر خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ ہم کسی عالمی حمایت کی طرف مدد طلب نظروں سے کیوں دیکھیں..... پھر آج میڈیا کا دور ہے، جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ آج بلوچ کی قومی تحریک صرف بلوچستان یا کراچی میں زور نہیں پکڑ رہی ہے بلکہ یورپ میں بھی، خلیجی ممالک، برطانیہ، امریکہ، فرانس اور دیگر ممالک میں بھی جگہ جگہ بلوچ آزادی کے حق میں آواز بلند کر رہے ہیں۔ اب یہ بات بہت آگے جا چکی ہے۔

آپ کے نزدیک اس وقت کون سی جماعت یا تنظیم کی سیاست درست سمت میں جا رہی ہے؟

میرے خیال میں بلوچ نیشنل فرنٹ (بی این ایف)، بلوچ خواتین پینل اور بھی بہت سے مرد و خواتین ہیں جو انڈر گراؤنڈ کام کر رہے ہیں۔ جن کی جدوجہد قومی آزادی کے لئے مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ بعض پارٹیاں جو نیشنلسٹ ہونے کی دعویدار ہیں لیکن ان کا وژن نیشنلزم کی سمت درست نہیں ہے۔

آپ نے اُسی برس کی عمر میں جو کھویا وہ بتائیں، کیا پایا وہ بھی بتائیں؟

میں تو پیدا ہی 'کھویا ہوا' تھا۔ پہلے انگریز کی رعیت میں تھے۔ آج کل امریکہ اور پنجابی و فارسی گجر ہمارے گرد گھیرا تنگ کئے ہوئے ہیں۔ ہاں، آج بلوچ قوم میں جو بیداری دیکھ رہا ہوں، یہی میرا حاصل حصول ہے۔

آپ کو جواں سال صاحبزادے میر بالاچ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا..... اس کی تفصیلات بتانا پسند کریں

گے؟

مجھے اب تک درست تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔ جو معلوم ہیں، وہ میں بعض وجوہات کے باعث زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھتا۔ ہاں میں نے بھی اخبارات سے پڑھا اور دیگر ذرائع سے سنا تھا کہ نیٹو فورسز کے قافلے پر شبہات تھے یا کوہلو، یا سرلٹھ میں حملہ ہوا تھا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ بالاچ کا نام ہر وقت اُن کو کھٹکتا تھا، اس لئے اسے راستے سے ہٹایا گیا۔

نواب خیر بخش مری اپنے قبیلے کے ہزاروں افراد کے ساتھ افغانستان گئے اور پھر پاکستانی فوج کے طیارے میں واپس آ گئے، اس کی تفصیلات بتانا پسند کریں گے؟

میرے افغانستان جانے کے بعد بلوچوں کی بڑی تعداد میرے پاس آئی۔ وہ میڑھ لے کر آئے کہ میں واپس بلوچستان چلوں۔ پھر اس وقت کے وزیر اعلیٰ تاج محمد جمالی بھی آئے۔ ان کے ہمراہ میرا بیٹا بھی تھا۔ جمالی، رئیسانی قبائل کے علاوہ پٹھانوں کے نمائندے بھی تھے جو بضد تھے اور مجھے قبیلے سمیت واپس لے جانا چاہتے تھے۔ میں واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ میرے ساتھ مری بلوچ اور کچھ دیگر قبائل کے لوگ بھی تھے۔ میں چاہتا تھا کہ ان سب کے ساتھ رہ کر آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کروں۔ میں نے کبھی کسی کی مدد نہیں لی۔ میں افغانستان حکومت کے پاس گیا کہ آپ ہمیں رہنے کی اجازت دے دیں۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ہم انہیں انکار نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنے لوگوں کو چھوڑ کر کہیں اور جانا مناسب نہیں سمجھا۔ یوں مجبوراً واپس آنا پڑا..... جہاں تک سی ،ون تھرٹی جہاز میں آنے کا سوا ہے تو میں نے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ جہاز میں وہ خود سوار ہو کر آئے تھے۔ میرے لئے کوئی گھوڑا بھی لاتے تو میں اس میں بھی بیٹھ کر چلا آتا۔

اُن دنوں افغانستان میں ایسی حکومت تھی جس سے ہمارے لوگوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا، اور پھر بلوچستان میں لوگ ہمارے لئے فکر مند تھے، جلسے اور جلوس بھی کر رہے تھے۔ افغانستان میں جب اس وقت کی قومی حکومت کا تختہ پاکستان کی مدد سے مجاہدین کے ذریعے بدلنے لگا تو بلوچستان میں ہمارے مزاحمتی بلوچوں کے بارے میں تشویش شدت اختیار کر گئی۔ جگہ جگہ احتجاج اور جلسے جلوس ہو رہے تھے۔ اس تشویش کے نتیجے میں حکومت میں شامل اور دیگر بلوچ ہمارے پاس کابل میڑھ لے کر آئے کہ ہم واپس بلوچستان چلیں۔ دگرگوں حالات کی وجہ سے مجبوراً ہمیں بھی واپسی کی حامی بھرنا پڑی۔ پاکستان سے جو لوگ جس جہاز میں آئے تھے، ہمیں بھی اسی جہاز میں ساتھ بلوچستان

لائے۔ہم نے کوئی سی،ون تھرٹی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔وہ لوگ تانگہ گھوڑا لاتے ،تب بھی ہم ان کے ساتھ ہوتے۔ہمارا واپس آنا غلطی یا مجبوری ہوسکتا ہے،لیکن ہمارے واپس آنے کو سی،ون تھرٹی سے جوڑنا کچھ عجیب لگتا ہے۔

بلوچ قومی تحریک میں آپ خواتین کے کردار کو کس انداز سے دیکھتے ہیں؟مستقبل میں،آپ کیا سمجھتے ہیں کہ بلوچ خواتین کو اپنا کردار اس تحریک میں کس انداز میں نبھانا ہوگا؟

مجھے خواتین کے تحریک میں شامل ہونے کی بات ذاتی طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔تحریک میں شامل ہونے کے بعد لازم ہے کہ دوسرے مراحل بھی درپیش ہوسکتے ہیں۔لیکن کسی بھی قومی تحریک میں خواتین کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ خواتین قوم کا باقاعدہ حصہ ہیں،ان کا کردار بہت اہم ہے۔آج بھی بلوچ خواتین کا بلوچ قومی آجوئی کی جہد میں بہت بڑا کردار ہے جو کہ قابل ستائش ہے۔وقت اور حالات کے ساتھ یقیناً فعال اور مضبوط ہوگا۔

بلوچستان کے وسائل لوٹنے کی بات کرتے ہیں.....اس کا الزام بھی دوسروں پر عائد کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف بلوچستان کے چند نامور قبائل کی ملکیت جو معدنی دولت مثلاً سنگِ مرمر کی مختلف اقسام،کرومائیٹ ،اور گرینائیٹ و دیگر معدنیات ،انہیں روزانہ ہزاروں ٹن ٹرکوں کے ذریعے کراچی پہنچایا جارہا ہے۔یہ سب کاروبار بلوچوں کی اپنی نگرانی اور رضامندی سے ہورہا ہے۔یہ دوہرا معیار نہیں ہے؟

ہاں ،اس میں دولت مدنظر ہے۔ان قبائل کے سربراہوں اور کاروبار کرنے والے بلوچوں کو خاصی بڑی آمدنی ہورہی ہے جبکہ وہ سستے داموں اپنے وسائل نیلام کررہے ہیں۔مجھے افسوس ہے کہ جو نمایاں شخصیات عوام الناس کے سامنے جذباتی تقاریر کرتی ہیں،ساحل و وسائل کی بات کرتی ہیں،وہ خود اس کاروبار میں ملوث ہیں۔اپنے وسائل نکال نکال کر،قیمتی پہاڑوں کو کاٹ کر جس تیزی کے ساتھ کراچی اور پھر کراچی کا سیٹھ دوسرے ممالک میں پہنچا رہا ہے ،وہ بے دردی میں دیکھ رہا ہوں اور اس میں بہت تیزی اس وجہ سے بھی آگئی ہے کہ جو لوگ ایک طرف تو (پارلیمانی) سیاست کررہے ہیں،دوسری طرف قومی تحریک کے حوالے سے جذباتی تقاریر بھی کررہے ہیں،وہ سمجھ رہے ہیں کہ اب بلوچوں میں بیداری آگئی ہے،اس لئے اس سے پہلے کہ وہ ہمارا راستہ روکیں،ہم جتنا مال منتقل کرسکتے ہیں،کرلیں۔یہی وجہ ہے کہ کراچی ،کوئٹہ آر سی ڈی شاہراہ پر ماربل،کروم،گرینائیٹ سے لدے ٹرکوں کی قطاریں بڑھتی چلی جارہی ہیں۔اور جیسا کہ آپنے بھی کہا کہ ان سب کی ملکیت بلوچ قبائلی سربراہوں کے پاس ہے یا دیگر بلوچ اس کے مالک ہیں،ان کی اجازت کے بغیر کوئی ہمارے وسائل کو کم ازکم اس انداز سے نہیں لے جاسکتا۔یہ لوٹ کھسوٹ تو ہم خود کر

رہے ہیں۔

مجھے تو افسوس ہے کہ وہ لوگ جو (پارلیمانی) سیاست بھی کر رہے ہیں، قومی تحریک، حقِ ملکیت اور آزادی کی بھی بات کر رہے ہیں، پھر اپنے وسائل خود اپنے ہاتھوں سے پنجابی کے حوالے بھی کر رہے ہیں، یہ کھلی منافقت ہے۔ یہ بیک وقت دو، راہوں پر چلنے والے سوداگر ہیں۔ ایسے لوگوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ بلکہ یہ قومی فریضہ ہے..... میرے حوالے سے بات اگر میڈیا میں جائے گی تو کہا جائے گا کہ خیر بخش مری ہماری دشمنی میں یہ باتیں کر رہا ہے۔ جبکہ اب یہ بات صرف میری نہیں، ہر باشعور بلوچ کی زبان پر ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ لوگوں میں بیداری آچکی ہے، وہ جھوٹ، منافقت اور سچائی کے فرق کو واضح طور پر دیکھ اور محسوس کر رہے ہیں۔

مجھے اب جماعتوں پر بھی حیرت ہوتی ہے جو ایک طرف تو آئے دن گوادر میں، کراچی میں، کوئٹہ میں، جلسے، میٹنگیں، پریس کانفرنس کر رہے ہوتے ہیں، اور کہہ رہے ہوتے ہیں کہ پنجاب کی بالادستی نہیں مانتے یا یہ کہ بلوچستان کے ساحل پر غیر مقامیوں کو آباد نہیں ہونے دیں گے، یا پھر یہ کہ مادرِ وطن کے وسائل کو کسی نے میلی آنکھ سے دیکھا تو اس کی آنکھیں نکال دیں گے..... تو دوسری طرف ان کی اپنی جماعت کے قائدین وہ سارے عمل کر رہے ہوتے ہیں جن کے خلاف نعرے بازی و بیان بازی کے لئے یہ گماشتے اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسی پیڑ کو کاٹ رہے ہیں جس پر ان کا ٹھکانہ ہے۔ یہ جماعتیں کیا کھیل کھیل رہی ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ وسائل کو بیچ بھی رہے ہیں اور یہ وسائل کو محفوظ رکھنے کی بات بھی کرتے ہیں۔ انہیں ایک راہ اپنانی ہوگی۔ یہ ان کے ذاتی فوائد ہیں، جو وہ وسائل کو بیچ کر حاصل کر رہے ہیں۔ قوم کو مجموعی طور پر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہاں، چند چھوٹے سرمایہ دار، صنعتکار بنتے جا رہے ہیں۔ بس بلوچوں کو بے وقوف سمجھ کر اپنا کام کر رہے ہیں۔ یہ کوئی بلوچ قومی نظریہ نہیں ہے۔..... آزادی..... آزادی..... کاروبار نہیں ہے!

پھر وہ جماعتیں بھی جو بلوچ قومی تحریک کی بات بھی کرتی ہیں اور صوبائی خودمختاری کا نعرہ بھی لگاتی ہیں، پارلیمنٹ کی سیاست بھی کرتی ہیں اور بلوچستان کے مسائل کا حل مذاکرات میں تلاش کرنے کی رائے بھی دیتی ہیں، انہیں سمجھنا ہوگا۔ اب فیصلہ کر لینا چاہئے کہ دو کشتیوں کا سوار رہنے کی بجائے وہ اپنے لئے ایک کشتی منتخب کر لیں۔

بلوچستان کی آزادی سے کم کسی چیز پر بات کرنا حقیقت کے خلاف ہے۔ کم از کم میری ناقص رائے تو یہی ہے۔..... کہتے ہیں کہ بلوچستان کی آزادی کی بات کرنا پاکستان توڑنے مترادف ہے۔ پاکستان ہے کہاں؟ پاکستان تو

اسی وقت ٹوٹ چکا تھا جب بنگلہ دیش بنا تھا، لہٰذا بلوچستان کو آزاد ریاست بنانے کی کوششیں 'پاکستان توڑنا' نہیں۔ ہم پنجاب کو نہیں توڑ رہے ہیں۔ جو لوگ صوبائی خودمختاری کی بات کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دکانداری اسی سے چل رہی ہے۔ ایسے لوگوں سے میری گزارش ہے کہ وہ بلوچستان کے وسائل کو بیچنا چھوڑ دیں۔ وہ سیاست کی آڑ میں بلوچوں کے وسائل کو بیچتے جا رہے ہیں۔ تمام معدنیات لوٹی جا رہی ہیں۔ پٹرول اگر ان کے بس میں ہوتا، تو وہ بھی دشمن کو دے دیتے۔ سیندک کو بھی لوٹا جا رہا ہے..... یہ وہ لوگ ہیں جو اخباری بیانات اور جلسہ جلوسوں کے ذریعے نیشنلزم کے نام پر سادہ لوح بلوچوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

غلامی کے جبر میں بلوچ میڈیا کیا کر سکتا ہے اور کس طرح اپنے کاز کو آگے لے جایا جا سکتا ہے؟

مجھے تو 'بلوچ میڈیا' کہیں نظر نہیں آتا۔ کہیں پاکستان، کہیں معتبرین..... یہ 'کاروباری میڈیا' ہے۔ نام کے بلوچ ہیں، کردار ان کے بلوچوں جیسے نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے، انہیں وقت سکھائے گا، لوگ سکھائیں گے..... سوائے چند ایک کے، باقی سب کاروباری ہیں۔ سرکار سے انہیں پیسے، مراعات، بہت کچھ ملتا ہے۔ میں انہیں بلوچ میڈیا نہیں سمجھتا۔ ٹھیک ہے کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوتے رہیں۔ میری نظر میں اکثر بلوچ لیڈر اور میڈیا وہی کردار ادا کر رہے ہیں، ان کے بارے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ خان قلات کے دور میں دہلی دربار سے کچھ لوگ آئے، جن کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان کے وزیر نے بتایا کہ یہ خبریں دینے والے ہیں۔ اس پر خان نے کہا کہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ میراثی ہیں!..... ہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ذرائع ابلاغ میں بلوچ نیشنلزم کے حوالے سے اپنا کردار نبھا رہے ہیں، میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ میڈیا سے وابستہ وہ لوگ جو خود کو 'بلوچ میڈیا' کے دائرے میں سمجھتے ہیں، یا لانا چاہتے ہیں، انہیں اپنے قول و فعل کا جائزہ لینا ہوگا، اپنے کردار کا جائزہ لینا ہوگا۔

یہاں نواب خیر بخش مری نے افریقی قومی دانشور و رہنما کبرال کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ کبرال سے کچھ صحافی و دانشور ملنے آئے، تو انہوں نے کہا کہ جب ہم آزاد ہوں گے تو اِتنا لکھیں گے، اُتنا لکھیں گے..... یہ نہ ہو کہ بلوچ میڈیا اور دانشور اس خیال میں رہیں کہ جب ہم آزاد ہوں گے تو قومی تحریک کے حق میں اِتنا لکھیں گے، اُتنا لکھیں گے..... ہاں، اگر اب سمجھ آ گئی ہے، شعور آ گیا ہے تو آگے آئیں، اپنا کردار ادا کریں۔ غلامی کے جبر کی پرواہ نہ کریں، اس کی آڑ نہ لیں۔ آخر ہزاروں، لاکھوں بلوچ بھی تو قومی تحریک میں اپنا کردار کسی نہ کسی طرح ادا کر رہے ہیں۔ لکھنے والے، پڑھنے والے، سب حقائق کو سامنے لائیں۔ کسی پنجابی کے آگے سر نہ جھکائیں۔ آج ٹیکنالوجی کا دور ہے، دنیا

بہت ایڈوانس ہو چکی ہے، جو کام سالوں میں ہوتا تھا، اب مہینوں اور دنوں میں ہو رہا ہے۔ لوگوں میں بیداری آ رہی ہے۔ میڈیا کے ذریعے، قلم کے ذریعے سچ کو سامنے لائیں۔ زیادتیوں کو کھل کر بیان کریں۔ خود بلوچ قوم میں جو منافقت کرنے والے گروہ یا سیاسی جماعتیں ہیں، ان کے بارے میں بھی کھل کر لکھیں۔ جتنا اس کا زکو آگے لے جا سکتے ہیں، لے جائیں۔ قوم کو بتائیں کہ یہاں الیکشن نہیں ہوتے، یہ کنٹرولڈ الیکشن ہیں، یہ غلام اسمبلیاں ہیں۔ یہ باتیں لوگوں کو بتائیں۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ منزل ایک ہے، راہیں جدا جدا ہیں۔ کوئی کہتا ہے آزادی، دوسرا کہتا ہے صوبائی خودمختاری۔ کوئی بندوق کی بات کرتا ہے، کوئی مذاکرات کے ذریعے حل چاہتا ہے۔ بلوچستان کی قومی تحریک کے حوالے سے الگ الگ موقف رکھنے والوں کی منزل ایک ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ بلوچ قومی تحریک کی منزل صرف اور صرف آزادی ہے۔ وہاں صوبائی خودمختاری یا کسی سے مذاکرات کا سوال ہی نہیں ہے۔ میڈیا اس فرق کو واضح کرے۔ میڈیا اس منافقت کو سامنے لائے کہ جلسے جلوسوں میں تو بلوچستان کے مسائل وحقِ حاکمیت کی باتیں کی جاتی ہیں جبکہ پسِ پردہ خود وسائل کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر غیر کے حوالے کیا جاتا ہے۔

آپ اس انٹرویو کے توسط سے بلوچستان کے عوام کو کیا پیغام دینا چاہئیں گے؟

میں تو خود بہت غلطیاں کر چکا ہوں۔ مگر جونہی احساس ہوا، شعور آ گیا، غلطی کا احساس ہوا، میں نے پارلیمانی سیاست چھوڑ دی، آج میں کیا پیغام دے سکتا ہوں، کہیں گے کہ خیر بخش مری ہمیں سبق پڑھا رہا ہے۔ لیکن پھر بھی میں کہوں گا کہ بلوچستان کے عوام کے پاس وقت کم رہ گیا ہے۔ یہی پندرہ بیس سال ہیں۔ بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ تحریک زور پکڑ چکی ہے۔ اسی طرح بلوچ دشمن عناصر بھی سرگرمِ عمل ہو چکے ہیں۔ جس تیزی سے بلوچستان میں مداخلت بڑھ رہی ہے، اگر اس سیلاب کو نہ روکا گیا تو پھر اقلیت میں تبدیل ہونے میں کیا دیر لگے گی! گوادر کا رہائشی مہاجر کہلائے گا اور باہر سے آنے والا مالک بن بیٹھے گا۔ اگر دیر کی گئی تو یہ مرض دائمی بن جائے گا۔ غلام پیدا ہوئے تھے، غلامی ہی میں مر جائیں گے۔

آزادی اور صرف آزادی، اگر اس روٹ پر میچ کھیلو گے تو جیتو گے، ورنہ ملک ہارنا پڑے گا۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ وقت کم رہ گیا ہے، یہ چند جماعتیں بھی جو منافقت کی سیاست کر رہی ہیں، جلسہ جلوس کر رہی ہیں، دادا گیری اور بدمعاشی سے کام لے رہی ہیں، بلوچستان کے مسائل اور وسائل کی بات کر رہی ہیں..... کس منہ سے! جو

وسائل اُن کے پاس ہیں،ان کا کیا حشر کر رہے ہیں! میں دانشوروں اور لکھاریوں سے کہتا ہوں کہ ایسی شخصیات اور جماعتوں کے حوالے سے کھل کر لکھیں۔ پڑھے لکھے نوجوان آگے آئیں، کالم لکھیں، کھل کر لکھیں۔ صحافی اپنی رپورٹیں بے دھڑک ہو کر لکھیں۔ قوم کو تصویر کے دونوں رخ دکھائیں۔ میرے ناقص خیال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ موثر اور ٹھوس انداز میں کام کیا جائے۔

پنجابیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں، ان کے لئے ہر ممکن پریشانیاں پیدا کریں۔ سول نافرمانی کریں، ہڑتالیں کریں، ان کی ناک میں دم کر دیں۔ یہاں کوئی پارلیمنٹ نہیں، کوئی جمہوریت نہیں، یہ فوجی کنٹرول سسٹم ہے۔

یہ جدوجہد کا وقت ہے، اسے گنوا دیا تو پھر کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ پنجابی کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ ان کی ملوں کا تیار کردہ کپڑا نہ خریدیں، ان کی تیار کردہ کسی مصنوعات کی طرف نہ دیکھیں۔ وہ دانۂ گندم نہ کھائیں جو پنجاب کی سرزمین پہ اُگا ہے۔ ٹریفک بند کر دیں، جیلوں کو بھر دیں۔ کیا فرق پڑے گا جب آدھی سے زیادہ آبادی جیلوں میں ہوگی۔ یہ کتنے دن رکھیں گے، کتنوں کو روٹی کھلائیں گے!

پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم بلوچ 'ایک قوم' ہیں۔ صوبائی دوستی کو، ملک دوستی نہ بنائیں۔ ہماری منزل آزادی ہے۔ منزل کیا ہے.....منزل تو انسانی منزل ہے.....قومی منزل بھی انڈر گراؤنڈ چل رہی ہے۔ انشااللہ ضرور کامیاب ہو گی۔ بس یہ کہ وقت کم ہے۔ سب کو جلدی کرنی ہوگی۔ اپنا اپنا رول ادا کرنا ہوگا۔ جو ہتھیار نہیں اٹھا سکتا، وہ پنجابی کا بائیکاٹ تو کر سکتا ہے۔ ہاں، اگر دیر کر دی تو بلوچ کے مقدر میں یہی دربدری لکھی ہوگی، کوئی کسی کی گاڑی دھو رہا ہوگا تو کوئی مزدوری کر رہا ہوگا، کوئی ہوٹل میں بیرا گیری کر رہا ہوگا یا کہیں بھیک مانگ رہا ہوگا.....پھر بلوچ رہے تو ضرور مگر با اختیار نہیں ہوگا!

ڈرون حملے ہمارے زخموں کو **کینسر** میں بدل دیں گے

ہمیں پہلے ہی سامراجی گماشتوں کی برپا کی گئی ظالمانہ جنگ نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے

انٹرویو : شاہد حسین

ذریعہ : روزنامہ توار

اشاعت : 4اپریل2009ء

نواب خیر بخش مری صاحب' امریکی صدر اوبامہ نے حال ہی میں بیان دیا ہے کہ وہ بلوچستان میں پوشیدہ طالبان اور القاعدہ کی پناہ گاہوں کے خلاف ڈرون حملوں کی صورت میں آپریشن شروع کر دیں گے اگر امریکہ نے ڈرون حملے کئے تو اس کے کیا نتائج نکل کر سامنے آئیں گے؟

مجھے نتائج کے بارے میں زیادہ پتہ تو نہیں ہے، اس بارے میں نہ ہی میں کوئی پیشن گوئی ہی کرسکتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ لوگ بلوچوں کی اپنے حقوق کے حصول کی جدوجہد کے بارے میں کتنا کچھ جانتے ہیں۔ بلوچ عوام بلوچستان کی آزادی کیلئے جنگ لڑ رہے ہیں۔ سرمچار، اوبامہ کی دھمکی کو کس تناظر سے پرکھ رہے ہیں! ہماری ساری سرزمین، ہمارا وطن، ہماری گل زمین تاراج کی جارہی ہے، بلوچستان جنگ کا میدان بن چکا ہے، ہمارے بلوچستان کے بلوچ علاقے تو پہلے سے حملوں، بمباری سے دوچار ہیں، وہاں روز حملے کئے جارہے ہیں، بم برسائے جارہے ہیں، ہم بلوچستان میں ڈرون حملے نہیں چاہتے۔ اگر اوبامہ ڈرون حملے کرنا چاہتا ہے تو ہم اس پوزیشن نہیں کہ ان حملوں کو روک سکیں۔ ہمیں تو ویسے ہی سامراجی گماشتوں کی ظالمانہ برپا کی گئی جنگ نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ پاکستانی حکومت کی عملی مدد سے ڈورن حملے ہوسکیں گے یا نہیں ہوں گے۔ حالات تو ایسے ہی لگتے ہیں کہ جیسے اس مشہور پرانے قصے کی طرح کہ ایک عرب نے اپنے ایک اونٹ کو تھوڑی سی جگہ دی تو اس نے پورے خیمے پر ہی قبضہ کرلیا۔

کیا یہ بات درست ہے کہ (بلوچستان میں) طالبان کی پوشیدہ محفوظ پناہ گاہیں ہیں؟

مجھے نہیں معلوم اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو بھی میں اس پر بات نہیں کرتا میں کسی انٹیلی جنس ادارے کیلئے کام نہیں کررہا۔

اگر کسی طرح طالبان کی چھپی ہوئی پناہ گاہوں پر بلوچستان میں حملے ہوئے تو پاکستان اور امریکہ کے باہمی تعلقات کس حد تک خراب ہوں گے، ان کے تعلقات پر یہ ڈرون حملے کیا اثر ڈال سکیں گے؟

میں واقف نہیں کہ مالک اور غلام کے درمیان کس حد تک حالات کو یہ ڈرون حملے متاثر کرسکیں گے۔ کیا مالک اپنے غلام کا مواخذہ کرے گا؟ الزام لگائے گا یا گوشمالی کرنے کیلئے اس سے جھگڑا کرے گا!۔

بلوچستان کے وزیراعلیٰ محمد اسلم رئیسانی نے امریکہ کو وارننگ دے کر کہا ہے کہ اگر بلوچستان کے اندر ڈرون حملے ہوئے تو ان حملوں سے اوبامہ انتظامیہ کی عالمی ساکھ کو دھبہ لگنے کا اندیشہ ہے یا اس کے مترادف ہے۔ آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

ہمیں تو ویسے بھی فوجی جارحیت سے پیسا جارہا ہے۔ پاکستان کو جو اسلحہ دیا گیا ہے کہ وہ جاکر ان اسلحوں کو القاعدہ اور طالبان کے خلاف لڑکر استعمال کرے، وہ ان ہی اسلحوں کو ہم بلوچوں پر استعمال کررہا ہے۔ میں پورے یقین سے آپ کو نہیں بتا سکتا کہ بلوچستان کے اندر ڈرون حملوں کے کیا اثرات مرتب ہوں گے، اس کے نتائج کیا نکلیں

گے، میرے خیال میں یہ انتہائی تباہ کن ہوگا۔لیکن یہ بات میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ کتنی حد تک تباہی لائے گا۔ہم لوگوں کے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ ایک طرف ہم امریکہ کے ساتھ اور دوسری جانب اس کے غلام پنجابیوں سے اپنا دفاع کریں۔ہم تو خود کو بے مددگار محسوس کررہے ہیں۔ہمیں امریکہ کے افغانستان پر حملہ کرنے سے سبق سیکھنا چاہئے ۔میں فقط یہ کہہ سکتا ہوں کہ امریکہ کی یہ اضافی یورش ہمارے زخموں کو کینسر میں بدل دے گی۔جہاں تک رئیسانی کا تعلق ہے، وہ جھوٹ بول رہا ہے۔اس کے خیال میں بلوچستان کے لوگوں کی یاداشت کمزور ہے۔میرا نہیں خیال کہ اسے بلوچوں میں کوئی مقبولیت حاصل ہے، نہ ہی وہ بلوچوں کا کوئی مسئلہ حل بھی کرسکتا ہے۔وہ تو اس بات سے ہی انکاری ہے کہ بلوچستان میں بلوچوں پر کوئی فوجی کاروائی بھی ہورہی ہے۔اسے تو پاکستان مسلم لیگ ن کے لیڈر نواز شریف سے بات چیت سے فرصت نہیں۔اس کے بیانات جھوٹ کے پلندے کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں۔ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ خود امریکی انتظامیہ نے واشنگاف الفاظ میں انکشاف کردیا ہے۔صاف صاف الفاظ میں بتادیا ہے کہ القاعدہ اور طالبان کے خلاف ڈرون حملے پاکستان کی مرضی اور منظوری سے پاکستان کے اندر ہی سے ہورہے ہیں۔

آپ کے صاحبزادے حیربیار مری نے UNHCR افسر جون سولیکی کے اغواء کاروں سے اپیل کی ہے کہ وہ اسے رہا کریں۔کیا آپ بھی اس طرح کی اپیل کریں گے؟

میں کوشش کررہا ہوں کہ معاملہ کچھ لینے اور کچھ دینے پر طے ہو کہ بدلے میں ہمارے کچھ لوگ بھی واپس دیے جائیں۔جانتے ہیں کہ پاکستانی حکومت ہمارے تمام لوگوں کو رہا نہیں کرے گی لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی حد تک اس سلسلے میں اس قابل ہوں گا کہ میں جان سولیکی کے اغواء کاروں کو مطمئن کرسکوں گا۔پوری بلوچ قوم کو ان کے گھروں سے پکڑ کر دربدر کردیا گیا ہے۔ہمیں مجبور کردیا گیا ہے ہم پہاڑوں پر جا کر بسیرا کریں۔جب سے پاکستان نے قلات قبضہ کیا ہے تب سے ہمیں اپنے قدرتی وسائل اور معدنیات سے محروم کردیا گیا۔اپنے وسائل کو ہم اپنا کہہ نہیں سکتے۔بلوچوں کی لاشوں کو فضا سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے نیچے پھینک رہے ہیں۔یہ خود کو مسلمان کہتے ہیں' انہوں نے ہماری خواتین کو جنسی غلام بنادیا ہے۔انہوں نے یہی حرکتیں بنگلہ دیش کے عوام کے ساتھ روا رکھیں اور کہا کہ ہم ان کی پوری نسل کو خراب کردیں گے۔آج ہم لوگوں نے اسلحہ اٹھالیا ہے، مسلح جنگ جاری ہے۔اب وقت آگیا ہے ہم اپنے اسلحہ جات کو مزید مستقل کرکے ان کو زیادہ مہارت اور برجستگی سے استعمال کریں۔

بیرونی امداد نہیں، اپنے **زورِ بازو** پہ بھروسہ ہے!

کبھی کبھی ڈر لگتا ہے کہ آزاد بلوچستان کے مالک امیروں کے بچے نہ بن بیٹھیں

انٹرویو : وسیم بلوچ

حوالہ : ہفت روزہ مزدور جدوجہد

اشاعت : 18 تا 24 مارچ 2010

بلوچستان کا مستقبل آپ کو کیا دکھائی دیتا ہے؟

ہماری کامیابی یقینی ہے۔جلد یا بدیر بلوچستان آزاد ہوگا۔بہت جلد تو بہر حال نہیں لیکن جدوجہد تیز تر کرنے کی ضرورت ہے۔

15 جنوری 2010ء کے بعد بلوچستان میں ایک اپ رائزنگ کی کیفیت دیکھی جارہی ہے۔آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

محسوس تو کئی چیزیں کررہا ہوں۔نہیں جانتا کہاں تک محدود رکھوں۔جو ہم چاہتے ہیں'وہ' دینا نہیں چاہتے۔ وہ روکنے کے لیے مارنے پر یقین رکھتے ہیں۔انہیں ماننا پڑ رہا ہے کہ انسرجنسی (اندرونی بغاوت) ہے۔ایسے ہر واقعہ سے وہاں (بلوچستان میں) حدت بڑھتی ہے۔بلوچوں میں گرمائش بڑھتی ہے تو اُن کا جبر بھی بڑھتا جاتا ہے۔وہ چُن چُن کر بھی مار رہے ہیں اور اندھا دھند ماس کلنگ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔علی مدد اور صدام جیسے نہتے بچوں پر گولیاں چلائیں گے تو بلوچوں سے کس ردعمل کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ جنگی جرائم کررہے ہیں۔کوسوو میں شاید سات آٹھ ہزار لوگ قتل کیے گئے تھے اور دنیا میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ایسے واقعات سے ناپاکوں نے یہ سبق سیکھا کہ غائب کر کے مانتے ہی نہیں۔کہتے ہیں خود غائب ہوگئے، دوبئی یا افغانستان چلے گئے۔آٹھ ہزار ہیں یا دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ۔خدا جانے کتنوں کو مار چکے ہیں۔غائب کرو، ختم کردو اور شکست دو یہ ان کی پالیسی ہے۔مجھے ڈر ہے یہ (بلوچوں کو) ختم کررہے ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ غائب کئے گئے اکثر بلوچ اب زندہ نہیں رہے؟

مجھے شک ہے کہ وہ جو غائب کیے گئے ہیں مار ہی ڈالے گئے ہیں کیونکہ وہ ان کے حوالہ سے جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ راولپنڈی کے نواحی علاقوں میں اُنہیں دفن کیا گیا ہے؟

کچھ ایسے قبرستانوں کا ذکر ہوا تو ہے۔کسے کہاں دفن کیا مجھے معلوم نہیں۔بنگلہ دیش کے واقعات سے اُنہوں نے یہ سبق سیکھا کہ اب غائب کرتے ہیں ہلہ نہیں بولتے، سلیکٹو ایکشن کرتے ہیں۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غائب کئے جانے کے اس عمل سے بلوچ قوم اپنے بہترین لوگوں سے محروم ہوتی جا

رہی ہے؟

آگ لگتی ہے تو خشک وتر، پھلدار اور بے پھل سبھی کو نگلتی ہے۔ کہیں شعور کم ہے لیکن وہ بھی مر رہے ہیں۔ بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں سب ان کا نشانہ بن رہے ہیں۔ خوف و ہراس پھیلا کر وہ لوگوں کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شائد سمجھتے ہیں کہ ایسے کامیاب ہو جائیں گے لیکن نہیں ہوں گے۔

جبراً غائب کئے گئے بلوچوں کے حوالہ سے کام کرنے والی ایک مقامی تنظیم اور ایشین ہیومن رائٹس کمیشن گمشدہ بلوچوں کے معاملہ کو ''جنگی جرائم'' کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے متعلقہ اداروں میں لے جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کیا آپ ایسی کسی کوشش کی حمایت کریں گے؟

اگر کوئی انسانی حقوق کے ادارے ان واقعات کو کسی عالمی فورم پر لے کر جائیں تو انصاف کی توقع تو کم ہی ہے لیکن شائد اس سے رائے عامہ کو بیدار کرنے میں کچھ مدد ملے۔ عوام کی رائے بھی دادا گیروں کے قبضے میں ہے۔ عراق جنگ کے دوران مغرب میں لاکھوں کے جلوس نکلے لیکن تباہی کو نہیں روک سکے۔۔ امید کم ہے لیکن ایسی کوششیں کسی حد تک بلوچوں کے مقدمہ کی تبلیغ کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔

☆1973ء اور آج! کیا نمایاں فرق ہے؟

پہلے یہ تحریک محدود تھی، اب ہر طرف پھیلاؤ ہے، بہت وسیع علاقوں میں۔ اب بہت وسعت ہے اس تحریک میں۔ ہر طرح کے لوگ اس میں ہیں۔ جذباتی بھی، منطقی بھی، چھوٹوں اور بڑوں کی جیسی تربیت اب ہو رہی ہے پہلے نہیں تھی۔ اب چھوٹا بچہ بھی فوج یا پولیس کی گاڑی کو دیکھتا ہے تو پتھر اٹھاتا ہے۔ پہلے تو کوئٹہ میں بھی اس کا اثر چند علاقوں تک محدود تھا اب جہاں کہیں بھی بلوچ ہے وہاں انسرجنسی کے اثرات ہیں۔ امریکہ، انگلینڈ اور دیگر ملکوں میں بیٹھے ہوئے بلوچ اب بہت لکھتے ہیں اور بولتے ہیں۔

مکران کے علاقوں میں کیا تبدیلی ہے؟

سارے مکران میں اب لوگ بہت متحرک ہیں۔ پہلے وہ سنتے تھے، اب وہ عمل میں بھی آگے ہیں۔ وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ جانتے ہیں کہ آزادی کس قدر ضروری ہے۔

کیا آپ بلوچستان میں کوئی عوامی تحریک بنتی دیکھ رہے ہیں؟

اُبھار تو بڑا ہے، راء میٹریل تو دستیاب ہے۔ اس کو تنظیم میں لا کر ٹھوس مزاحمتی تحریک کی شکل دینا بلوچ

تنظیموں کے شعور اور اُن کی محنت پر منحصر ہے۔ ابھی شاید اتنی شاندار تنظیمی قوت ان میں نہیں کہ سب کو جذب کر سکیں لیکن میں پُر امید ہوں۔ پہلے کے مقابلے میں بہت بڑا فرق ہے۔ پہلے شاید ہمارے تاریخی بیس سکول اور کالج تھے۔ ہم نے ان پر بھی پوری توجہ نہیں دی تھی۔ قبیلے اور فرقہ کے تعصّبات میں اُلجھے رہے۔ اب ہر جگہ اور بلوچ معاشرے کے ہر شعبے میں ہمارے مراکز بڑھتے جا رہے ہیں۔

آپ کسی حد تک سیاسی قیادت کا خلا محسوس نہیں کرتے؟

میں چی گویرا کے جملے یہاں دہراؤں گا۔ اُس نے کہا تھا؛ ''انقلاب ردِ انقلاب کو زیادہ تیزی سے تیار کرتا ہے''..... اُس کے پاس وسائل ہیں، فوج ہے۔ ہمارے پاس آزادی کے مجاہد ہیں اور اُن کی حمایت اور ہمدردی کرنے والے عوام ہیں لیکن ہم پر پابندیاں ہیں، جبر ہے اور اُس کو آزادی حاصل ہے۔ اُس کے پاس قید کرنے، غائب کرنے اور قتل کرنے کا لائسنس ہے۔ ہمارے لوگ انڈر گراؤنڈ ہیں۔ لیکن اُس کی طاقت ہی اُس کی کمزوری ہے۔ اُس کی خونخواری ہی اُس کی موت ہے۔۔۔ وہ مقام آئے گا جب ہم زیادہ طاقت میں ہوں گے۔ ضرورت تو سخت ہے۔ اگر جلد نہیں تو پھر ہمیں نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ اگر تحریک جلد اپنے نکتہء عروج پر نہ پہنچی تو شاید بلوچ قوم اقلیت میں بدل جائے گی اور ان کا قومی وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک انٹرویو میں میں نے بلوچوں سے کہا تھا ''اگر ہم مزید پندرہ سال غلام رہے تو ہماری شناخت مٹ جائے گی۔''

مزید غفلت کی تو نقصان ہوگا۔ ہمیں سوچنا پڑے گا اور آزادی کے لیے مرنا پڑے گا۔ دھڑا دھڑ سروں کے نذرانے پیش کرنا ہوں گے۔ اگر دیر کی تو پھر بلوچ کا وجود بلوچستان میں ناپید ہو جائے گا۔ کتنے رہ جائیں گے بلوچستان میں، گوادر میں کتنے ہوں گے؟..... بچنا ہے تو مرنا ہوگا۔ اگر نہیں مرے تو ہم بھکاری ہوں گے۔ جھاڑو دینے والے، موٹر دھونے والے، ہوٹلوں میں برتن دھونے والے ہوں گے اور ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے والا کوئی اور ہوگا۔

بلوچ قوم میں جو اَپ رائزنگ (ابھار) ہے اسے منظّم کرنے کے لیے بلوچ قیادت کو تفکر کر کے، متحرک ہو کر بڑا اتحاد بنانا ہوگا۔ دشمن بہر حال مضبوط ہے۔ اُن کا پراپیگنڈہ موثر ہے۔ ہمیں سخت جدوجہد کرنا ہوگی۔ بعض محض تعلیم پر زور دیتے ہیں۔ اُن کی تعلیم گمراہ کن ہے۔ یہ تو تعلیم ہے ہی نہیں۔ مسخ کی ہوئی تاریخ ہے اس تعلیم سے بلوچوں کو نقصان ہی ہوگا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ ان پڑھ بلوچ اگر ریاضی نہیں جانتا تو بھی تاریخ ضرور جانتا ہے۔ ابدالی، بابر اور جناح ہماری شناخت نہیں یہاں تک کہ مسلمان بھی ہماری شناخت نہیں۔ ہم پہلے بلوچ ہیں خواہ مسلمان ہوں یا ہندو ہوں یا

عیسائی۔آہ! نام بلوچستان ہے لیکن بلوچ کے اختیار میں نہیں۔ہمیں اختیار نہیں کہ اپنے بچوں کو اپنی زبان، تاریخ، تمدن، تہذیب، ثقافت کی تعلیم دیں اور اپنے وسائل کو خود اپنے لیے بروئے کار لائیں۔

آزاد بلوچستان میں آپ کیسا نظام چاہتے ہیں؟

(جدوجہد میں) غریبوں کے بچے مر رہے ہیں۔ مجھے کبھی کبھی ڈر لگتا ہے کہ مالک امیروں کے بچے نہ بن بیٹھیں۔عوام کا بلوچستان ہو۔ جہاں سب حقیقتاً برابر ہوں۔ قانونی طور پر بھی اور عملاً بھی۔تعلیم، وسائل اور مواقع پر سب کا حق ہو۔دیگر معاملات میں بھی سب کا یکساں حق ہو۔

قبائل اور ریاست کے مابین وسائل کی تقسیم کیسی ہو؟

(قبائل کے) حقوق دائمی نہ ہوں۔ بلوچ وسائل تمام بلوچوں کے تصرف میں ہوں۔(وسائل پر متعلقہ زمین پر آباد اور روایتی مالک قبائل کے حق کی روایت) میرے خیال میں یہ صحیح نہیں لیکن اس کے لیے سکھانے پڑھانے کی خاصی ضرورت پڑے گی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ بلوچستان کے وسائل عملاً چین کے تصرف میں ہیں۔کیا آپ اس کو امپیریلزم نہیں سمجھتے؟

گذشتہ صدی کی ساتویں دہائی کے آغاز میں چین میں ہُونائزیشن (ہُن نسل کا زندگی کے تمام شعبوں میں غلبہ) کی جا رہی تھی اور امپیریلسٹ (سامراجی) رویہ آ رہا تھا۔ مجھے اب شک ہے کہ چین سامراج بن رہا ہے اور کالونائز کرنے کی ذہنیت پر چل رہا ہے۔

کیا بلوچ مدد کے لئے امریکہ پر انحصار کر سکتے ہیں؟

دنیا میں ابھی تک ایسا دیکھا نہیں گیا۔

لیکن آج عراق میں کردوں کے حالات یکسر بدل چکے ہیں!!

امریکا کا کتنا دخل ہے اور کُردوں کی تاریخی جدوجہد کتنی ہے!.....ہوسکتا ہے کہ کوئی بغضِ معاویہ میں مدد کرنا چاہے لیکن ہم بہرحال خود اپنے ہی زورِ بازو پر بھروسہ کرنا چاہتے ہیں۔

کیا آپ پناہ کے لیے افغانستان پر ہمیشہ انحصار کر سکتے ہیں؟

افغانستان میں ہماری پناہ کا سلسلہ کب تک چلے گا، کہہ نہیں سکتا..... یہ تاریخی سلسلہ ہے۔ایران سے ہمیں

ایسا رویہ نہیں ملا۔ انگریز جب بلوچستان پر قابض تھے تو میرے دادا افغان بادشاہ سے مدد لینے کے لیے افغانستان گئے تھے۔ کچھ ایسے ہی چھوٹے موٹے فرار پہلے بھی چلتے رہے۔ ایک رسم سی بن گئی تھی 1970ء کے بعد سب سے زیادہ تعداد میں لوگ وہاں گئے تھے۔

بلوچستان کے دیگر قبائل کے لوگ کچھ عرصہ بعد واپس آ گئے، مری وہیں رہے۔ روس کے (افغانستان میں) آنے سے خیال تھا کہ وہ محتاجوں کا رہبر ہے۔ دنیا میں انصاف کی وکالت کرنے والا ہے لیکن اس نے ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ آپ (افغان کمیونسٹ) اچھے میزبان بنے لیکن کامریڈز نہیں بنے۔ میں صحیح جواب نہیں دے سکتا کہ آیا ہم میں کمی تھی یا ان میں۔

کیا یہ قیاس کرنا صحیح نہیں کہ بلوچوں کو بہترین موقع 1971ء میں ملا تھا؟

1971ء کے بعد موقع اچھا تھا۔ اُس وقت ہم میں نہ شعور تھا نہ ہی تحریک اتنی مضبوط تھی..... اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھ میں شاید تب شعور کی کمی تھی۔ موقع موجود تھا ہم اسے استعمال نہ کر سکے۔

بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا قوم پرست تحریک کی تشکیل میں نمایاں کردار رہا۔ بالاچ نے بی ایس او کو موجودہ تحریک کے لئے نئے سرے سے منظّم کیا۔ آنے والے سالوں میں آپ بی ایس او کے کردار کو کیسے دیکھتے ہیں؟

میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ واقعی وین گارڈ (قیادت کرنے والے) ہیں۔ اُن کے کام اور اُن کی محنت پر دارومدار ہے۔ بی ایس او کی شکل میں، انڈر گراؤنڈ کی شکل میں اور دیگر تنظیموں کی شکل میں..... ادغاموں کی ضرورت ہے۔

بی این ایم کے کام پر آپ کیا تبصرہ کریں گے؟

ہر ایک کے ذہن میں سوال تو ہے کہ کس کے قدم مستقبل میں زیادہ آگے بڑھتے ہیں۔

بی این ایف؟

ہاں یہ موثر سیاسی فرنٹ بن سکتا ہے۔ آزادی کے لیے بلوچوں کو حتمی طور پر مسلح کوشش پر ہی زیادہ توجہ دینا ہو گی۔ یہ ملٹی ڈائی مشنل (ہمہ جہتی) اور ملٹی لیئر (کئی سطحوں پر) جدوجہد ہونی چاہیے۔ سیاسی تحریک، سیاسی قیادت کا متحرک اور فعال ہونا ضروری ہے لیکن میں زیادہ اہمیت مسلح کوشش کو دیتا ہوں۔

مسلح گروپ؟

بگٹی، اللہ نذر اور مری اکٹھے رہیں، متحد رہیں، مل کر چلیں۔ خوبیاں خامیاں اپنی جگہ۔ زیادہ سے زیادہ رابطہ اور عملی تعاون رکھیں، اتحاد سے رہیں۔ اگر ایک ہو جائیں تو بہترین ہوگا۔ ایک ہو کر رہنا ہی کامیابی کی کلید ہے۔

بلوچستان پیکیج کی حمایت کرنے والوں کا مستقبل میں کیا مقام ہوگا؟

جو غدار کا مقام ہوتا ہے وہی ہوگا۔

کیا اس پیکیج نے آپ کا کام آسان نہیں کر دیا؟

اُنہوں نے تو ہمارا کام آسان کرنے کے لئے یہ (پیکیج) نہیں دیا تھا۔ اب بلوچ کے شعور کی سطح پر منحصر ہے کہ وہ اسے کیسے دیکھتا ہے۔ میں بغاوت کا لفظ کم استعمال کرتا ہوں۔ انسرجی (کا لفظ استعمال کرتا ہوں) یہ پیکیج کاؤنٹر انسرجنسی سٹرٹیجی ہے۔ لوگوں کو لالچ دے کر توڑنے کی کوشش ہے۔ کوشش کی گئی کہ جو بلوچ پہلے آزاد بلوچستان کا نعرہ مارتا ہے وہ شاید لالچ میں آجائے۔ آزادی کے خیال پر مرتکز ہوتی ہوئی سوچوں کو منتشر کرنے کے لیے یہ پیکیج دیا گیا۔ بعض لوگوں کو یہ سوچنے پر مائل کیا گیا کہ جب وہ دے رہے ہیں تو آزادی کے لیے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کسی کو کُرسی اور کسی کو پیسے کا لالچ دیتا تو رہے گا۔ کسی کو آپس کی لڑائیوں میں اُلجھانے اور کسی کو مدد دینے کی کوشش کرے گا۔ جیسے عالی، طلال اور براہمداغ کے معاملات میں کوششیں کیں۔ اپنی سازشیں تو جاری رکھے گا جب تک شکست نہیں کھاتا۔

بلوچستان پیکیج سامنے آنے سے پہلے پاکستان کے بعض ترقی پسند گروپوں نے بلوچستان کو "صوبائی خود مختاری" دینے کی دستخطی مہم چلائی۔ اس عمل کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

پاکستان کے ترقی پسندوں کے خیالات..... وہ نو آبادیاتی پاکستان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان کو مضبوط کر کے بلوچستان، پختون قوم اور سندھ کی لوٹ کھسوٹ جاری رکھنے میں مددگار بنتے ہیں..... بلوچوں کی زمین (رقبہ) پاکستان سے زیادہ ہے۔ گوکہ یہ ایران، فرنٹیئر، پنجاب اور سندھ میں بکھری ہوئی ہے۔ بلوچوں کی تاریخ زبان، ثقافت، تہذیب اور روایات حتیٰ کہ فیونا فلورا تک پاکستان سے جدا ہے۔ قدرتی وسائل اور سمندری وسائل بے پناہ ہیں۔ جو قوم ہر طرح سے اُن کے ملک سے بڑی ہے اُسے محض کالونی کی حیثیت دینے کی بات کرتے ہیں۔ خواہ وہ اسے صوبہ کہیں، یہ عملاً کالونی ہے۔ ہم انہیں انسانی حقوق کے ماننے والے کیونکر کہیں!.....اور جو کہتے ہیں کہ آپ ریفرنڈم کرائیں، بلوچ سے پوچھو تو بھلا کون بلوچ ریفرنڈم میں کہے گا کہ میں آزاد ہونا نہیں چاہتا۔ ایران، سندھ،

پنجاب، افغانستان اور کہاں کہاں بکھرے ہوئے بلوچوں سے آپ کیسے ریفرنڈم میں رائے لیں گے!.....وہ (بلوچ) کہتا ہے میں مالک ہوں۔تو یہ کہتے ہیں ''یہ ٹکڑا تھوڑا سا دوں گا'' دادا گیری ہے کہ تم چاہو بھی تو نہیں لے سکتے۔ مجھے (بلوچ کو) کہتے ہیں،''تم بونے ہو''۔ میں بونا نہیں ہوں۔ میں صحت مند ہوں اور مکمل انسان ہوں۔

کیا یہ عجب نہیں کہ پانچ ہزار سال سے زیادہ پرانی تاریخ کا مالک بلوچ محکوم رہے اور محض ڈیڑھ صدی پر محیط نوآبادیاتی تاریخ کا حامل گروہ حاکم؟

انگریز پانچ ہزار میل دور سے آکر قابض ہوا کیونکہ میں مری اور بگٹی کے جھگڑے میں اُلجھا رہا۔اسی وجہ سے اکٹھے نہ ہوئے اور پیچھے رہ گئے۔بہت پیچھے رہ گئے۔1970 میں اگر ہم سب جاگتے تو آج آزاد ہوتے۔اُس وقت کی غفلت کی سزا اب تک بھگت رہے ہیں۔اگر ہم اُٹھتے تو شاید بنگلہ دیش والے بھی اتنی مار نہ کھاتے۔پھر شاید وہ بھی کہتا اصل پاکستان تو میں ہوں۔لیکن میرا مسئلہ تو اُس وقت شعور کی کمی تھا۔میرا مسئلہ تو.....ایسا نہ ہو کہ بگٹی مجھ پر حاوی ہو جائے۔انگریز آئے یا پنجاب غلام بنالے میری برابری تو بگٹی سے ہے.....ابھی تک یہی خامیاں ہیں۔"میری عورت کا مسئلہ ہے۔میری بیوی کی کفالت کون کرے گا".....سب عورتوں اور مردوں کی قسمت داؤ پر لگی ہے لیکن اجتماعی فکر اب بھی کم ہے۔باقی دنیا میں بھی ایسا ہے لیکن ہم میں یہ مرض خاصا زیادہ ہے۔ذاتی اور قبائلی دونوں سطح پر اجتماعی فکر کی کمی ہے۔

بلوچ تحریک کو میڈیا کی عدم موافقت کا ہمیشہ سامنا رہا۔کیا اس پہلو کو نظر انداز کیا جاتا رہا؟

بلوچ میڈیا بہت تھوڑا اور محدود اثر کا حامل ہے۔وہ بھی ڈر کر اور دب کر بات کرتا ہے۔میڈیا کی مدد ملنا بہت مشکل ہے جبکہ قابض کوئی اور ہے۔اگر کوئی آزاد اخبار نکلے گا تو قابض اُسے بند کر دیں گے۔جب بھی کوئی اشاعتی ادارہ سر اُٹھائے گا کُچلا جائے گا۔بلوچ قوم کو متبادل ذرائع پر انحصار کرنا پڑے گا۔جو آزادی چاہتے ہیں،حقائق کو عام آدمی تک پہنچانے کے لئے لکھیں۔راتوں کو جاگ کر تقسیم کریں،پریشانی اُٹھائیں،تکلیف اُٹھائیں لیکن یہی راستہ ہے۔

پڑھے لکھے بلوچ خصوصاً جلاوطن انٹرنیٹ کے ذریعہ رسائی پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں؟

انٹرنیٹ موثر ذریعہ ہے لیکن اس کی رسائی محدود ہے۔چرواہے تو اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

تو کیا پرنٹ میڈیا کی عدم موجودگی میں انٹرنیٹ پر انحصار سے جاننے اور نہ جاننے والوں میں تقسیم بڑھ نہیں رہی؟

تقسیم کچھ بڑھی بھی ہے لیکن بعض پہلوؤں سے فائدہ بھی بہت ہو رہا ہے۔ جاننے والے کاغذ قلم کے استعمال پر بھی توجہ دیں تو اچھا ہے۔لندن میں میڈیا بہت سٹرانگ ہے لیکن برٹش حکومت نے میڈیا کی مخالفت کے باوجود عراق پر اپنی پالیسی جاری رکھی۔ لکھنے کا میڈیا، بولنے کا میڈیا، جلسے جلوس ہر ذریعے کے اثرات ہیں لیکن طاقت ور اِن سے رُکتا نہیں ہے۔ غاصب کو روکنے کے لیے دار و مدار طاقت پر ہی ہوگا۔ بندوق کی طاقت کے مقابل باقی ذرائع بھی بندوق کی مدد سے استعمال کرنا پڑیں گے۔

خان آف قلات نے بلوچستان کا مقدمہ عالمی عدالت انصاف جیسے فورمز پر لے جانے کی بات کی اور پھر.....اُن کے نقطہء نظر پر آپ کی کیا رائے ہے؟

وہ مستقل مزاج نہیں ہیں۔قومی رہبری کے لیے زیادہ مستحکم اپروچ درکار ہے۔

حیربیار مری؟

میں کچھ نہیں کہوں گا۔

بالاچ نے واپس آنے کے بعد تھوڑے وقت میں بہت سے کام کئے۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر بالاچ زندہ رہتا تو چیزیں مختلف ہوتیں؟

زندہ رہتا' تکلیف میں رہتا' بھوکا رہتا' کام کرتا رہتا۔شاید یہ باپ کی حیثیت سے میرے احساسات ہیں.....قومی غرض کے لیے اُس کا مزید رہنا شاید اچھا ہوتا۔ایک بالاچ نہیں ہزاروں کی تعداد میں باپوں کے بیٹے اور بیٹوں کے باپ مارے گئے۔ بلوچوں میں ایک کہاوت ہے،'میں اُس کی ماں کا شوہر نہیں لیکن وہ میری اولاد ہے۔' میری اُن اولادوں کا دُکھ اگر ایک منٹ مجھے ستائے گا تو یہ شاید پانچ منٹ ستائے گا۔ دونوں کا دُکھ برابر کہوں تو شاید جھوٹ ہوگا۔لیکن یہ میرے شعور کی کمی ہے، جذباتیت نہیں ہے.....لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ میرا بیٹا اگر چھت ہے تو دیواریں یہ دوسرے بلوچ ہیں.....رسم ہے کہ گاؤں میں کوئی مر جائے تو روٹی نہیں پکاتے،لیکن اگر اپنا مر جائے تو روٹی پکانے کو دل چاہتا ہی نہیں..... بالاچ کا مرنا دکھ کی بات،لیکن ضرورت تھی قوم کو اُس کی، کام آ گیا۔زندہ رہتا،مزید کام کرتا تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔تھوڑی روٹی ملتی،مشقت میں رہتا تو کندن ہوتا جاتا،دمکتا جاتا.....

بالاچ کی فکر پھلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے.....پختونوں کی کہاوت ہے،''مر گیا تو بھول گئے''۔لیکن اُسے بھولنا مشکل ہے۔ چی گویرا زندہ رہتا تو معلوم نہیں کتنے انقلاب لاتا۔ بالاچ کو بھی چی گویرا سمجھا جاتا ہے..... بالاچ

اس پہاڑ سے گزرا، اُس گھاٹی سے گزرا، یہاں بیٹھا، یہ بات کہی.....آہ!.....اُس کے ساتھی.....دُور دراز کے ساتھی ایک رشتے کی زنجیر میں جڑے تھے۔ایک کڑی کٹ گئی۔نقصان تو ہے۔پھرتا رہتا،تبلیغ کرتا، باتیں کرتا تو اُس کے اثرات مزید پھیلتے..... ہاتھی کی تو کہتے ہیں کہ مرکر قیمت بڑھ جاتی ہے لیکن انسان ہاتھی نہیں ہوتے۔نواب اکبر خان بگٹی، غلام محمد اور ہزاروں گمنام.....کتنی صلاحیتیں تھیں، کیا کچھ کر سکتے تھے.....صدو ایک مکران کا کمانڈر تھا جو (بعد میں) مارا گیا۔میں نے پوچھا صدو سے،''میرے صدو نے کیا کہا؟'' اس نے بتایا،'' بالوں میں رنگ نکلا ہوا تھا، کپڑے میلے تھے۔'' بالاچ کہتا،''چلتا ہے.....کبھی کبھی انتڑیوں کو ہاتھ پڑتا ہے۔'' تکلیف تو ہوتی ہے.....لوگ بتاتے ہیں کسی آدمی کا بیٹا لڑائی میں مارا گیا۔لوگ فاتحہ کے لئے گئے۔وہ بیٹھا تھا لیکن غم کی حالت ظاہر نہیں تھی۔کچھ لوگوں نے کہا،اسے تو کچھ پرواہ نہیں، بے حس آدمی ہے۔وہ اٹھا، پیشاب کر کے آیا، پھر طنز کرنے والے سے بولا،''جا کر پیشاب دیکھو۔'' پیشاب میں خون تھا۔باہر سے نارمل تھا، قہقہے مارتا تھا.....جس کے دو بیٹے مارے گئے، اسے دکھ تو ہے۔روایت کے مطابق کہتے ہیں،''وہ عزت کی موت مرا'' لیکن اندر تو دکھ ہے۔وہ یہاں سے نکلنے کے بعد نہ جانے کتنے سینکڑوں ہزاروں میل پھرتا رہا۔زندہ رہتا زندوں کے ساتھ کام کرتا رہتا۔جلد نہ مرتا، میرے بعد مرتا تو اچھا ہوتا۔ زیادہ لوگوں کو متحرک کرتا، خوشی کا دن زیادہ نزدیک آجاتا.....مری، بلوچ سب اس عزت میں شریک ہیں۔''وہ'' ظالم ہیں۔ظالموں کو قابو میں رکھنا مشکل ہے۔انسانیت اُن کے سامنے کوئی قیمت نہیں رکھتی.....ایک بالاچ نہیں ہزاروں مریوں کے بچے جن کو میں جانتا نہیں، دیکھا نہیں، وہ اب نہیں ہیں۔اُن سب کا دکھ ہم اپنے اندر لیے پھرتے ہیں۔یہ دُکھ بلوچ قوم کے اندر ہے۔بہت سے ایسے ہیں جو عذابوں میں مبتلا کیے گئے اور پھر مارے گئے۔کئی اپاہج اور کئی آنکھوں سے محروم کیے گئے۔غلام محمد اور رسول بخش کو کیسے مارا کہ پہچانے تک نہیں گئے۔کس عذاب سے اُنہیں گزارا گیا اور کس آگ سے عذاب دیا شیطانوں نے، یہ سب چیزیں بھولنے کی نہیں.....آزادی ملے تو خوشی کی بات ہے لیکن جو ہر گھر میں دکھ ہے وہ تو رہے گا.....ہلمند میں بیٹھ کر ہم ہنستے تھے، روتے تھے، باتیں کرتے تھے اور روٹی کھاتے تھے۔۔ اب وہ گیا تو اسے کون لا سکتا ہے۔اسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔کسی کو بھی مرنا نہیں چاہیے تھا۔لیکن مرے بغیر آزادی نہیں۔آزادی کے لئے موت قبول۔وہ (بالاچ) تو گیا اب جو اُس کے راستے پر ہیں وہ بھی مریں تو قبول۔آزادی ضروری ہے۔ابھی تو اولادیں گئیں، نہ لڑے اور نہ مرے تو پوری قوم مٹ جائے گی۔

ایک تکلیف دہ حوالہ میری بہن زرینہ مری کا بھی ہے؟

زرینہ میری بیٹی ہوتی تو معلوم نہیں کتنی تکلیف ہوتی۔اُس کے ماں باپ پر معلوم نہیں کیا گزرتی ہے جب وہ یاد کرتے ہیں کہ اُن کی مظلوم بیٹی اپنی خوشی کے لیے نہیں بلکہ ظالموں کی زبردستی کے سبب بے لباس ہوتی ہے۔عورت کے معاملے میں قبائلی حساس ہوتے ہیں۔ایک زرینہ مری نہیں بہت بیٹیاں ہیں جن کے میں نام نہیں جانتا، جو ناپاکوں نے اُٹھالیں.....(چند لمحے خاموشی کے بعد) شاید ایک مرتبہ جذباتیت میں میں نے کہا تھا کہ سور کے ساتھ گزارا ہوسکتا ہے پنجاب کے ساتھ نہیں۔ مجھے کبھی محسوس ہوتا ہے شاید سارے پنجابی ایسے نہ ہوں اور میں نے نازیبا کلام کیا ہو لیکن جب دیکھتا ہوں کہ زرینہ سے لے کر درجنوں بیٹیوں اور ہزاروں بلوچوں کے ساتھ جو ہو رہا ہے تو سوچتا ہوں شاید جذباتیت میں کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا۔ پنجابیوں کے ساتھ ہرگز گزارا نہیں ہوسکتا۔ پنجابیوں نے ہمیں غلام رکھا۔اُسے ہماری سب چیزوں سے نفرت ہے۔زرینہ کے ساتھ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ پوری بلوچ قوم کو اذیت دینے کے لیے، دہشت زدہ کرنے اور نفسیاتی شکست دینے کے لیے کر رہے ہیں لیکن وہ ہماری نفسیات کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔زیادہ بے جگری سے جدوجہد کریں گے۔۔۔ مجھے افسوس ہوتا ہے، ہمیں پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ آنے والا وقت ہمارے لیے کیسا ہوگا۔ہم نے غفلت کی، کوتاہی کی اور نتیجہ غلامی!

میں بگٹی اور مری کے چکر سے نہیں نکلا۔ ہمارے لوگ اب بھی سادہ ہیں۔کئی چیزیں ہمارے لوگوں کے لئے روزمرہ کا معمول ہیں۔ہمیں وہ نارمل باتیں لگتی ہیں لیکن ان سے نقصان ہوا ہے۔ بلوچوں کی ایک کہاوت ہے کہ پیسہ تو سودخور کے پاس بھی ہے لیکن مرد کی خوبیاں.....سرمایہ دارانہ دور میں پیسہ ایک اہم وصف ہے۔ پیسہ ہو تو لوگ خود کو کامیاب سمجھتے ہیں۔

پاکستانی استعمار کی تعلیم انسانی وصف پیدا نہیں کرتی لیکن ذہنوں میں لالچ گھسیڑ دیتی ہے۔یہ محض روزگار کا لالچ دیتے ہیں.....وہ آزادی مانگتا ہے۔ یہ کہتے ہیں سڑک، سکول، ہسپتال، بجلی اور نوکریاں دیں گے۔۔رنڈی خانہ بنا رکھا ہے۔قیمتیں لگاتے ہیں بلوچ کی۔امریکہ کا ہاتھ پنجابی کی پشت پر نہ ہوتا تو شاید ہم آزاد ہو چکے ہوتے۔تلافی صرف بے پناہ جدوجہد سے ممکن ہے۔تھکے بغیر مسلسل جدوجہد سے۔امریکا کا ہاتھ پنجاب کی پشت پر رہا ورنہ ہم آزاد ہو چکے ہوتے۔

پاکستان میں امریکہ کا عمل دخل مسلسل کم ہو رہا ہے۔جبکہ چین کا عمل دخل بڑھ رہا ہے۔کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟

پنجاب پہلے صرف ایک امپیریلسٹ کی رکھیل تھا، اب دو امپیریلسٹوں کیساتھ سونے والی رنڈی بن چکا ہے۔

آزادی کے حصول کے لیے پاکستان کے ساتھ بات چیت کا راستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؟

ہماری خواہش ہے کہ ہم آزاد ہوں۔ اُن کی خواہش ہمیں فریب دے کر، آزادی کی جدوجہد سے ہٹا کر شکست دینے کی ہے۔ انصاف دینے کا اُن کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پنجاب اتنا بیزار ہو جائے کہ خود جان چھڑانے کی سوچے۔ جب ہم سمجھیں گے کہ یہ واقعی جان چھڑانا چاہتے ہیں تب ہم بات چیت پر سوچیں گے۔ ٹروجن ہارس سے محتاط رہو۔ ان کے پیکیج، تحائف بھی ٹروجن ہارس ہیں۔ جب پنجاب کی مائیں یہ کہنے پر مجبور ہوں گی، ''پتر فوج وچ بھرتی نہ ہو'' تب ہم بات چیت پر سوچیں گے۔

جو بلوچ قوم پرست بات چیت کا عندیہ دیتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

یہ ہمیں سراب دکھاتے ہیں۔ جو خود کو قوم پرست کہتے ہیں اور اس سراب کے پیچھے جانے کا عندیہ دیتے ہیں وہ دھوکے میں نہیں آرہے بلکہ مکار ہیں اور منافق ہیں۔ وہ سراب کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں لیکن مکاری کر رہے ہیں۔ جدوجہد کی قیمت دینے پر تیار نہیں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ بلوچ قوم پر آنے والی مصیبت ان پر نہ آئے۔ وہ بچ جائیں۔

آپ بالاچ گورگیج کے مداح ہیں؟

بالاچ گورگیج نے اپنے دشمنوں کے خلاف جس حکمت اور دلیری کے ساتھ گوریلا جنگ لڑی وہ مجھے بہت انسپائر کرتا ہے۔ میں نے اپنے بالاچ کا نام اُسی کے نام پر رکھا۔ کسی حد تک شش و پنج میں بھی رہا کہ بالاچ نام کو میرے قبیلہ میں لوگ شاید پسند نہ کریں لیکن میں نے اپنے آئیڈیل کے نام پر رکھا۔ گزن کا نام رکھا تو بعض لوگ کہتے تھے کسی بہت بڑی شخصیت کے نام پر نام مت رکھو۔ بچے کی شخصیت پر بھاری پڑے گا۔

بالاچ نے کبھی بچپن میں آپ لوگوں کو پریشان کیا؟

بالاچ نے بچپن میں کبھی تنگ نہیں کیا۔ جوانی میں بھی کبھی پریشان نہیں کیا۔ وہ بیٹا نہیں دوست تھا میرا، قریبی ساتھی تھا، ہم سفر اور کامریڈ تھا۔ ماسکو میں رہا تو چھٹیوں میں آتا رہتا تھا۔ لندن میں کچھ سال دور رہا۔ کچھ زیادہ نہیں..... تم نے کُرید کُرید کر میری کمزوریوں کو جگایا۔ مری قبیلہ میں ہمارے گھرانے کا تعلق باولان زئی شاخ سے ہے۔ ہمارے بارے میں کہتے ہیں کہ چلتے ہیں تو زمین کی طرف نظر رہتی ہے جیسے کچھ کھویا ہوا ہو۔ دیگر بلوچ سر اُٹھا کر چلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سر ہمیشہ اونچا رکھیں۔ سب باولان زئی تو ایسے نہیں لیکن ہمارا گھرانہ کمزور ہے۔ بالاچ کی باتیں

کرتے کرتے شاید میں اپنی کمزوریاں چھپا نہیں سکتا۔ وہ جب تحریک میں آگے بڑھا تو خود کہا کرتا تھا؛ ''جس راہ پر میں چلا ہوں اس راہ سے واپسی نہیں ہوتی۔ میرے پاس ون وے ٹکٹ ہے۔''

ہمارے رشتہ دار بچے اسے یاد کر کے ایک گیت سنتے ہیں ریشماں کا.....(یاد کرنے کی کوشش)

..... لمبی جدائی؟

ہاں یہی لمبی جدائی!

آج کل پھر یہ حالت ہے کہ کوئی ایک بچہ مرتا ہے تو سارا بوجھ پھر سے آپڑتا ہے..... ہر موت پر ساری یادیں پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں۔۔۔(یہ کہتے ہوئے شیر دل کو ہی بلوچ سردار کی آنکھیں بھر آئیں)

اب آنسو بالاچ کے نام سے آئے لیکن یاد تو سبھی (بلوچ تحریک کے شہید) آتے ہیں.....(ایک لمحے کی خاموشی)

غلامی سے بری حالت اور کیا ہو سکتی ہے!

اپنے نوجوان پرستاروں کے لئے آپ کیا نصیحت کریں گے؟

''اِس جنگِ آزادی کو رکنے مت دو۔ تسلسل کے ساتھ اس جنگ کو آگے بڑھاؤ۔ لبرٹی (آزادی) تک لڑو۔ وقفہ آیا، تسلسل ٹوٹا تو بے انتہا نقصان ہوگا۔ اس جنگ کو اختتام تک رکنے نہ دو۔''

..... سیاسی کارکنوں کے نام کوئی پیغام؟

تمام گروپوں کی ایک پارٹی ہونا بہترین بات ہے لیکن اگر ایسا نہیں بھی تو کم از کم پروگرام پر سب متفق رہیں۔ سب لوگ اپنے اپنے ذمہ جو کام لیں وہ پورا کریں۔ جو خود کو نیشنلسٹ کہتے ہیں تو صوبائی خودمختاری کی بات کرنا آپ کے دعوے کے متضاد ہے۔ نیشنل ازم کا پہلا تقاضہ آزادی ہے۔ خدا کے لیے جاگیں۔ دشمن کو موقع نہ دیں۔ سروں کو قربان کرتے جائیں لیکن جدوجہد جاری رکھیں۔

بلوچستان کا مستقبل سوشلزم ہے!

پہاڑوں میں جنگ کرنے والے روایتی قبائلی نظام کو قبول نہیں کریں گے

انٹرویو : وینگس

ذریعہ : روزنامہ 'توار' مستونگ

اشاعت : 10 جولائی 2010ء

ترجمہ : عابد میر

بلوچ سیاست میں آپ کا طویل تجربہ رہا ہے۔ آپ کے خیال میں برصغیر کی سیاست کی روایت یا نیچر کیا ہے؟

(ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ) سوال بہت وسیع ہے اور میں ہر قوم پہ بولنے کا اہل نہیں۔

آپ کے خیال میں (یہاں) اوورآل سیاست کیسی رہی؟

میں بس صرف یہاں کے لوگوں سے متعلق بولوں گا۔ یہاں زیادہ تر غلامی کا رویہ رہا ہے۔ جیسے پنجابی، جنہوں نے سدا حکمرانی کی ہے (ایک واقعہ بتاتے ہوئے) پنجابیوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ انہیں پیسے دے دو، سندھیوں کو رعب میں رکھو، پشتون کو بھی پیسے دے دو اور بلوچوں کو میٹھی چھری سے ذبح کرو (ہنستے ہوئے) ایسا ہوتا بھی ہے کہ اگر بلوچ کو عزت دے دو تو وہ (آپ کے لئے) کچھ بھی کر لے گا۔ پنجابی کو صرف پیسہ چاہئے، اور پشتون کبھی بھی چیلنج قبول نہیں کر سکتا۔ پہلے وہ کچھ تنگ کرے گا لیکن اگر آپ نے اس کو چیلنج کر دیا تو وہ اس کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ (بہر حال) ہم زیادہ تر غلام ہی رہے ہیں۔

آپ نے گاندھی جی اور مسٹر جناح میں کوئی فرق محسوس کیا؟

(قہقہہ لگاتے ہوئے) جواب سادہ ہے، گاندھی انسانوں کا آدمی تھا اور جناح انگریزوں کا آدمی تھا۔

آپ کے خیال میں مذہب کو سیاست میں کون لے آیا؟ (ہم آزادی کی تحریک کے حوالے سے پوچھ رہے ہیں)

یہ خاصا باریک سوال ہے اور میں اس میں جانا نہیں چاہتا۔ (کچھ دیر توقف کے بعد) I don't know مجھے نہیں پتہ کہ کون مذہب کو سیاست میں لے آیا۔

ہم پھر اسی سوال پہ آتے ہیں کہ برصغیر کی آزادی کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

آپ برصغیر کی آزادی کو کیسے دیکھتی ہیں؟

ہم یہ آپ سے جاننا چاہتے ہیں۔ بہت سے خیالات ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ طے شدہ تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ آزادی لی تھی۔

(ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ) آزادی کی کئی تحریکیں (اُس وقت) چل رہی تھیں۔ کہیں بھی پائیدار تحریک نہ تھی..... ہندو، مسلم تنازعہ اس لئے ہوا کہ وہ (ہندو) اہم نوکریوں اور انتظامی عہدوں پر فائض تھے۔ اِس وقت پاکستان میں ہمارے ساتھ کیا (حالت) ہے؟ یہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ انگریزوں کی تابعدار تھی اور ہے۔ میرے خیال کے مطابق یہ (تقسیم) pre-planned تھی۔ وہ (پنجابی) غیر انسانی سوچ کے حامل تھے اور صرف اپنی طاقت کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انگریزوں کی باریک بینی کو نہ سمجھ سکے۔ انگریز بے وقوف نہ تھے، ہندوستان میں مسئلہ پنجابیوں کے ساتھ

تھا۔اورانگریزوں نے ہندوستان کو چھوڑ دیا(لیکن) یہاں (پاکستان کو) غلام رکھا اور پنجابیوں کو سپورٹ کیا گیا۔ہم پنجابیوں کے غلام نہیں بلکہ عالمی قوتوں کے غلام ہیں۔

☆کیا وجہ تھی کہ بھارت نے پارلیمنٹ کا مضبوط سسٹم پالیا اور پاکستان (اس کے حصول میں) ناکام نظر آتا ہے؟

(پیشانی پہ بل ڈالتے ہوئے) کیا آپ پاکستان کی پارلیمنٹ کو پارلیمنٹ کہیں گے؟ جو ہو ہی بیرونی قوت کے زیر اثر، وہ پارلیمنٹ کیسے ہوسکتی ہے؟ انڈیا نے اپنے سسٹم کو سپورٹ کیا۔انہوں نے آزادی (کے مفہوم) کو جانا ۔اور جو آزادی کی قدر نہیں جانتے وہ جانور اور غلام ہیں۔آزادی میں قدرت کی (طرف سے عطا کردہ ایک) طاقت ہے۔ یہاں پاکستان میں تو سسٹم ہی غلط ہے۔

70ء کے سانحے کو کیسے دیکھتے ہیں؟

انہوں (پنجابیوں) نے طے کرلیا تھا کہ بنگالیوں کو غلام رکھو یا جان چھڑاؤ۔

آخر بنگالیوں کے پاس ایسا کیا تھا کہ انہوں نے فوری آزادی حاصل کرلی؟

(کچھ دیر توقف کے بعد) اُن کے ہاں wisdom تھی اور شاید انہوں نے آزادی سے متعلق پہلے ہی کام کرنا شروع کردیا ہو۔(اپنی ذاتی بات شیئر کرتے ہوئے) میرا ایک رشتہ دار اُن دنوں بنگال سے آیا اور مجھ سے آکر کہا کہ بنگالی تمہیں جانتے ہیں اور وہ کہتے تھے کہ یہ آدمی صاف ستھری سیاست کرنے والا بندہ ہے۔آپ نے شروع میں بات کی جنرل ٹکا کے حوالے سے، یقیناً یہاں کی طاقت بلوچستان اور سندھ میں مارچ کرسکتی ہے۔لیکن یہ بنگالیوں تک مارچ نہ کرسکے اور بنگالیوں کو انڈیا کا بھی سہارا مل گیا کہ انڈیا اُن کے بیچ میں پڑتا تھا۔کچھ حالات بھی ایسے تھے کہ جو بنگالیوں کے حق میں چلے گئے۔لیکن ان سب سے بڑھ کر یہاں کی اسٹیبلشمنٹ اس بات کے حق میں ہی نہ تھی کہ بنگالیوں کو مزید برداشت کیا جائے۔اس لئے کہ وہ بہت آگے تھے، اُن کے پاس سب کچھ تھا۔انہوں نے چاہا کہ یا تو بنگالیوں کو غلام رکھیں یا جان چھڑالیں اور جب وہ انہیں غلام نہ رکھ سکے تو جان چھڑالی۔

اسٹیبلشمنٹ کی سیاست اور اس کا کردار کب سے شروع ہوتا ہے؟ جبکہ 1948ء میں ہی آپریشن کرکے بلوچستان کو پاکستان میں شامل کرلیا گیا؟

ان کا کردار اول دن سے رہا ہے۔یہ پیدا ہی اس لئے کئے گئے ہیں کہ دوسروں کو غلام رکھیں۔اور انہوں نے کبھی بھی اپنا ماسٹر تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی اور انہیں تیار بھی اس لئے کہا گیا کہ وہ دوسروں پر حکمرانی کریں۔

ماسٹر سے کیا مراد ہے؟

عالمی قوتیں یعنی انگریز اور امریکی۔

بلوچستان کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

(اُن کی آنکھوں میں اچانک چمک آ گئی اور خوش ہوتے ہوئے کہا) میں بلوچستان کو کیسے دیکھتا ہوں؟ ایک حسین، خوبصورت دھرتی، جہاں پیار ہے اور جہاں چرواہے اپنی بکریاں چراتے ہوئے گیت گاتے ہیں، جس کے پہاڑ خوبصورت اور ہواؤں کی خوشبو.... (اس دوران کچھ لمحے خاموش ہو گئے.... پھر دھیرے سے بولے) میرے لئے بلوچستان خوبصورت اور حسین ہے۔

کیا بلوچستان جل رہا ہے؟

(زور دیتے ہوئے) یہ ہوا نا سوال، ہاں' بالکل بلوچستان سلگ رہا ہے۔

بلوچستان کی اس تکلیف کا ذمہ دار کون ہے؟

اِس کی ذمہ داری عالمی قوتوں پر عائد ہوتی ہے اور یہ (پاکستان) اس کا سب آرڈینیٹ ہے، یہ گنہ گار ہیں ۔امریکہ ان کی سپورٹ کر رہا ہے۔ جس کے باعث انہوں نے ہمارے وسائل پہ قبضہ کیا ہے۔

یہ عجب نہیں ہے کہ اس وقت آپ عالمی قوتوں کو ذمہ دار قرار دے رہے ہیں لیکن عوام میں آپ (محض) اسٹیبلشمنٹ کے خلاف ہوتے ہیں؟

آپ کا نام خاصا مشکل ہے، کیا میں آپ کو کامریڈ کہہ سکتا ہوں (ویٹنگس: بالکل) تو کامریڈ' ہاں شاید ایسا ہو' لیکن یہاں کی اسٹیبلشمنٹ ان کی نمائندگی کرتی ہے۔ جو ہمارے سامنے ہوگا ہم تو اسی پہ بات کریں گے، انہی کی بات کریں گے، یہ گنہ گار ہیں۔ پاکستان کو چلانے والا صرف امریکہ ہے۔ باقی ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ ہم بلوچوں پہ حکمرانی کر سکیں۔

بلوچستان پہ انگریزوں کی حکمرانی رہی اور اب پاکستان کی ہے، ان دونوں میں کوئی فرق محسوس کرتے ہیں؟

(تھوڑے سے توقف کے بعد) ہاں' کسی حد تک تھا۔ انگریزوں کی غلامی ہمارے لئے ابتدائی (غلامی) تھی ،اور یہ پاکستان و انگریز والی غلامی ابتدائی نہیں رہی، اس میں ہمیں خاصا نقصان ہوا ہے۔

ابتداء سے کیا مراد ہے؟

انگریزوں نے (محض غلامی کی) بنیاد ڈالی لیکن پنجابیوں نے تو ہمیں خون میں نہا دیا، اور غلام رکھا۔ ایسے حالات میں ہم کیا کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ہم بھی جواب دیں گے۔ اور یہ میں پھر کہتا ہوں کہ پنجابی امریکہ کے sub-ordinate ہیں اور امریکہ کو ہم سے (بالآخر) بات کرنی پڑے گی۔

کیا بلوچستان کے سردار اپنے Historical Consciosness (تاریخی شعور) سے کوئی سبق حاصل کر پائے ہیں؟

(ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ) ہاں، سیکھ رہے ہیں۔ لیکن کچھ ہیں جو بے ایمان ہیں۔ جنہیں اب بھی یہ توقع ہے کہ انہیں کچھ مل جائے گا۔ اب بلوچستان کا حل پیکیجز میں نہیں، ہم اب آگے نکل چکے ہیں۔ یہ پیکیجز ہمیں بے وقوف بنانے کے لئے ہیں۔

جن کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں، کیا ان کا نام لے سکیں گے؟

(غصے سے) یہ رئیسانی، مگسی، کچھ بگٹی، اور ہاں کچھ مری قبیلے کے لوگ بھی ہیں۔ جنہیں پیسوں کا لالچ دیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ریسرچ بھی کی ہے کہ بلوچستان میں کتنے معدنی وسائل ہیں۔ انہیں تیل بھی ملا ہے۔ لیکن یہ لوگ ظاہر نہیں کر رہے۔ ہمارے مسئلے کا حل اب یہ روڈ، رستے اور پیکیجز نہیں ہیں۔

انگریزوں نے جو کیبنٹ پلان دیا، اُس میں قلات اسٹیٹ کو آزاد دکھایا گیا اور جناح صاحب نے بھی اُس کی آزادی پر راضی ہونے کا اظہار کیا لیکن پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح قلات کو زبردستی پاکستان میں شامل کیا گیا۔ اس طرح کے رویے کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

درحقیقت وہ (جناح) عالمی قوتوں کا دوست تھا۔

لیکن لوگ کہتے ہیں کہ وہ اصول پرست تھا؟

(تعجب کے ساتھ) کون کہتا ہے؟ اگر وہ اصول پسند تھا تو وہ (جناح) خان آف قلات اور قلات اسٹیٹ کا وکیل رہا۔ وہ دوہرے کردار کا آدمی تھا۔ یہ انگریزوں اور امریکیوں کی حکمت عملی تھی کہ بلوچستان کو زبردستی شامل کیا جائے۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ پاکستان سے قبل بلوچ قبائل باہم دست و گریباں تھے اور اس وقت اُن کی کمٹمنٹ اپنے قبائل سے تھی اور اس کے بعد ان کی کمٹمنٹ بلوچستان کے ساتھ ہو گئی؟

ہمارے اجداد پہلے بھی لڑتے رہے اور انھوں نے بلوچستان کا دفاع کیا۔ لیکن ہاں کسی حد تک آپ بھی صحیح ہیں۔

بلوچستان میں 1962,1949,1948اور 1973ء ہونے والے آپریشن کو کیسے دیکھتے ہیں، ان میں کون سا سب سے بدترین تھا؟

جب جب ہم پر حملہ کیا گیا ہے، ہماری طرف سے اُنہیں سخت جواب ملتا ہے۔ ہم اُن کے ساتھ لڑتے رہے ۔شاید ہم اب بھی اتنے متحد نہ ہوں لیکن ہم عوام کی سطح پر کافی متحد ہیں۔ ہمیں لڑنا پڑے گا۔ ماضی میں ہم اتنے متحد نہ تھے ۔ پہلے کوئٹہ کے لئے یہ سوچا جاتا تھا کہ وہاں کوئی بھی لڑ نہیں سکتا۔ لیکن اب آپ دیکھیں کہ وہاں بھی آپ کو مزاحمت کار ملیں گے۔ (مسکراتے ہوئے) یعنی بلوچستان اب تبدیل ہوا۔ ہمارے بچے اب اپنے والدین سے کھلونوں کی جگہ ہتھیار مانگ رہے ہیں۔ یہ بڑی تبدیلی ہے اور ہم پہلے سے بہت زیادہ متحد ہو گئے ہیں۔ اب ہم اس حیثیت میں نہیں ہیں جیسے پہلے تھے۔ اب ہماری موجودہ حیثیت تبدیل ہو چکی ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے لئے آپ کی رائے کیا ہے؟

(طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ) اب آپ بتائیں کہ میں آپ سے کیا کہوں؟ وہ قوم پرست نہیں تھا بلکہ وہ جمہوری، اسلامی سوشلسٹ اور میکاولی تھا (کچھ توقف کے بعد) وہ بس میکاولی تھا۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو بیرونی سپورٹ مل رہی ہے یا نہیں، لیکن ایک تحریک ریاست کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے جب کہ بیرونی سپورٹ حاصل نہ ہو، آپ دیکھیں فلسطین اور کشمیر کو بیرونی سپورٹ مل رہی ہے اور یہاں تک کہ ماؤسٹوں کو بھی انڈیا کا پڑھا لکھا طبقہ سپورٹ کر رہا ہے، آپ کو کون سپورٹ کر رہا ہے؟ یہاں تو آپ کی ایک خبر بھی نہیں چل سکتی ہے؟

ہمیں اس طرح سپورٹ نہیں مل رہی جیسے کہ ملنی چاہیے لیکن ہمارے لئے حوصلہ افزائی ہی بڑی سپورٹ ہے اور آپ کو کیا پتہ کہ گوریلا وار میں کتنی طاقت ہوتی ہے! چے گویرا کے ساتھ کتنی ریاستیں تھیں! ہمارے لوگ اب کافی ٹرینڈ ہو چکے ہیں، انھوں نے طویل جنگیں لڑیں ہیں۔ بیرونی ممالک جہاں جہاں بلوچ بستے ہیں وہ آواز اٹھا رہے ہیں ، یہ ہمارے لئے بڑی سپورٹ ہے۔ (مسکراتے ہوئے) بیرونی ممالک میں اب بلوچ اور سندھی مل کر آواز اٹھا رہے ہیں ۔ میں آپ کو ایک مثال بتاتا ہوں ۔ایک نوجوان کو شادی کرنی تھی اور اس کی منگیتر کی ماں راضی نہیں تھی۔ اس کی ماں نے ایک شرط رکھی کہ ساری رات تم پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے گا اگر تم بچ گئے تو تمہاری شادی کروادی جائے گی۔ وہ سردی کا موسم تھا، لیکن لڑکا بچ گیا۔ آخر میں پتہ چلا کہ اس کمرے میں ایک موم بتی ساری رات جل رہی تھی اور اس کی

حدت کے تصور نے لڑکے کے اندر ایک جذبہ پیدا کیا جس سے وہ بچ گیا۔ ہمارے لئے بھی اتنی سپورٹ کافی ہے۔ رہا یہ سوال کہ انڈیا ہمیں سپورٹ کر رہا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ معمولی سی مدد کو میں سپورٹ کہوں۔ انڈیا کے پاس ایئر پاور ہے، وہ اس میں تو ہماری سپورٹ نہیں کر رہا تو پھر کون سی سپورٹ کر رہا ہے؟! رہی بات ہتھیاروں کی کہ وہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ ماضی میں روس، افغان جنگ کے دوران بہت سے ہتھیار جمع ہو گئے اور اب مارکیٹ میں ہتھیار ملنا کوئی بڑی بات نہیں۔ گوریلا جنگ سے ہی افغانیوں نے روس کو شکست دی۔

لیکن افغان جنگ میں سپورٹ پھر بھی امریکیوں نے کی تھی؟

(مسکراتے ہوئے) ہاں بالکل، لیکن گوریلا جنگ کا ہتھیار بہت مضبوط ہے۔ آپ دیکھیں انھوں نے ہمارے لوگ اغواء کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چند سو ہیں' میں کہتا ہوں کہ وہ ہزاروں میں ہیں، جنہیں ختم کیا گیا ہے اور کچھ زندہ بھی ہیں۔

لاپتہ افراد کے حوالے سے سپریم کورٹ نے قدم اٹھایا ہے، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اس پر عمل کرا سکیں گے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے اس مسئلے کو اہمیت کتنی دی ہے؟ اور نہ ہی اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ محاذ آرائی کر سکے۔ اس ملک میں جمہوریت اور عدلیہ ہے ہی نہیں تو وہ ہمیں انصاف کیا دیں گے۔

آپ کے خیال میں تحریک میں زیادہ اہم کردار کس چیز کا ہے؟

تحریک میں فکر، نظریہ اور ہتھیاروں کے ساتھ جنگ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہمارا اپنا جذبہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آزادی کے لئے ہر بلوچ کو ہتھیار لے کر لڑنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ سوشلزم کے پہلو کا بھی جائزہ لینا چاہئے جس کے ذریعے ایک برابری کا سماج حاصل ہو سکتا ہے۔

آپ نے فکر اور نظریہ کی بات کی اور اس کے لئے تو تعلیم ضروری ہے جو بلوچستان میں انتہائی کم ہے.....

آپ کی نظر میں تعلیم ہے کیا؟ گوریلا جنگ بھی تو تعلیم ہے۔ آپ نے کچھ دیر پہلے شعور کی بات کی اور ہمیں اس کا اچھی طرح علم ہے کہ ہمارے لوگ باشعور ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم اُن اداروں سے تعلیم حاصل کریں جہاں اصل تعلیم ہے ہی نہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ تو آپ کی عدلیہ میں بھی ہے لیکن کیا اُن کا دماغ لینن جیسا ہے؟ لینن بھی تو وکیل تھا۔ کیا آپ موجودہ وکیلوں کو تعلیمی یافتہ کہیں گے۔ تعلیم آپ کے اندر کا جذبہ ہے اور مسلح جدوجہد ہی سب سے بڑی تعلیم ہے۔

حال ہی میں خان آف قلات نے عدم تشدد کی بات کی کہ بلوچستان کے لئے عدم تشدد کا راستہ اختیار کرنا چاہئے؟

(پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے) وہ چھوٹے دماغ کا آدمی ہے اور وہ ایک commodity ہے۔

commodity سے کیا مراد ہے؟

وہ ایک جنس ہے جس کو مارکیٹ میں صرف پیسہ چاہئے۔

خان آف قلات سے بی بی سی نے سوال کیا تھا کہ کیا آپ اپنی الگ ریاست کا مطالبہ کریں گے، تو اس دوران خان آف قلات نے انکار کیا تھا کہ وہ ایسا مطالبہ نہیں کریں گے۔ نواب خیر بخش مری' کیا آپ کو ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ وہ شاید بلوچستان کو اُسی طرح سرداروں میں تقسیم کر دیں جیسے انگریزوں نے برصغیر میں کیا؟

(کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد زمین کو گھورتے ہوئے کہا) دیکھو وہ fifth column کو ضرور استعمال کر رہے ہیں اور ہم سمجھ رہے ہیں۔ قلات ہی تو صرف بلوچستان نہیں ہے اور وہ اب بلوچستان کو تقسیم نہیں کر سکتے کیونکہ اب عام آدمی اس کے خلاف لڑے گا۔ یہ آسان نہیں ہے۔

حیر بیار مری نے کہا ہے کہ آرمی مجھ سے براہ راست بات کرے، آپ اس کو کیسے دیکھتے ہیں؟

(تعجب سے) مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (اس دوران نواب خیر بخش مری کے قریبی ساتھی نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ وہ خبر غلط تھی اور بی بی سی نے اس پر معذرت بھی کی تھی) میں نے آپ سے کہا نا کہ وہ fifth column کو استعمال کرنے کی کی کوشش کر رہے ہیں۔

موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسے کہ افغانستان اپنے مسائل میں گھرا ہوا ہے، وہ سپورٹ کرنے کی position میں نہیں ہے اور ایران کا مزاج تبدیل ہو رہا ہے۔ کیا مستقبل میں ایران بلوچستان کو سپورٹ کر سکتا ہے؟

(مسکراتے ہوئے) ایران ہماری سپورٹ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وہ شروع سے ہمارا دشمن رہا ہے۔ افغانستان کے حوالے سے صرف اتنا ہی کہوں گا کہ وہ ہمارا ایکٹیو دشمن نہیں ہے لیکن گہرا دوست بھی نہیں ہے۔ افغانستان کے ساتھ ہماری روایتی دوستی ہے، اس لئے کہ میرا دادا اُن کی طرف گیا تھا اور میں بھی اُن کی طرف گیا۔ وہاں جلا وطنی کے دوران آپ کو اجازت نہیں ہوتی کہ آپ کہیں آ جا سکیں۔ آپ اُن کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔ وہ سوشلزم کے ساتھ اتنے ایماندار نہ تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے ہمارے ساتھ روایتی دوستی نبھائی۔ ہمیں ان سے کوئی بڑی توقع نہیں ہے۔ ایران نے تو ہمارے وجود کو ہی ختم کرنا چاہا ہے۔

پاکستانی پارلیمنٹ کو کیسے دیکھتے ہیں؟

یہ کوئی پارلیمنٹ ہے جہاں آپ کوئی بات ہی نہ کرسکیں۔ یہاں ووٹ دے سکتے ہیں لیکن ووٹ لینے کے لئے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ یہ کیسا سسٹم ہے؟ سب ڈرامہ ہے۔ عام آدمی کی حیثیت غلام جیسی ہے۔ ہمیں ایسا نظام چاہئے جہاں سب کچھ برابر ہو، اور ایک سوشلزم ہی ہے جو انسان اور جانور کا فرق بتا سکتا ہے۔

پاکستان کا مستقبل کیسا دیکھتے ہیں؟

پاکستان کا مستقبل تاریک ہے۔

70s کے بعد پاکستان کافی کمزور ہوگیا۔ اُس وقت آپ نے بلوچستان کے حقوق کی بات نہیں کی اور آپ نے 70s میں آئین کا ساتھ دیا؟

اُس وقت ہمارے سیاسی شعور میں کمی تھی اور حالات بھی ایسے نہ تھے۔ اس کے علاوہ ہم متحد بھی نہ تھے۔ اب حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ حق مانگنے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ وہ ہمیں گوادر پورٹ کے ذریعے اقلیت میں تبدیل کر رہے ہیں۔

سندھ کے حالات کو کیسا دیکھتے ہیں؟

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر سندھیوں نے غلامی کو کیوں قبول کرلیا ہے۔ انھیں ایسی جمہوریت سے کیا ملے گا۔ ایک چپراسی کی نوکری کے لئے وہ خاموش ہیں۔ آخر وہ (اس غلامی کے خلاف) اٹھتے کیوں نہیں۔

جی ایم سیّد سے متعلق کچھ کہیں گے؟

No Comments

ایم کیو ایم کو کیسے دیکھتے ہیں؟

تم لوگوں کو ایم کیو ایم نے دیا کیا ہے کہ تم نے انھیں گلے لگا لیا ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو نہ خود ٹھیک ہوگا نہ تم لوگوں کو علاج کے قابل چھوڑے گا۔ (ناراضی کے ساتھ) ہم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ہم کراچی کو سنبھالیں گے تو اُس وقت ہمارے خلاف بہت بولا گیا۔ ہم نے یہ جملہ ایک ردِعمل میں بولا تھا کہ اگر تم سندھی حفاظت نہیں کرو گے تو ہم کریں گے۔ مجھے سندھی بتائیں کہ میں کہاں تم لوگوں کے ساتھ جرگہ کروں؟ آخر تم لوگ کس مسیحا کے انتظار میں ہو؟!!

جنرل ضیاء کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، اُس نے تو سب بلوچوں کو آزاد کیا تھا؟

کیا مطلب ہے آپ کا، وہ ایک آمر تھا اور جن کو اُس نے آزاد کیا تھا، وہ قوم پرست نہیں تھے۔

آپ کے خیال میں پہاڑوں میں لڑنے والے، عالمی قوتوں کو شکست دے پائیں گے؟

آپ دیکھیں قوم پرستی یہ نہیں دیکھتی کہ آپ کیسے لڑ رہے ہیں، ہمارے پاس جذبہ ہے اور گوریلا تعلیم ہے ۔ایک دن عالمی قوتوں کو ہم سے براہِ راست بات کرنی پڑے گی۔ جب وہ دیکھیں گے کہ یہ لوگ جنگ بند ہی نہیں کر رہے تو پھر اُن کی ضرورتیں انہیں ہم تک لے آئیں گی۔ بلوچ اب صرف جنگ کرے گا پھر چاہے وہ لامختتم کیوں نہ ہو ۔پاکستان کی نوکریاں اب ہمیں ہرا نہیں سکتیں۔

آپ جلاوطن رہے اور اب بھی ایسا لگتا ہے کہ آپ جلاوطن ہی ہیں؟

بالکل میں جلاوطن ہوں، مجھے سکون تب ملے گا جب میں آزاد ہوں گا۔اور آزادی کا خواب ہم پوری دنیا کے لئے دیکھ رہے ہیں، جہاں ہر انسان آزاد ہو۔ بلوچ مزید غلامی میں نہیں رہے گا۔ اگر ہم نہ لڑے تو پھر اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے سرداری نظام ختم کیا، اِس پر آپ کا کیا خیال ہے؟

وہ خود ایک وڈیرہ تھا اور نپولین کو پسند کرتا تھا۔ (سوال کرتے ہوئے) کیا نپولین اچھا آدمی تھا؟ اُس نے سرداری نظام کے خاتمے کا اعلان صرف سوشلزم کا ڈرامہ رچانے کے لئے کیا تھا۔

پاکستان میں ایک خاندان بالخصوص بھٹو خاندان کو قتل کیا گیا، اس دوران میر مرتضٰی کے قتل کا الزام بینظیر بھٹو پر لگایا گیا۔اس سارے خونی کھیل کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس خاندان کو قتل کیا گیا اور اسٹیبلشمنٹ نے میر مرتضٰی کو قتل کرانا چاہا۔ میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے شک ہے کہ بے نظیر بھٹو کو پتہ تھا کہ میر مرتضٰی کو قتل کیا جائے گا۔ انھوں نے شاید اس سے کہا تھا کہ تم بس خاموش رہو۔ اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ مجھ سے ملنے آئی تو میں نے چاہا کہ اُس سے پوچھوں کہ آخر تمہیں revenge لینے کا خیال کیوں نہ آیا۔ مگر میں نہ پوچھ سکا کیوں کہ وہ دُکھی تھی اور میرے پاس وقت بھی نہ تھا کہ اُس سے پوچھ سکتا۔ میر مرتضٰی سے میں افغانستان میں ملا اور وہ ملنا بھی اتفاقی تھا کہ وہ میرے بیٹے گزین کے ساتھ آیا تھا۔ میں نے اس وقت سوال کیا کہ میر مجھے بتاؤ کہ تمہاری پیپلز پارٹی سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد کچھ لوگ قوم یعنی سندھ کے حوالے سے ہے، تو اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا' پیپلز یعنی پیپلز۔ بس میں نے اُس سے بحث نہیں کی، اس لئے کہ میں ماحول کو ناخوشگوار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آپ خیر بخش مری کو کیسے دیکھتے ہیں؟

(معصومیت سے ہنستے ہوئے) میں فخر کے لحاظ سے بہت مضبوط ہوں، مگر جسمانی طور پر کمزور ہو چکا ہوں ۔ میں لڑ تو نہیں سکتا لیکن مجھ میں جذبہ بہت ہے۔

آپ کس نظریہ کو سپورٹ کرتے ہیں؟

میں اس نظریہ کو سپورٹ کرتا ہوں جو مشہور نہیں ہے۔ اور اس میں ہر ایک برابر ہوتا ہے، کسی کا بھی حق نہیں مارا جاتا۔

اس نظریہ کا نام کیا ہے؟

(قہقہہ لگاتے ہوئے) آپ کو نہیں پتہ؟!

ہم اِسے کیا سمجھیں؟

میں نام لوں گا، آپ لکھ نہیں سکیں گی۔

آپ بتائیں؟

سوشلزم

بالاچ مری کہاں ہے؟

(خوشی سے مسکراتے ہوئے) وہ بلوچستان کے پہاڑوں میں ہے۔

بالاچ کی شہادت ہو چکی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آپ نے اُن کی تعزیت لینے سے انکار کیا تھا۔

(کافی دیر آنسو بہانے کے بعد، کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے) بالاچ ایک تحریک ہے اور وہ میرے لئے زندہ ہے۔ کچھ لوگ مذہبی نقطہء نظر سے کہتے ہیں کہ شہید مرتے نہیں ہیں۔ مجھ سے بلوچ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں بالاچ کی تصویریں ہیں، کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ بالاچ شہید ہے۔

سندھ میں بھی بالاچ کو بہت پیار کیا جاتا ہے۔

یہ بلوچوں کی اور آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے اتنی عزّت دی ہے۔ بالاچ بہت باشعور تھا وہ امریکیوں اور اسٹیبلشمنٹ کو بہت کھٹک رہا تھا۔ اسی لئے اسے راستے سے ہٹایا گیا۔ بالاچ کبھی بھی تھکا نہیں۔ جو سفر ہم گاڑیوں میں کرتے ہیں وہ پیدل چل کے کرتا تھا مگر تھکتا نہیں تھا۔ بالاچ سردار کی اولاد ضرور تھا لیکن اس کا مزاج سرداری نہیں تھا

۔لیکن جو دوسرے بلوچ شہید ہوئے ہیں وہ بھی ہمارے لئے بالاچ ہی ہیں۔ میں نام تو نہیں لے سکتا اس وقت، جنہیں شہید کیا گیا ہے کہ بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مگر وہ سب میرے لئے بالاچ کی طرح ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ بالاچ میرا بیٹا تھا ۔میں نے اُس کا نام بلوچستان کے بہادر کردار پر رکھا تھا۔ بالاچ کی شہادت کا رنگ یہ ہے کہ بلوچستان میں اب عورتیں بھی آزادی کی باتیں کر رہی ہیں۔

بلوچستان کی تحریک کب تک چلے گی؟

جب تک آزادی حاصل نہیں ہوگی، یہ تحریک چلتی رہے گی۔ مجھے نہیں پتہ کہ اس کے لئے کتنا وقت مقرر ہے۔

کیا پہاڑوں میں موجود ناراض نوجوان اپنی ناراضی ختم کرنے پر تیار ہوں گے؟

(خفگی سے) میں اُن کا 'اسپوکس پرسن' نہیں ہوں۔

کیا آپ بات چیت کی کوئی گنجائش رکھتے ہیں؟

کوئی بھی باشعور آدمی یا بلوچ اِن مکاروں کے ساتھ بات نہیں کرے گا۔ میں تو بالکل نہیں کروں گا۔ باقی جن کو شوق ہے جھوٹوں کے ساتھ بات کرنے کا، وہ جا کے باتیں کریں۔ ہم نے جنگ نہیں چاہی تھی لیکن ہمیں قتل کیا گیا۔ وہ خون کی ندیاں بہا کر اور لاشیں بچھوا کر ہم سے کیا توقع رکھیں گے۔ یہاں انصاف نہیں ہے۔ ہمیں ایسا نظام چاہیے جہاں سب برابر ہوں۔

جنرل مشرف نے کہا تھا کہ یہ ستّر کا دور نہیں ہے، لیکن آپ کے جنگ کا انداز وہی ہے؟

گوریلا وار کا سسٹم وہی ہے لیکن جنرل مشرف یاد رکھے کہ ہم بھی ستّر کے بلوچ نہیں ہیں۔

مستقبل کے بلوچستان میں کون سا نظام دیکھتے ہیں؟

ہمارے پاس روایتی سسٹم ضرور ہے، وہ رفتہ رفتہ تبدیل ہوگا۔ جو جنگ کر رہے ہیں وہ ظاہر ہے کہ بلوچستان کو سرداری نظام میں نہیں رکھیں گے۔ وہ باشعور بلوچ ہیں۔ (وہ ایسا نظام لائیں گے) جہاں ہر ایک برابر ہو۔

زندگی کا فلسفہ کیا ہے؟

زندگی صرف عیش و آرام کا نام نہیں۔ انسانی زندگی ایک ایسے نظام کے تحت ہونی چاہیے جہاں انسانیت کی آزادی اور برابری کا نظام ہو۔ میرے لئے زندگی صرف آزادی ہے۔

بلوچوں کو کوئی پیغام دیں گے؟

زندگی بھر پیغام دیے ہیں۔بس اتنا کہوں گا کہ ہتھیار کبھی بھی مت پھینکواور نہ ہی شکست تسلیم کرو۔آزادی کے لئے لڑتے رہو۔بلوچوں کے لئے کہوں گا کہ دن میں عام آدمی کی طرح رہواور رات کو شیر کی طرح دشمن پہ ٹوٹ پڑو۔

آپ کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

بہت کوشش کی ہے مگر سُست ہوں اور اب لکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔لیکن لکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔

آپ کا وقت دینے کا بہت بہت شکریہ۔

ایسا نہ کہیں۔

ہمارے پاس **لڑنے** کے سوا اور کوئی چارہ نہیں

انٹرویو : وینگس

ذریعہ : ڈیلی فرنٹیئر پوسٹ

اشاعت : 10 مئی 2013ء

وینگس: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دنیا اب تک سرد جنگ کا شکار ہے؟ جیسا کہ آپ عالمی سیاسیات کا تجزیاتی

مطالعہ کرتے رہے ہیں، یہ معمول اب بھی ہے؟

خیر بخش مری: دنیا کبھی جنگ سے باہر نکلی ہی نہیں۔ یہ جنگ کبھی سرد تو کبھی گرم رہی ہے۔ سبھی جنگ لڑتے رہے ہیں، خواہ وہ برٹش ہوں یا رومن۔ نہ صرف یہ دونوں بلکہ ان سے قبل بھی بہت سے لوگ جنگ لڑتے رہے ہیں۔ دنیا، دوسروں کے لیے سرد جنگ بنی رہی ہے۔

وینگس: سو، اس وقت دنیا سرد جنگ میں ہے یا گرم جنگ میں؟

خیر بخش مری: کچھ لوگوں کے لیے یہ سرد جنگ ہے اور ہم جیسوں کے لیے گرم جنگ۔

وینگس: آپ کے لیے یہ گرم جنگ کیسے ہے؟

خیر بخش مری: (ہلکی سی مسکراہٹ کیساتھ) بلوچستان میں آپریشن جاری ہے اور ہمیں لاشیں موصول ہو رہی ہے۔ اس لیے یہ ہمارے لیے گرم جنگ ہے۔

وینگس: پاکستان کی تازہ صورت حال سے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ یعنی 2013 کے انتخابات..... آپ خواہ اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں!

خیر بخش مری: میں پاکستان کے وجود کو ہی (دیر پا) نہیں دیکھ رہا۔

وینگس: لیکن یہ عمل تو جاری ہے، حتیٰ کہ آپ خود ماضی میں اس سیاسی عمل کا حصہ رہے ہیں۔ تو اب آپ اس کے متعلق کیا سوچتے ہیں؟ کیا آئندہ حکومت بن سکے گی؟

خیر بخش مری: میں اسے سمجھ نہیں پا رہا۔ سو، میں اسے کیا دیکھوں؟

وینگس: الیکشن 2013؟

خیر بخش مری: پاکستان کا وجود ہی نہیں دیکھ رہا۔

وینگس: خیر یہ آپ کا نقطہ نظر ہو سکتا ہے۔ ان دنوں یہ سسٹم سیاسی عمل کا حصہ ہے اور پاکستان کے چاروں صوبوں میں انتخابات ہونے جا رہے ہیں۔ اگر انتخابات کے نتیجے میں دنیا کے سامنے بلوچستان میں ایک منتخب پارلیمنٹ وجود میں آجاتی ہے تو آپ کہاں کھڑے ہوں گے؟ کیونکہ یہ سیاسی عمل ہے اور کوئی اسے رد نہیں کر سکتا۔ کیا آپ ایسا نہیں سوچتے؟

خیر بخش مری: (جیسے اس کا جواب نہ دینا چاہ رہے ہوں) مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے کہ میں خود کو بے وقوف

بنا رہا ہوں یا عقل مند سمجھ رہا ہوں۔ جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا کہ یہ ریاست کوئی وجود ہی نہیں رکھتی۔ یہاں لوگ اور عوام تو ہیں لیکن میں اسے کیا نام دوں؟ میں اسے ریاست کہوں یا ایک کھیل؟ یا ایک روبوٹ جو کہیں اور سے آپریٹ ہوتا ہے۔ بنگال کہتا ہے کہ پاکستان، امریکہ اور سامراجی طاقتوں کا ایجنٹ ہے۔ تو پاکستان ہے کہاں؟ میں اسے کیا نام دوں؟ یہ فوج ہے یا پنجاب؟ معاف کیجیے (لیکن مجھے بتائیے کہ) یہ آپ کا ہے یا میرا؟! (یہاں انہوں نے سندھی کا فقرہ دہراتے ہوئے کہا) سندھی میں ہم سنتے ہیں کہ قوم کے نام آپ کا پیغام؟ تو پاکستان کہاں ہے؟ پہلے برطانیہ نے اسے چلایا، اب امریکہ چلا رہا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ آپ کس پاکستان کی بات کر رہی ہیں۔

وینگس: گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ اسے امریکہ اور دیگر طاقتیں چلا رہی ہیں.....

خیر بخش مری: میرا مطلب ہے کہ ہم ملک یا ریاست کی تعریف سمجھتے ہیں۔ لیکن یہاں تو پنجابی اور مہاجر خود کو قوم کہتے پھر رہے ہیں۔ یہ کون سی قوم یا ریاست ہے؟ یہاں صرف طاقت کا قانون ہے۔

وینگس: آپ نے عالمی طاقتوں کا ذکر کیا، بعض اوقات ان عالمی طاقتوں کی جانب سے پاکستان کو لالی پاپ دینے کے لیے قوم پرست گروہوں کو دی جانے والی ٹی پارٹیز کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟ کیا یہ ان طاقتوں کا دہرا معیار نہیں؟

خیر بخش مری: مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ کون سپورٹ کر رہا ہے؟

وینگس: بیرونِ ملک مقیم قوم پرستوں کی جانب سے ان کا نرم رویہ، جیسے آپ کے صاحبزادے حیر بیار مری؟

خیر بخش مری: (مسکراہٹ کے ساتھ) میرا خیال ہے کہ وہ ایک انفرادی شخص ہے جو اخلاقی طور پر سپورٹ کر رہا ہے۔

وینگس: خیر.....کیا آپ کو نہیں لگتا کہ خود امریکہ کے اندر تبدیلی آ رہی ہے اور قوم پرست سیاست کے حامی لوگ آگے آ رہے ہیں؟

خیر بخش مری: (قہقہے کے ساتھ) میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ لیکن ایسا کچھ ہو رہا ہے۔

وینگس: کیا آپ نہیں سمجھتے کہ طاقتوں کی بلیک میلنگ ہو سکتی ہے کہ اگر تم ہمارے احکامات قبول نہیں کرو گے

تو ہم ان (قوم پرست قوتوں) کو پورٹ کریں گے؟

خیر بخش مری: (سختی سے) انہیں بلیک میلنگ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ (حکمران) ایک دھمکی کے سامنے فوراً جھک سکتے ہیں، حتیٰ کہ اب چین بھی انہیں آنکھیں دکھا رہا ہے۔

وینگس: کن کو؟

خیر بخش مری: یہ امریکہ کے غلام!

وینگس: سابق آمر پرویز مشرف کے کیس کو آپ کیسے دیکھتے ہیں جو اس وقت کورٹ میں ہے؟ پاکستان کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ اس کے محل کو سب جیل قرار دے دیا گیا ہے۔ کیا اسٹیبلشمنٹ اپنا چہرہ صاف کرنے کے لیے اس کے کیس کو ٹشو پیپر کے طور پر استعمال کر سکتی ہے؟

خیر بخش مری: ججوں نے بلوچستان کے لیے بھی احکامات جاری کیے، کس نے اس پر توجہ دی؟ اسے آپ اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہیں؟

وینگس: پوری دنیا اسے اہمیت دے رہی ہے۔

خیر بخش مری: (پھر مسکراتے ہوئے) یہ بلیوں، چوہوں، شیروں اور کتوں کی دنیا ہے۔ یہ ایک منقسم دنیا ہے۔ طاقت ور چوہوں اور بلیوں کو مار ڈالتے ہیں۔ آپ سعودی عرب اور دوسری عالمی طاقتوں کو دیکھ لیں۔ ان کے پاس کتنی قوت ہے؟

وینگس: تو گویا آپ مشرف کے کیس کو اہمیت دینے کو تیار نہیں؟

خیر بخش مری: مشرف نے کہا کہ یہ (سب) پوری فوج نے مل کر کیا تھا اور کبھی کہا کہ یہ ایک آدمی نے کیا۔ تو یہ کیا ہے؟ یہ کیا کس نے؟ تو کیا سب ملوث تھے؟..... آپ ایسے سوالات کیوں پوچھ رہی ہیں؟

وینگس: کیونکہ دنیا مشرف کے کیس کو سمجھنا چاہ رہی ہے.....

خیر بخش مری: کون سی دنیا؟

وینگس: کم از میں تو یہ نہیں کہہ سکتی کہ بلیوں اور کتوں کی دنیا۔ میں اپنی صحافتی دنیا کی بات کر رہی ہوں۔ مری صاحب، اس کا کیس آپ کے نزدیک کچھ نہ سہی، لیکن یہ مشرف تھا جس نے بلوچستان کے لیے خونی پالیسی تشکیل دی۔ آج تک کوئی آمر کورٹ کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ مشرف کیس میں یہ پہلی بار ہوا ہے، اب بھی آپ تبدیلی نہیں دیکھ

رہے؟ نادیدہ ہاتھوں نے جنہیں اسٹیبلشمنٹ کہتے ہیں، 1948 سے بلوچستان کے ساتھ ناروا سلوک رکھا۔ آج پہلی بار ایک آمر عدالت کے سامنے ہے۔ کیا یہ سب ایک ڈرامہ ہے؟

خیر بخش مری: میں اسے کسی صورت تبدیلی نہیں کہوں گا۔ ہاں آپ اسے ڈرامہ کہہ سکتی ہیں۔ اسے کبھی بھی سزائے موت نہیں ہوگی۔

وینکس: اگر مشرف آپ کے ہاتھ لگ جائے تو آپ اُس کے ساتھ کیا کریں گے؟

خیر بخش مری: (خوشی سے ہنستے ہوئے) اگر وہ میرے ہاتھ لگ جائے.....وہ اسے کبھی بھی میرے ہاتھ لگنے نہیں دیں گے۔ مجھے سوچنا پڑے گا کہ مجھے اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔

وینکس: مشرف نے کہا کہ بے نظیر بھٹو اور اکبر بگٹی کو اس نے نہیں مارا، انہیں کس نے مارا؟

خیر بخش مری: اگر اس نے نہیں مارا تب بھی اس نے پشتون اور پنجابیوں کی طرف اشارہ کر دیا (کیونکہ پشتون بھی فوج میں ہیں) ہم بلوچ تو یوں بھی محکوم ہیں۔ (یہاں اچانک خیر بخش مری 'نیا پاکستان' کا تذکرہ لے بیٹھے اور کہا مجھے تعجب ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں وہ نیا پاکستان بنائیں گے، کم از کم وہ پہلے واضح کر دیں کہ پرانا پاکستان کیا ہے؟)

وینکس: یہ ایک سیاسی نعرہ ہے، فی الحال ہم اس پہ بات نہیں کرتے۔ تو مری صاحب، اختر مینگل چھ نکات لے آئے اور لوگ انہیں شیخ مجیب کے چھ نکات سے جوڑتے رہے۔ آپ اس سے متعلق کچھ کہنا پسند کریں گے؟

خیر بخش مری: اصل نقطہ تو بھلا دیا گیا۔ پہلے وہ (اختر) اپنا مقام (Status) واضح کرے۔ بلوچ تو بیرونِ ملک بھی ہیں، بلوچ پہاڑوں میں بھی ہیں اور بلوچ، بلوچستان میں بھی ہیں۔ اختر مینگل تو سرکار کا آدمی ہے۔

وینکس: کون سی سرکار؟

خیر بخش مری: وہ سرکار جو سرکار میں نہیں، پھر بھی سرکار ہے۔

وینکس: اختر مینگل نے ایک بیان میں کہا کہ اس کے والد اس بات پر راضی تھے کہ.....(یہاں خیر بخش مری نے بات کاٹتے ہوئے کہا، آپ مجھے ان سے لڑانا چاہ رہی ہیں؟) نہیں، نہیں مری صاحب، میں صرف تاریخی ریکارڈ مرتب کر رہی ہوں۔ کیونکہ آپ ایک تاریخی شخصیت ہیں اور میں آپ کے الفاظ تاریخ کے صفحات پہ محفوظ کرنا چاہ رہی ہوں۔

خیر بخش مری: (مسکراتے ہوئے) تو یہ ایک جوا ہوا۔۔۔۔۔

وینگس: بالکل نہیں۔۔۔۔۔ ویسے تو خیر زندگی خود ایک جوا ہے۔ میں آپ سے یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ بھٹو نے سرداری نظام کے خلاف 1976ء میں ایک آرڈیننس منظور کیا۔ جبکہ اختر مینگل کہتے ہیں کہ ان کے والد سرداری سسٹم کا خاتمہ چاہتے تھے لیکن بھٹو کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ مینگل کی سیاست سرداری نظام کے خاتمے کی بات کر سکتی ہے؟

خیر بخش مری: سرداری نظام صدیوں سے رائج ہے۔ اسے ختم کرنا خاصا مشکل ہے۔ اس میں وقت لگے گا، اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ بھٹو نے فیوڈل سسٹم کے خاتمے کی بات کی لیکن اب بھی فیوڈل لارڈ طاقت میں ہیں۔ اور صرف سردار ہی کیوں گنتی میں آتے ہیں۔ یہاں چوہدری، خان اور وڈیرے بھی تو ہیں۔ لوگ مجھ سے سرداری نظام سے متعلق پوچھتے ہیں۔ (میں کہتا ہوں) ہم اس کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ایک انقلاب کی ضرورت ہے۔

وینگس: ہم برصغیر کی بات کرتے ہیں۔ یہاں فیوڈل سسٹم موروثی اور خاندانی ہے۔ اگر بلوچستان میں انقلاب آ جاتا ہے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں قبائلی نظام کا خاتمہ ہو جائے گا؟

خیر بخش مری: ایسا ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔

وینگس: آپ کو برا نہیں لگتا جب لوگ آپ کو سردار کہتے ہیں؟

خیر بخش مری: سردار ایک روایتی نام ہے۔ اب لوگ مجھے نواب کہتے ہیں۔ یہ ٹائٹل برطانوی حکومت کا دیا ہوا ہے۔ حالانکہ برطانوی حکومت میں یہ نہ تھا۔

وینگس: کیا آپ کو غصہ آتا ہے جب لوگ آپ کو نواب کہتے ہیں؟

خیر بخش مری: سارے غصے اب ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔

وینگس: ہم نے سنا کہ بے نظیر بھٹو اور اکبر بگٹی مرحوم کے قتل کی ایف آئی آر درج ہوئی۔ لیکن بالاچ مری کے لیے کوئی ایف آئی آر نہیں..... کیوں؟

خیر بخش مری: میں اگر بے نظیر بھٹو کے کیس سے متعلق کچھ کہوں تا شاید سندھی عوام کو برا لگے۔ اکبر بگٹی اور بالاچ دونوں اجتماعی مفاد کے لیے مارے گئے۔

وینکس: بے نظیر بھٹو کو کس نے مارا؟

خیر بخش مری: میرے خدشات ہیں، میرے پاس کوئی ثبوت نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اسے ملاؤں نے مارا۔

وینکس: آپ کو نہیں لگتا کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ماری گئی، اور دہشت گردی پہ کوئی ایف آئی آر نہیں ہوتی۔

خیر بخش مری: میرا خیال ہے دہشت گردی کا مطلب ہے؛ جب لوگ آپ کے نام سے خوف زدہ ہوں۔ یہ ٹارگٹ کلنگ کی شکل میں ایک حکومتی ٹول ہے؛ خواہ اسے ریاست استعمال کرے یا انتہاء پسند ملا استعمال کریں۔ دہشت گردی تو بلوچستان میں ہے؛ جہاں ہم مسخ شدہ لاشیں وصول کر رہے ہیں۔ آپ تصور نہیں کر سکتیں لیکن یہ دہشت گردی بلوچستان میں ہو رہی ہے۔

وینکس: بلوچستان جل رہا ہے اور اب وہاں انتخابات ہو رہے ہیں؟

خیر بخش مری: (ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ) کون سے انتخابات؟

وینکس: آپ نے دہشت گردی کی بات کی۔ حال ہی میں بلوچستان میں لشکر جھنگوی کی جانب سے ہزارہ برادری کے خلاف دہشت گردی کے حملے ہوئے۔ اس کے پیچھے کیا اسباب ہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب طے شدہ ہے اور بلوچستان کے حقیقی مسائل سے توجہ ہٹانے کی سازش ہے؟

خیر بخش مری: یہ لوگ حکومت کے نزدیک ہیں۔ سعودی عرب اور ایران کے بلوچستان میں اپنے مفادات ہیں۔ بلوچوں نے ان قوتوں کو دوسروں سے زیادہ تکلیف میں ڈالا ہوا ہے۔ اگر بلوچستان، پاکستان میں نہیں رہتا تو پاکستان بھی نہیں رہے گا۔

وینکس: آپ نے افغانستان میں خاصا وقت گزارا۔ کیا آپ مقامی افغان اور طالبان یا مجاہدین میں کوئی فرق کرتے ہیں؟ مطلب کیا یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں؟

خیر بخش مری: مقامی افغان کون سے ہیں؟ ہزارہ پشتون، ازبک یا تاجک؟

وینکس: آپ کسے کہیں گے؟

خیر بخش مری: اب آپ پھر مجھے ان سے لڑوائیں گی۔

وینکس: نہیں مری صاحب، میں صرف وضاحت چاہ رہی ہوں۔

خیر بخش: میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

وینکس: افغانستان میں بعض قبائل ہندوستان کے بہت قریب ہیں؟

خیر بخش مری: اگر میں سوال پوچھوں اور آپ کو جواب دینا پڑ جائے تو؟

وینکس: (ہنستے ہوئے) نہیں شکریہ۔ سوال مجھے پوچھنا ہے۔

خیر بخش مری: آپ مجھے ان سے لڑا کر رہیں گی۔

وینکس: اب یہ کیا بات ہوئی؟

خیر بخش مری: یقیناً بھارت، پاکستان کو مشکل میں ڈالے گا۔ اور آپ مجھ سے اقوام کا پوچھ رہی ہیں۔ اس پر تو لوگوں کو تحقیق کرنی چاہیے۔

وینکس: میں نے یہ پڑھا ہے کہ اگر انڈیا اور ایران مل کر چاہ بہار پورٹ بنا لیتے ہیں تو ایران اور افغانستان اس سے منسلک ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں پاکستان کا روٹ اپنی اہمیت کھو دے گا۔ یہ جنوبی ایشیا میں ایک تبدیلی کا سبب بن رہا ہے؟

خیر بخش مری: پاکستان کہاں ہے؟ یہ تو کچھ عالمی طاقتوں کا نام ہے۔

وینکس: آپ پاکستان کے وجود سے انکاری ہیں۔ اگر یہاں انتخابات کے نتیجے میں پارلیمنٹ بن جاتی ہے تو وہ یہ کہیں گے کہ بلوچ عوام پارلیمانی طرزِ سیاست پر یقین رکھتے ہیں، کہ ووٹ کی اپنی اہمیت ہے اور یہ سیاسی عمل کا حصہ ہے۔ تب آپ اس کا سامنا کیسے کریں گے؟

خیر بخش مری: پاکستان کہتا ہے کہ بلوچ کیونکہ مسلمان ہیں، اس لیے ہمارے دوست ہیں۔ کیا کسی کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے؟ ایک عرصے سے یہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہم افغانستان میں حامد کرزئی کی حکومت دیکھتے ہیں۔ کیا آپ اسے عوامی حکومت کہیں گی؟

وینکس: لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو پہاڑوں میں لڑ رہے ہیں، بالآخر وہ تھک جائیں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

خیر بخش مری: اگر جوان تھک گئے تو ہم بوڑھے بلوچ تو بہت تھکے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہیں، پہلے ہم تھکتے ہیں یا پہاڑ والے۔

وینگس: اگر اختر مینگل منتخب ہو کر پارلیمنٹ پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلوچ مسئلے کا حل پارلیمنٹ میں ہے تو آپ کا اُن کے ساتھ نرم رویہ اور اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ سخت رویہ کیا ہوگا؟

خیر بخش مری: بلوچ اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور یہ اسی طرح کھڑے ہوتے رہیں گے۔ اب صرف ایٹم بم ہی انہیں ختم کر سکتا ہے۔

وینگس: حل کہاں ہے؟ پہاڑوں میں یا میز پر؟

خیر بخش مری: مجھے نہیں پتہ، نہ ہی میں اس پر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ اگر ہم ٹیبل پر آتے ہیں اور تحریکیں حتمی راستے کے لیے یہاں تک آتی ہیں (جب ہم یہاں تک آئے) تو یہ معاملہ اُس وقت دیکھیں گے۔ اِس وقت یہ ایک متاثرہ خطہ ہے اور تباہ شدہ ہے۔ کون جیتتا ہے، کون ہارتا ہے۔ ایران، چین اور افغانستان کبھی امن سے نہیں رہیں گے۔ وہ اس خطے میں کبھی پُر امن بیٹھ ہی نہیں سکتے۔

وینگس: کون نہیں بیٹھ سکتے؟

خیر بخش مری: وہی جو بلوچستان میں یہ سب کر رہے ہیں۔

وینگس: آپ کا مطلب ہے کہ جو پہاڑوں میں لڑ رہے ہیں، وہ کبھی انہیں پُر امن راستہ نہیں دیں گے؟

خیر بخش مری: میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

وینگس: آپ نیپ (نیشنل عوامی پارٹی) کے ممبر ہے، اس پر پابندی عائد کی گئی، کیونکہ وہ افغانستان کے قریب تھی اور نظریہ پاکستان کے خلاف تھی.....

خیر بخش مری: وہ میری زندگی کے ابتدائی ایام تھے۔

وینگس: کیا افغانستان، بلوچستان پر اثر انداز ہوتا ہے؟

خیر بخش مری: عمومی طور پر یہ اثر انداز ہوتا ہے لیکن اب ایران اور افغانستان، بلوچستان میں محدود ہو گئے ہیں۔ ایران، افغانستان اور سندھ کے پاس ہماری سرزمین ہے لیکن جیسا کہ جی ایم سید نے کہا کہ سرحدوں پر بات نہ کی جائے۔

وینگس: جیسے آپ نے کہا کہ آپ بات کریں گے تو سندھی خفا ہوں گے؟

خیر بخش مری: بالاچ نے ایک بار کہا تھا کہ کراچی ہمارا ہے تو سندھیوں نے کہا کہ سرحدوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔

وینکس: اور کون سی سرحدیں ہیں جن پر بالاچ نے دعویٰ کیا؟

خیر بخش مری: (مسکراتے ہوئے) اسے اب رہنے دیں۔

وینکس: لاپتہ افراد کے مسئلے کا حل کیا ہے؟ وہ کہاں سے برآمد ہو سکتے ہیں؟

خیر بخش مری: قبرستان سے برآمد کیا جا سکتا ہے۔

وینکس: کون برآمد کر سکتا ہے؟

خیر بخش مری: امریکہ کے غلام۔ وہ خود کہتا ہے کہ مہاجر جناح صوبے کے لیے کہہ رہے ہیں۔

وینکس: آپ سرحدوں سے متعلق دعویٰ کرتے ہیں تو.....

خیر بخش مری: سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں یہ سوال کس قدر برمحل ہے؟۔۔۔۔اب آپ مہاجروں کو جگہ دے چکے ہیں۔

وینکس: فرض کریں اگر بلوچستان آزاد ہو جاتا ہے اور پاکستان تقسیم ہو جاتا ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس صورت میں ریاستوں کے مابین جنگ یعنی سول وار شروع ہو سکتی ہے؟ ماضی میں برصغیر کی تقسیم کی صورت میں، اس کے مسائل کو ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔

خیر بخش مری: بلوچ اور سندھیوں کے مابین سول وار؟

وینکس: نہیں ریاست بمقابلہ ریاست.....

خیر بخش مری: آپ کا مطلب ہے بلوچ اور سندھی یا سندھی بلوچ؟

وینکس: میں آپ سے یہ پوچھ رہی ہوں کہ اگر اتفاق سے پاکستان تقسیم ہو جاتا ہے اور تمام صوبے آزاد ریاستیں بن جاتے ہیں، جب کہ تمام صوبے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں تو کیا اس کے نتیجے میں وسائل پر دسترس کی جنگ شروع نہیں ہو جائے گی؟

خیر بخش مری: ہاں، جنگ تو اس خطے میں جاری ہے۔ تمام طاقتیں دوسروں کے وسائل پر قبضہ چاہتی ہیں۔

وینکس: تو نتیجتاً جنگ ہو گی یا امن؟

خیر بخش مری: امن ہوگا، اور جنگ ہوگی۔

وینگس: آپ امریکہ پہ کیوں تنقید کرتے ہیں، جب کہ بیرونِ ملک مقیم بلوچ بھی جمہوری ریاستوں کی جانب نرم رویہ رکھتے ہیں، اور آپ مارکسسٹ خیالات کے حامل ہیں۔ تو کیا آپ کے اور بیرونِ ملک بلوچوں کے مابین کوئی ابلاغی خلیج (GapCommunication) ہے؟

خیر بخش مری: میں سیدھی بات کرتا ہوں۔ آپ جیسے لوگ آتے ہیں اور بات کرتے ہیں (تو میں کہتا ہوں) روس اور امریکہ دونوں شیر ہیں۔ اور طاقت ور، کمزور کو نقصان ہی پہنچاتا ہے۔ شیر کبھی چوہے نہیں کھاتا، چوہے کسی اور کی خوراک بنتے ہیں۔

وینگس: لوگ ہم سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ وفاقی حکومت سے فنڈز ملنے کے باوجود بلوچ رہنماء ترقیاتی کام نہیں کرواتے۔ جیسا کہ مشرف اور پی پی پی کی حکومت میں بے تحاشا فنڈز جاری ہوئے؟

خیر بخش مری: طاقت ور ہمیشہ کمزور سے یہ کہتا ہے کہ ہم اسے ترقی دیں گے۔ وہ ہمیں مزید کمزور بنا رہے ہیں۔ کالونیاں اور غلام کیسے بنائے جاتے ہیں؟ کیا حکمرانوں نے اپنی جیب سے پیسہ دیا ہے؟ کون انہیں روڈ اور ہسپتال دیتا ہے کہ یہ غریب لوگ ہیں؟ جب برطانوی آئے تو انہوں نے برصغیر کو سونے کی چڑیا کہا لیکن جاتے جاتے وہ اسے 'گنجی چڑیا' بنا گئے۔

وینگس: بہت سے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ قبائلی رہنماء ترقیاتی کاموں میں رکاوٹ ہیں؟

خیر بخش مری: قبائل تو طاقت کے آگے بے بس ہیں اور وہ ان کے غلام ہیں۔ سنڈیمن نامی ایک برطانوی کو دلال چاہیے تھے، اور بہت سارے لوگوں نے اس کی آواز پہ لبیک کہا۔

وینگس: ساری دنیا دہشت گردی کے خلاف ہے کہ دہشت گردی کو ختم ہونا چاہیے۔ دہشت گرد جو کہ نان اسٹیٹ ایکٹرز سے زیادہ طاقت ور دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجوہات کیا ہیں کہ یہ دنیا بھر میں بڑھ رہے ہیں؟

خیر بخش مری: چین، روس، یورپ اور امریکہ جیسی عالمی طاقتیں خود سب سے بڑی دہشت گرد ہیں اور یہ دہشت گردوں کو جنم دے رہی ہیں۔

وینگس: آپ سعودی عرب کے کردار کو کیسے دیکھتے ہیں؟

خیر بخش مری: سعودی عرب، امریکہ کا غلام ہے۔

وینکس: کیا آپ کو اس پر یقین آتا ہے کہ امریکہ کے افغانستان میں داخل ہونے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ شروع کرنے پر روس خاموش بیٹھ سکتا ہے؟ جیسا کہ ماضی میں مجاہدین کی دہائی میں روس یہاں ناکام ہو چکا ہے؟

خیر بخش مری: مجھے اس کا یقین نہیں لیکن میری خواہش ہے کہ روس، امریکہ کو مشکل میں ڈالے۔ یہ شاید انسانی فطرت ہے۔

وینکس: صرف افغانستان ہی برطانیہ، روس اور امریکہ کا منظورِ نظر کیوں ہے؟

خیر بخش مری: میں نے سنا ہے کہ اس کے ذریعے وہ گرم پانیوں تک رسائی چاہتے ہیں، اور جیسا آپ نے ذکر کیا کہ یہ وسطی ایشیا اور جنوبی ایشیا کی دولت پر نظر رکھتے ہیں۔

وینکس: صرف امریکہ ہی پر تنقید کیوں؟ جبکہ ناٹو میں تمام عالمی پلئرز موجود ہیں۔ کیا یہ امریکہ فوبیا نہیں؟

خیر بخش مری: (ہستے ہوئے) ہاں، ہمارے بہت سارے بادشاہ ہیں، لیکن آخری فیصلہ امریکہ ہی کا ہوتا ہے، اس لیے میں اسی پر تنقید کرتا ہوں۔ (یہاں خیر بخش نے کہا کہ آپ ایسے عالمی سوال کیوں پوچھ رہی ہیں؟)

وینکس: مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ آپ ان قوم پرستوں کی سیاست پر بھی تنقید کر رہے ہیں جو عالمی طاقتوں کی طرف نرم رویہ رکھتے ہیں۔ کیا آپ اسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ عالمی طاقتوں کی جانب سے، بیرون ممالک مقیم قوم پرستوں کی سپورٹ کے بعد ہی بلوچ کیس عالمی منظر نامے پر نظر آیا؟ لیکن کسی ایک پر تنقید کرنا اور باقیوں کو چھوڑ دینا، ایسے ہی جیسے کہ تمام فیوڈل لارڈ استحصال کر رہے ہیں لیکن اگر ہم ایک کو الگ کر دیں اور ایک پر تنقید کریں تو کیا یہ انصاف ہوگا؟

خیر بخش مری: کیا دنیا انصاف کر رہی ہے؟ آپ مجھے کیوں مشکل میں ڈال رہی ہے!

وینکس: بلوچ کو آخر کیوں امداد مل رہی ہے؟

خیر بخش مری: آپ کے خیال میں کون امداد کر رہا ہے؟

وینکس: مجھے نہیں پتہ، میں تو معلوم کرنا چاہ رہی ہوں۔

خیر بخش مری: مجھے سچ بولنا چاہیے یا جھوٹ؟

وینگس: مجھے یقین ہے کہ آپ ہمیشہ اصولوں پہ ڈٹے رہے ہیں۔ اچھا، اگر کوئی شک ہے تو میں پوچھ لیتی ہوں؛ افغانستان میں موجود ہے، تو ہوسکتا ہے انڈیا سپورٹ کر رہا ہو؟

خیر بخش مری: انڈیا صرف بلوچستان کے لیے ایسا کرے گا؟ میرا خیال ہے کہ انڈیا اپنی تجارت اور رہداریوں (Corridors) کے لیے وہاں ہے۔

وینگس: کیا یہ ممکن ہے کہ انڈیا، جنوبی ایشیا میں چین سے اثر و رسوخ حاصل کر لے؟

خیر بخش مری: اگر عالمی طاقتیں مدد کرتی ہیں تو عین ممکن ہے۔

وینگس: چین کی یا انڈیا کی؟

خیر بخش مری: میں مارکیٹ جاتا ہوں تو ہر طرف چین کی چیزیں دیکھتا ہوں۔ حتیٰ کہ چین ہمارا سونا بھی لے جا رہا ہے۔ اب تو بلوچستان کے پورٹ پر بھی ان نے قبضہ جما لیا ہے۔

وینگس: کیا ہم کچھ لمحوں کے لیے تاریخ کی جانب واپس چلیں؟.....ہم دیکھتے ہیں کہ بلوچستان میں بھٹو کے ملٹری آپریشن پر بہت زیادہ تنقید ہوتی ہے۔ کیا بلوچستان میں آپریشن کا وہ واحد ذمہ دار تھا؟

خیر بخش مری: میرا نہیں خیال کہ وہ اکیلا ایسا کر سکتا تھا۔ ہاں لیکن وہ ایک چالاک اور سفاک (Cruel) شخص تھا۔

وینگس: کیا بھٹو اُن لوگوں پر غصہ اتارنا چاہتا تھا جو اُس سے اتفاق نہیں کرتے تھے یا یہ (آپریشن) فوج کی طرف سے کیا گیا؟

خیر بخش مری: میں سمجھتا ہوں کہ یہ فوج کی طرف سے کیا گیا اور ساتھ ہی بھٹو اپنا حاکمانہ کردار برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ بھٹو روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا اور کتنی اداکاری کی۔ اب وہ بے چارہ نہیں رہا اور اب بلاول بھٹو زرداری.....کیا ہو گیا!!

وینگس: اس میں کیا مسئلہ ہے اگر وہ اپنی ماں کا نام استعمال کرتا ہے۔ میں خود اپنی ماں کا نام استعمال کرتی ہوں، اور میں اپنی ماں کی بیٹی ہونے پر فخر محسوس کرتی ہوں۔

خیر بخش مری: (ہنستے ہوئے) میرا مطلب ہے کہ اگر کسی کی بیوی برطانوی ہو اور اگر اس کے بچے پہلے

برطانوی نام لگائیں اور پھر باپ کا نام، تو کیا یہ مضحکہ خیز نہیں لگتا؟

وینگس: خیر، اسے ہم ایک سیاسی اقدام کہہ سکتے ہیں۔ خیر، اسے چھوڑیں.....ہم زرداری کے اس نقطے پر بات کرتے ہیں جس میں اس نے کہا بلوچوں کو ہمارے صبر سے سیکھنا چاہیے؟

خیر بخش مری: اس وقت وہ اقتدار میں ہے، جب وہ واپس آئے گا، تو ہم اس سے پوچھیں گے۔ (یہاں مری نے بھٹو پر تنقید کرتے ہوئے اسے ایک عورت کی اولاد کہا)

وینگس: کیا آپ انہی چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھٹو کا تجزیہ کرتے ہیں؟

خیر بخش مری: ہرگز نہیں۔ لیکن ہم تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کتنا انقلابی تھا۔

وینگس: کیا بھٹو بنگال کے سانحے میں ملوث تھا؟

خیر بخش مری: میں نے ایسا سنا ہے.....

وینگس: آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں کہ آپ نے سنا تھا؟ آپ اس وقت موجود تھے اور صورت حال کا تجزیہ کر رہے تھے.....

خیر بخش مری: (مسکراتے ہوئے) حقائق اور تجزیے میں فرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ اور انڈیا ہمیں سپورٹ کر رہے ہیں لیکن بھلا کون سی امداد ہم ان سے لے سکتے ہیں؟ ہم آزادی کے حصول تک کسی قسم کی غلامی قبول نہیں کرنا چاہتے۔ یہ امداد کی کوئی شکل نہیں ہے، یہ تو زندگی ہے نہ موت۔

وینگس: لیکن سانحہ بنگال میں کون ملوث تھا؟ کیا وہ مجیب کے چھ نکات کو ہضم نہیں کر پا رہے تھے؟ یا یہ مسلسل ناانصافی کا ردِعمل تھا؟

خیر بخش مری: یہ بنگالیوں کو مزید غلام رکھنا چاہتے تھے لیکن انڈیا نے انہیں آزادی دلائی۔

وینگس: آپ نے آزادی کا لفظ استعمال کیا، تو کیا بنگال غلام تھا؟

خیر بخش مری: اگر انڈیا بیچ میں نہ آتا تو یہ بنگال کو غلام بنا لیتے۔

وینگس: پاکستان میں جمہوریت اور آمریت میں آپ کیا فرق دیکھتے ہیں؟

خیر بخش مری: کیا ہمیں اختر مینگل کے بقول پارلیمنٹ کی ضرورت ہے یا علاج (Treatment) کی؟ انہوں نے اپنی آمریت کو قانونی جواز دینا ہے۔ ان کی پانچ سالہ جمہوریت ناانصافیوں پر مبنی ہے۔ فوج کی اپنی

مجبوریاں ہیں،لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔(جسے جمہوریت کہا جائے۔)

وینگس:2013انتخابات کوآپ کیسے دیکھتے ہیں؟

خیر بخش مری: پہلے انہیں سرمایہ داری کی نوکری چھوڑنا ہوگی۔

وینگس:آپ کے نزدیک سرمایہ داری (سے نجات) کیا ہے؟

خیر بخش مری: کسی انسان کا دوسرے انسان کا غلام نہ ہونا،اور کسی بھی سطح پر انسانوں کا استحصال نہ ہونا۔

وینگس:کون سی فلاسفی دیرپا ہے؛تشدد؟ جیسا کہ مہاتما گاندھی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

خیر بخش مری: اس میں کوئی شک نہیں کہ مہاتما گاندھی نے اپنے لیے میدان بنایا اور ایک تبدیلی پیدا کی لیکن عدم تشدد بعدازاں تشدد میں بدل گیا۔

وینگس:آپ مرحوم اکبر بگٹی اور عطاء اللہ مینگل کو کیسے دیکھتے ہیں؟

خیر بخش مری: میں نے دورانِ تعلیم مرحوم اکبر بگٹی کے ساتھ کچھ وقت گزارا۔عطاء اللہ مینگل کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔نہ تو سوشلسٹ ہے نہ نیشنلسٹ۔

وینگس:تو وہ کیا ہیں؟ کوئی نام تو دینا چاہیے؟

خیر بخش مری: (ہنستے ہوئے) مجھے کانٹوں میں مت گھسیٹو۔

وینگس:سندھ اور بلوچستان میں انتہاء پسند گروہ بڑھ رہے ہیں۔اس کے اسباب کیا ہیں؟ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ دیگر کچھ قوتوں کے مقابلے میں فورسز انہیں بڑھاوا دے رہی ہیں؟

خیر بخش مری: مجھے سمجھ نہیں آتا۔ان کا دورانیہ شاید مختصر ہو اور اثرات دیرپا نہ ہوں۔

وینگس:سندھ اور بلوچستان کی سیاست کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

خیر بخش مری: سندھ کے پاس تعلیم ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ ایک مضبوط اور بالغ قومی سیاسی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ہم بلوچوں کے پاس جذبہ (Sprit) ہے۔

وینگس:محض جذبہ کب تک زندہ رہ سکتا ہے؟

خیر بخش مری: ہم انہیں بیدار کر رہے ہیں۔ہمارے لوگوں کے پاس جذبہ ہے لیکن انہیں تعلیم کی ضرورت ہے۔نہ صرف ڈگری بلکہ سوشسلٹ تعلیم۔علاوہ ازیں ہمارے وسائل محدود ہیں لیکن ہمارے جوش وجذبے نے ہمیں

زندہ رکھا ہوا ہے۔

وینکس: بلوچستان میں صحافی مارے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں کہا گیا کہ آزادی پسند گروہ بھی ان کے قتل میں ملوث ہیں۔ میرے پاس اس کے کوئی ثبوت نہیں لیکن میں یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ اس میں کتنی حقیقت ہے؟ اگر ایسا ہو رہا ہے تو آپ کے خیال میں، اس کے کے نتیجے میں آپ کی جدوجہد پر تنقید نہیں ہوگی؟

خیر بخش مری: میں قتل و غارت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔ (اچانک خیر بخش مری کے آدمی نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ فوج کی حامی مسلح دفاع کونسل صحافیوں کے قتل کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔)

وینکس: آپ نے کہا شاید مذہبی عناصر نے بے نظیر بھٹو کو قتل کیا ہو۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ مذہبی عناصر اس قدر مضبوط ہیں کہ کسی کی مدد کے بغیر یہ سب کر سکیں؟

خیر بخش مری: میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے۔ فوج کے اندر مذہبی عناصر موجود ہیں اور آئی ایس آئی کے اندر بھی ہیں۔ امریکہ اس میں مدد نہیں کرے گا، اور فوج تو ہے ہی مذہبی۔

وینکس: سیاست کیا ہے؟

خیر بخش مری: آزادی، مساوات اور انسانیت۔

وینکس: بلوچستان کی سیاست کیا ہے؟

خیر بخش مری: اختر مینگل اور رئیسانی یہ سب پاکستانی سیاست کا حصہ بننا چاہتے ہیں اور یہ موقع پرست ہیں۔ کیا جمہوریت ان کی ضرورت یا ان کا یقین ہے؟ پہاڑوں میں لڑنے والے بلوچ، بلوچستان کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اختر مینگل کا کہنا ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعے تبدیلی لائے گا، اور یہ کہ وہ نواز شریف کے ایٹمی دھماکوں سے بے خبر تھا۔ (وہ کہتا ہے) اگر دوسروں نے بندوق اٹھائی تو ہم بھی بندوق اٹھائیں گے اور دوسرے بات کریں گے تو ہم بھی بات کریں گے۔

وینکس: بلوچستان اور سندھ کی سیاسی صورتحال کہاں جائے گی؟

خیر بخش مری: مجھے یقین ہے کہ دونوں عملی جدوجہد کا حصہ بنیں گے اور مشترکہ باہمی مسائل حل کریں گے۔

وینکس: آپ نے کہا کہ آپ قتل و غارت پسند نہیں کرتے، جب کہ جو پہاڑوں میں ہیں وہ لڑ رہے ہیں۔ کیا آپ

نہیں سمجھتے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ صورت حال کا حل سیاسی انداز میں نکالا جائے؟

خیر بخش مری: میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور میں ان کی طرف سے بات نہیں کر سکتا۔ ہم نے ان (حکمرانوں) سے بہت بار دھوکہ کھایا۔ نوروز خان کے ساتھ کیا کیا؟ پھر نیپ کے ساتھ؟ اور قرآن بیچ میں لے آئے لیکن پھر بھی ان کی وحشیانہ طاقت ختم نہیں ہوئی۔ ہم بات نہیں کریں گے۔ نیلسن منڈیلا نے ایک دفعہ لکھا کہ اے سفید فام! ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں اور انہیں اندازہ ہوا کہ وہ تھک چکے ہیں اور شکست کے معاہدے پہ دستخط کر رہے ہیں۔ سو، ہم تو ہرگز بات نہیں کریں گے۔

وینکس: آپ لڑنے کو ترجیح دیں گے؟

خیر بخش مری: نہیں، (بات ترجیح کی نہیں) ہمارے پاس لڑنے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ میں ذاتی طور یہ سمجھتا ہوں کہ ابھی بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔

وینکس: کیا مسٹر جناح سیکولر تھے؟

خیر بخش مری: آن نے پہلے مجھ سے اس کے 'چھوٹو' (Broth) بھٹو کے متعلق پوچھا، اب مسٹر جناح..... یہ آپ ان کے رشتے داروں سے پوچھیں، مجھے کیا پتہ۔

وینکس: کیا 11 مئی کو بلوچستان میں انتخابات ہوں گے؟

خیر بخش مری: جو پاکستان چاہتے ہیں، وہ ووٹ دینے جائیں گے، جنہیں اس کی ضرورت نہیں، وہ ووٹ نہیں دیں گے۔

وینکس: آپ 11 مئی کو کیا کریں گے؟

خیر بخش مری: (بلند آواز میں ہنستے ہوئے) آپ انڈر گراونڈ سرگرمیاں جاننا چاہ رہی ہیں؟

وینکس: نہیں، نہیں۔ چلیں یہ بتائیں 11 مئی کو بلوچستان میں لوگ کیا کریں گے؟ کیا محض ٹی وی دیکھیں گے؟

خیر بخش مری: میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بلوچ اپنی جانیں دے رہے ہیں، اس لیے ووٹ ڈالنے سے پہلے بلوچوں کو سوچنا ہوگا۔ میں انہیں ووٹ نہ ڈالنے کا ہی کہوں گا۔

وینکس: شکریہ۔

خیر بخش مری: مجھے خوشی ہوئی، آپ کا شکریہ۔

خیر بخش مری: **اشتراکیت** اور مرغوں کی لڑائی

مصنف : سیلگ ہیریسن

کتاب : قومی تحریکیں اور بلوچستان

اشاعت : 1990ء

ترجمہ : مسعود بخاری

◆ مری قبیلے کے سردار کا مسلح بلوچ قومی تحریک کی وکالت کرنا کوئی حادثاتی یا انوکھی بات نہیں۔ خیر بخش دوم

کی زندگی اپنے بزرگوں کی تقلید ہے۔جن میں اس کا دادا خیر بخش اعظم جس نے انیسویں صدی میں برطانوی حکومت کے خلاف بلوچ مزاحمت کی رہنمائی کی اور اس کا باپ مہراللہ خان مری جس نے 1947ء کے انتقالِ اقتدار سے قبل کے عشرے میں برطانیہ کے خلاف زیرِ زمین سیاسی تحریک کی قیادت کی، شامل ہیں۔مری بیرونی اقتدار کے خلاف بلوچ جدوجہد میں اپنے مرکزی کردار پر نازاں ہیں جبکہ دوسرے بلوچ قبائل جوانہیں اعلیٰ نسل کے احساسِ برتری کا شکار بتاتے ہیں، کے خیال میں یہ احساسِ تفاخر حد سے زائد ہے۔بلوچوں کا سب سے بڑا اور کثیر التعداد قبیلہ ہونے اور صوبے کے جنوب مشرق میں 3300 مربع میل فوجی لحاظ سے حساس خطے میں آباد ہونے کے باوصف خود کو بلوچ تحریک کا ہراول دستہ سمجھتے ہیں۔ان کا یہ احساس 77-1973ء کے ٹکراؤ میں اپنے مرکزی کردار کی بنا پر مزید پختہ ہوگیا ہے۔

حکومت کی جانب سے اس کے مرتبے اور حیثیت کو نقصان پہنچانے کی پے در پے کوششوں کے باوجود مری کی اپنے قبیلے پر گرفت بہت سخت ہے، جس سے اُسے قومی تحریک کے لئے مضبوط بنیادیں فراہم ہوئی ہیں۔مہراللہ سب سے بڑا بیٹا ہونے کے باعث وہ موروثی طور پر مری معاشرے کا غیر متنازعہ قبائلی قائد قرار پایا۔ایک امریکی ماہرِ عمرانیات نے مری معاشرے میں سردار کی عزت وتکریم کو بہت متاثر کن قرار دیا ہے۔اس کے خیال میں بعض اوقات تو یہ لوگ اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سردار ماورائی اوصاف کا مالک لگتا ہے اور اُس کو اِس قدر عزت بخشی جاتی ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں کسی اور جگہ اولیا، صوفیا اور مقدس شخصیات کے لئے مختص ہے۔

پچاس کے پیٹے میں، دبلا پتلا، دراز قد، خوش فہم، فہم وفراست کا ملک اور گمراہ کن حد تک حلیم الطبع مری ایک خوش بیان مقرر اور قوم پرست تحریک کا موثر نقیب ہے۔تاہم اسے روز مرہ کی سیاسی سرگرمیوں اور مشکلات میں اکثر اوقات متذبذب اور بعض مقام پر سادہ لوح پایا گیا ہے۔وہ بین الاقوامی دانشورانہ ذوق کا مالک ہے (ٹائم، نیوز ویک، لندن اکنامسٹ اور ان کے ساتھ ساتھ مارکسسٹ جریدوں کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔) 1972ء کی سیاسی جلاوطنی سے قبل دوبار امریکہ اور برطانیہ کا دورہ کرچکا ہے۔تاہم اس کا طرزِ زندگی ہر لحاظ سے بلوچ ہے۔وہ روایتی لباس پہنتا ہے۔حتیٰ کہ بیرونِ ملک مغربی ممالک میں بھی وہ مرغوں کی لڑائی کا اَز حد شوقین ہے، جو بلوچوں کا وقت گزارنے کا روایتی مشغلہ ہے۔

تیسری دنیا کے دوسرے قوم پرستوں کے برعکس، جن کی نظریاتی راہ عام طور پر کالج کی تعلیم کے دوران ہی متعین ہوجاتی ہے، مری نے سیاسی میدان میں تاخیر سے قدم رکھا۔اس کے سابقہ ہم جماعت جو اُسے اپنی سن کے

زمانے سے جانتے ہیں، مری کو آزادی سے قبل ہندوستان کے مخصوص حکمران طبقے کے خوش مزاج، خوش قسمت اور کھلنڈرے جوان کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ پاکستان میں ہندوستان کا سفیر شنکر باجپائی اُسے 1977ء کے سفارتی استقبالیے میں بمشکل پہچاننے میں کامیاب ہوا۔ باجپائی یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ جس زندہ دل نوجوان کو وہ جانتا تھا، اب حساس سیاسی مجتہد میں تبدیل ہو چکا ہے جو پانچ سالہ قید، تین سال ایوب انتظامیہ کے ہاتھوں اور دو سال بھٹو کے تحت، کے گہرے نفسیاتی اور جسمانی نشان لئے ہوئے ہے۔

ایوب کے جبراً ون یونٹ مسلط کرنے کے منصوبے کی مخالفت کرنے والے سرداروں کی گرفتاری اور 60-1958ء کی جنرل ٹکا خان کی فوجی کارروائی نے مری کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ روزنامہ 'جسارت' کے سیاسی مبصر مختار حسین نے بتایا کہ: 'یہ بالکل صاف اور سامنے کی بات ہے کہ انہوں نے مری کی خودداری کو مجروح کیا ہے اور وہ اسے قطعی فراموش نہیں کرے گا۔' سندھ یونیورسٹی کی ماہرِ سیاسیات ڈاکٹر حمیدہ کھوڑو جو پاکستانی قائدین کے روس کے خیر سگالی کے سفر کے دوران مری سے ملیں، بتاتی ہیں کہ جب ایوب خان نے بلوچستان میں فوج بھجوائی تو خیر بخش مری، کسی قسم کا سیاسی میلان نہ رکھنے والے غیر سیاسی نوجوان سے ایک نظریاتی سوشلسٹ میں تبدیل ہو گیا۔ جو اس غیر یقینی صورتحال، جس میں وہ خود کو گھرا ہوا پاتا تھا، کے جواب اور حل کی شدت سے تلاش میں تھا۔

ایک بار سیاسی شعور بیدار ہونے پر وہ بلوچ صفوں میں سخت موقف رکھنے والی واضح اور موثر آواز کی صورت میں سامنے آیا۔ 1960ء میں اس کی خفیہ امداد ہی نے فراریوں کو چھاپہ مار تحریک کی تشکیل اور مری علاقے میں تربیتی کیمپوں کے جال بچھانے کے قابل بنایا۔ 1968ء میں جب بزنجو اور مینگل، ایوب خان سے سمجھوتے کے لئے تیار تھے تو مری نے اس کی شدید مخالفت کی اور پیچھے ہٹ گیا۔ اور دو سال بعد آخری لمحات میں اپنے شکوک وشبہات کا کھلے عام اظہار کرتے ہوئے یحییٰ خان سے بہتر شراط پر معاہدے کے لئے تیار ہوا جس سے بلوچستان میں انتخابات کی راہ ہموار ہوئی۔

مری، انتخابات میں قومی اسمبلی کی ایک بلوچ نشست پر منتخب ہوا اور بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی کے مختصر دورِ حکومت میں اس کا صدر منتخب ہوا۔ تاہم اسلام آباد سے متعلق اس کے نقطہ نظر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہ فراریوں کو پہاڑوں میں بنیادی ڈھانچہ برقرار رکھنے کے لئے خاموشی سے مسلسل امداد کرتا رہا۔ 1973ء میں جب بزنجو نے بھٹو کے آئین پر دستخط کر دیے تو مری نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کی خود مختاری کی شقیں ناکافی اور بے معنی ہیں۔ مری

کے انکار کو بعد ازاں بلوچ اکثریت کی تائید حاصل ہوئی۔ جب بھٹو نے بیک جنبشِ قلم صوبائی حکومت توڑی اور مرکزی قیادت کو گرفتار کرلیا۔ جب جنرل ضیاء نے بلوچ قیادت کو رہا کیا تو مری بصدِ ردوکد مینگل اور بزنجو کے ہمراہ اسلام آباد سے مذاکرات پر تیار ہوا اور کسی بھی سمجھوتے کی بنیاد کے طور پر چند بڑی پاکستانی مراعات پر اصرار کرتا رہا۔ اس کا اصرار تھا کہ بلوچوں کو نئی فوجی انتظامیہ کی اُس وقت تک حمایت نہیں کرنی چاہئے جب تک ضیا بلوچستان سے فوج کے مکمل انخلاء اور فوجی معرکوں میں نقصان اٹھانے والوں کے لئے معاوضے کی ادائیگی کے لئے تیار نہیں ہو جاتا۔ جب ضیا نے یہ تجاویز ماننے سے انکار کر دیا تو مری کا موقف ایک بار پھر درست ثابت ہوا' اور ایک طرح سے وہ بلوچ مفادات کے مضبوط نگہبان کی صورت اختیار کر گیا۔

پاکستانی حکمرانوں نے بھی اس امر کو خفیہ نہیں رکھا کہ بلوچ قیادت میں مری سب سے زیادہ 'خطرناک' ہے اور مری کو یقین ہے کہ اسے دورانِ اسیری زہر دینے کی کوشش کی گئی۔ گو، اس کی شہادتیں قرائن پر مبنی اور ناقابلِ یقین ہیں۔ اس کے شبہات کا اندازہ اس وقت بھی لگایا جا سکتا تھا جب اس نے 1978ء میں (ہرنیا کے) علاج کے لئے ہسپتال میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور اس کی بجائے اس نے یہ آپریشن بصدِ مشکلات اور اَز حد اخراجات کے بعد قابلِ اعتبار سرجنوں کے ذریعے کوئٹہ میں اپنی رہائش گاہ پر کروایا۔ عطااللہ مینگل نے وضاحت کی: 'اُس کو خدشہ تھا کہ ہسپتال جانے کی صورت میں وہ کسی نہ کسی طرح اُسے قتل کرنے کا بندوبست کرلیں گے۔'

مری کے پاکستانی مخالفین یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ برہم جاگیردار اور نواب ہے، جس نے خوغرضانہ ذاتی وجوہات کی بنا پر ایوب خان اور اس کی جانشینوں کے جدید اصلاحات کے منصوبوں کی مزاحمت کی۔ ون یونٹ کے قیام میں ایوب خان نے تقریباً چالیس قبائلی سرداروں کی حیثیت کو زک پہنچائی اور قبائلی علاقوں کو مرکزی نظام کے تحت لانے کے لئے سرداری نظام کو ناموافق کروایا دیا۔ مری نے اس سلسلے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ذاتی مراعات کی حفاظت کے لئے ایوب خان کی مخالفت نہیں کی اور دلیل دیتا ہے کہ بہت سے سردار، اِن مراعات کو نئے نام سے جاری رکھنے کی صورت میں اپنے مرتبے سے دستبردار ہوئے اور اسلام آباد کی حکومتوں سے تعاون کے لئے تیار تھے۔

مری، مینگل اور دوسرے ترقی پسند سرداروں نے اس قسم کی سودے بازی سے انکار کر دیا اور الزام لگایا کہ اسلام آباد بلوچ خطہ میں جدید اصلاحات نہیں لانا چاہتا بلکہ اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس الزام کے حق میں دلیل کے

طور پر مری، ایوب خان کے ون یونٹ منصوبے کے زرعی اصلاحات کے دعوے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو چند کٹھ پتلی سرداروں کو اپنی گرفت میں لینے کے بعد ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس کے برعکس مری اور مینگل اپنے طور پر زرعی اصلاحات کے نفاذ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ بھٹو نے 1973ء میں منتخب بلوچ صوبائی حکومت کو برطرف کر دیا۔ مری نے تو اپنے قبیلے کے سابقہ سرداروں کے بھاری ٹیکس بھی ختم کر دیے تھے اور اس عمل سے وہ مری قبیلے میں مزید مقبول ہو گیا تھا۔

مری کو اپنے قبیلے کے تخفیف شدہ ٹیکسوں کے علاوہ اپنے باغات کی آمدنی بھی وصول ہوتی ہے۔ 1960ء کے اوائل میں ان باغات سے وصول ہونے والی آمدنی پچاس ہزار روپے سالانہ کے لگ بھگ تھی لیکن اس کی فراریوں کی امداد کے جواب میں ایوب انتظامیہ نے اس کے زرخیز باغات پر بلڈوزر چلوا دیے تھے اور اس کی جائیداد میں سے کچھ کو آگ لگا دی گئی۔ جب مری قید تھا تو بھٹو انتظامیہ نے اس کی آمدنی کے ذرائع، کئی باغات ضبط کر لئے تھے اور اس طرح اس کی آمدن میں مزید تخفیف کر دی گئی۔ اُس کی سادہ سی رہائش گاہ، جہاں اگست 1978ء میں میری اس سے پہلی ملاقات ہوئی، کچی اینٹوں کے بنے ہوئے کئی کمروں، جن میں ایک ائیر کنڈیشنڈ پر مشتمل ہے، یہ کمرے ایک صحن کے گرد بنائے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ دوسری بلوچ رہائش گاہوں کی نسبت آرام دہ ہے لیکن شہر میں دوسرے اسلام آباد کے حامی بلوچ کاروباریوں اور پنجابی ملازمین کی نسبت کہیں سادہ ہے۔

مرکزی حکومت کے ترقیاتی پروگراموں کی مری علاقے تک رسائی میں سردار کی رکاوٹوں پر بلوچوں میں بھی تنقید کی جاتی ہے۔ بزنجو کا نائب محمود عزیز کرد، مری کے نقطہ نظر کے جواب میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: ''دور حاضر میں یہ موقف کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے کہ مری علاقے میں اسکول اور شاہراہیں نہ بنائی جائیں جبکہ آپ خود کوئٹہ کی ائیر کنڈیشنڈ رہائش گاہ میں قیام پزیر ہوں۔'' اسلام آباد کے مامور سابق چیف سیکریٹری بلوچستان منیر خان کے مطابق: ''قبائلی اقدار کی حفاظت کی مریکی جذباتی خواہش کے پس منظر میں ترقیاتی منصوبوں کے نتیجے میں قیادت کے غیر موثر ہو جانے کا خوف بھی پوشیدہ ہے۔'' منیر خان نے ایک بات چیت میں ذکر کیا کہ مری نے سڑکوں کی تعمیر کے منصوبوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ ہمارے لئے مشکلات پیدا کریں گے، کیونکہ اگر تم اس طرح رقم خرچ کرنا شروع کر دو گے تو ہمارے جیسے قبائلی معاشرے میں شکست و ریخت ہوتی ہے، ٹھیکیدار رقم پھیلائیں گے اور لوگوں کا دماغ خراب ہو جائے گا۔''

مری اپنے دفاع میں کہتا ہے کہ اس نے مری علاقے میں اصلاحات کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ اُس نے

اِس کے پسِ پشت مرکزی حکومت کے استحصالی اور سیاسی مقاصد کو مدنظر رکھا ہے۔اس سلسلے میں اس نے اَموکو (Amoco) اور دوسرے غیر ملکی اداروں کی طرف سے مری علاقے میں تیل کی تلاش کی مہم کا ذکر کیا اور اطمینان کا اظہار کیا کہ مری مزاحمت تا حال تیل کی تلاش اور منسلکہ سڑک کی تعمیر روکنے میں کامیاب رہی ہے۔مری نے کہا؛''بگٹی علاقے میں جو کچھ ہوا، ہمارے سامنے ہے۔وہاں گیس دریافت ہوئی جس کا 80 فیصد دوسروں کو دولت مند بنانے کے لئے بلوچستان سے باہر چلا جاتا ہے۔ہم یقیناً اپنے علاقے میں ترقی چاہتے ہیں لیکن یہاں اصلاحات اور ترقی مخصوص انداز اور رفتار سے درکار ہے جو ہمارے علاقے کے حالات کی مناسبت سے ہو۔ہم جب حکومت میں تھے تو ان سب کاموں کا آغاز کیا گیا تھا لیکن وہ نہیں چاہتے کہ ترقی کا کام ہماری گرفت میں ہو۔وہ ہمارے نقطہِ نظر کو سمجھے بغیر یہ سب کچھ اپنے طریقہ کار کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔''اس نے وضاحت کی کہ بلوچستان میں بننے والی شاہراہوں کی اکثریت ہمارے مفاد میں نہیں بنائی گئی بلکہ فوج کی ہم پر اپنی گرفت مضبوط کرنے اور پنجابیوں کو ہمیں لوٹنے کے لئے آسانیاں فراہم کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔مسئلہ یہ نہیں کہ آیا ترقیاتی کام کئے جائیں یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ ترقی، خود مختاری کے ہمراہ کی جائے یا اس کی عدم موجودگی میں استحصال کا نیا نام اب ترقی رکھا گیا ہے۔

مری نے 1977ء کی رہائی کے بعد سے عوامی طور پر تو خاموشی اختیار کی ہوئی ہے لیکن اس کی پسِ پردہ سیاسی سرگرمیاں جاری ہیں۔اگرچہ وہ صحافیوں اور لکھاریوں سے بہت کم ملتا ہے لیکن وہ مختصر ملاقات کی میری مسلسل درخواستوں کے بعد آخر کار یکم اگست 1978ء کو ملاقات کے لئے تیار ہو گیا۔اس کے جواب نہایت سادہ اور تصنع سے عاری تھے اور وہ میرے سوالوں کے جواب سے قبل ہیملٹ کی مانند بے چین ہو جاتا تھا۔لیکن جوں جوں چائے پینے اور سبّی کھانے کے ساتھ ساتھ ہماری گفتگو آگے بڑھنے لگی تو اس نے بھی آہستہ آہستہ کھلنا شروع کیا اور جونہی اس نے اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا تو پھر سات گھنٹے تک وقفہ وقفہ سے مسلسل بولتا چلا گیا۔اس کی گفتگو میں سوچوں کے بہاؤ کا بہت ڈھیلا ڈھالا ربط تھا۔اس طرح یہ ملاقات دو سال کے عرصے کی تین تفصیلی ملاقاتوں میں سے پہلی ثابت ہوئی۔

اُس کے تجزیے کے مطابق؛''ابتدائی سالوں میں ہماری جدوجہد قبائلی تھی لیکن 1947ء سے سیاسی رخ اختیار کرتی چلی گئی۔یہ ایک بچے کی نشوونما کی مانند قدرتی عمل تھا جس سے ہم گزرے۔ہمارے لوگوں نے محسوس کیا کہ اگر مزاحمت نہ کی گئی تو بحیثیت قوم ہمارے تشخص کو تباہ کر دیا جائے گا۔پرنس عبدالکریم کی بغاوت، پہلا اظہار تھا۔گو وہ اپنے مقاصد کے بارے میں واضح نہیں تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہ ایک جداریاست چاہتا ہے۔اس کے جیل

جانے سے بلوچ شعور پر تعمیراتی اثرات مرتب ہوئے اور یہ تب سے اب تک مسلسل نمو پا رہے ہیں۔ عبدالکریم کی رہائی کے بعد 'اُستمان گل' کی تشکیل کے وقت تو پیشِ نظر ملازمتوں کے حصول کے لئے اپنے لوگوں کو تعلیم کی فراہمی جیسے سادہ مقاصد تھے۔ ہم قوم پرست تحریک کے لئے ہاتھ پاؤں تو مار رہے تھے لیکن اس وقت ہمارے مطالبات فقط انسانی حقوق کے تھے اور اس کے لئے ہمیں ہر بار کوئی قیمت ادا کرنی پڑی۔ جیل، جائیداد کی ضبطی، بلیک لسٹ ہونا، ٹیلی فون سنے جانا، جیلوں میں پھینکوائے جانا، تفتیشی مراحل سے گزرنا' یہ سب ایک قدرتی عمل کی بھاری قیمت تھی۔''

''جب نوروز خان پہاڑوں پر گیا تو وہ کیا چاہتا تھا؟''

''عبدالکریم کی طرح یقیناً مبہم تھا لیکن یہ بھی بلوچ ریاست کے قیام کی خواہش تھی۔ اُس نے تکلیفیں جھیلیں اور اُن کے 'امان و عام معافی' کے وعدوں پر یقین کیا لیکن کیا نتائج سامنے آئے؟ جو اُس پر بیتی، اُس کے تعلیم یافتہ نوجوانوں اور آنے والی نسلوں پر دُور رَس اثرات مرتب ہوئے۔ وہ پہاڑوں پر چلے گئے اور دوسرے قبائل نے اُن کی تقلید بھی کی۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ نوروز خان کے ذہن میں کیا تھا؟ وہ قوم پرستی کی اصطلاح میں شاید اس کی وضاحت نہیں کر سکتا تھا لیکن بہرحال یہ سب اس کی ثقافت اور شناخت کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس کے ذہن میں کچھ ضرور تھا؛ کوئی خیال' کوئی تصور' بلوچوں کی آزادی کے لئے۔''

مری کا اظہارِ خیال بار بار اُس کے ذہنی الجھاؤ کو آشکار کرتا کہ آیا اُس کے لئے ادا کی گئی قیمت بامصرف تھی؟۔ اُس نے استعارتاً سوال کیا کہ ''اگر نوروز خان نے ایک انڈے کی خاطر اپنی زندگی گنوائی' جیسا کہ ہوا تو کیا پورے مرغی خانے کا مطالبہ صحیح مصرف نہ تھا۔ کس لئے؟ صوبائی حقوق کے حصول کے لئے؟ جب ہر حال میں مصائب کا شکار ہونا ہے تو سادگی سے کسی بے وقعت چیز کا مطالبہ کیوں کیا جائے؟ اب یہ سوال عوام کی جانب سے بار بار پوچھا جا رہا ہے۔''

عظیم تر بلوچستان کے نظریے کی کشش پر ابتدا میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے وہ شام کے سائے ڈھلنے کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے کھلتا چلا گیا۔ اُس کا ردِعمل واضح اور مفصل جوابات کی صورت میں ظاہر ہونے لگا۔ وہ گھوم پھر کے بار بار ایک ہی خیال کی طرف پلٹ آتا تھا کہ ''جو کچھ بھی ہو ہمیں تکالیف تو برداشت کرنی ہی ہیں، قیمت یکساں ادا کرنی ہے، سخت مصائب بھی جھیلنے ہوں گے۔ چاہے نتائج کچھ بھی ہوں۔ یہ سب برداشت کرنے کے بعد صرف صوبائی حقوق کی بات کیوں کی جائے؟ چاہے ہمارے مقاصد چھوٹے ہوں یا بڑے ان

کے لئے یکساں، مصائب، تکالیف اور قیمت ہوگی۔''

مری نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا؛''یہ اپنے طور پر ہی سمجھ لیا گیا ہے کہ بلوچ ضرور کسی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ہم سے امید کی جاتی ہے کہ ہم بلوچوں کو یہاں بین الاقوامی مثلث کی صورت میں بکھرا ہوا' جیسے ہیں ویسے ہی تسلیم کرلیں۔اس میں کیا نقصان ہے کہ بلوچ خود کو یکجا کرنا چاہیں۔یہ تبدیلی ہوگی اور ضرور ہونی چاہئے۔کیا بلوچ انسان نہیں ہیں؟ کیا وہ انسانوں کے کسی نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں؟ اقوام متحدہ کو دیکھیں؛ اس میں عمان، عراب امارات جیسی چھوٹی رکن ریاستوں کو دیکھیں' کیا یہ کوئی اچھنبے کی بات ہے کہ ہم صوبائی حقوق سے ہی کیوں مطمئن نہیں ہوتے؟ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ دریائے سندھ سے ایران تک پھیلے ہوئے ہم لوگ آزاد مملکت کے طور پر زندہ نہیں رہ سکتے.....کیا مالدیپ کی بقا ممکن ہے؟ ہم انسان ہیں اور ہمارا چھوٹا ہونا صرف ذرائع کے اعتبار سے ممکن ہے۔بین الاقوامیت کا مطلب برابری کی بنیاد پر تمام قوموں کا اتحاد ہے۔''

پاکستان کے ڈھانچے میں بلوچستان کے اطمینان بخش مستقبل کے امکانات کو فوری طور پر رَد کرتے ہوئے اُس نے کہا کہ''کسی وبا کے پھیلنے کی اور بات ہے لیکن ہم پاکستان میں اقلیت ہی رہیں گے اور مسلسل پنجابیوں کے ہاتھوں کھلونا بنے رہیں گے۔بنگلادیش کے بننے سے قبل جب پنجابی، بنگالیوں سے تعداد میں کم تھے تب بھی وہ بنگالیوں کو منصفانہ نمائندگی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔اب جبکہ بنگلادیش معرض وجود میں آچکا ہے اور پنجابی اکثریت میں تبدیل ہو چکے ہیں۔اکثریت کے ناموں پر اقلیتوں کو تابع رکھنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔اس نے خیال کیا کہ تاحال بہت سے لوگوں نے عظیم تر بلوچستان کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن پاکستان سے مسلح تصادم میں ہر بار بلوچوں نے کچھ سیکھا ہی ہے۔جدوجہد کے ہر اسٹیج پر ایک مخصوص سوچ تیزی سے سامنے آئی ہے اور ایک واضح احساس ابھرا ہے کہ بحیثیت قوم ہمیں ایک آہستہ روموت کا سامنا ہے۔ماضی میں ہونے والے واقعات وحادثات کے زخموں کے نشانات ابھی باقی ہیں اور انہیں مسکراہٹوں سے مٹایا نہیں جاسکتا۔''

اگرچہ وہ بحیثیت ترقی پسند مانا جاتا ہے اور اکثر ماؤ کا بیج لگائے ہوئے ہوتا تھا یا بعد کے سالوں میں لینن کے بیج نے اس کی جگہ لے لی۔مری کا طرزِ فکر مختلف قسم کے اشتراکی نظریات اور بلوچ رسم ورواج کا عجیب وغریب آمیزہ ہے۔محمود عزیز کرد کے بقول؛''کبھی وہ بین الاقوامیت کا حامی ہے' کبھی قوم پرست ہے اور کبھی صرف مری قبیلے کا رکن۔''

ہماری کوئٹہ میں ملاقات کے دوران اگرچہ مری نے لینن کا روایتی بیج تو نہیں لگایا ہوا تھا لیکن اس نے بڑی شدومد سے لینن کی تصانیف میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور وضاحت کی کہ ان پر جوں کا توں عمل کرنا اس کے نزدیک ضروری نہیں۔ اس نے کہا کہ؛ ''میں ان کے علاوہ کسی بھی اور کے، جن کی میں عزت کرتا ہوں، بیج لگا سکتا ہوں مثلاً گوتم بدھ۔ جو کچھ میں نے لینن میں دیکھا مجھے اور کہیں نظر نہیں آیا۔ لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس پر یا اس کی تصانیف پر اندھا اعتماد ہے۔ مارکسزم، لینن ازم نے مجھے سیاست کو سمجھنے میں مدد دی ہے لیکن 'اشتراکی' (سوشلسٹ) ہونا آسان نہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ میں اس پر پورا اُترتا ہوں۔''

مری مارکس اور لینن نے نظریات کو بلوچ معاشرے میں 'قومی اشتراکیت' کے طور پر اپنانے کی بات کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ''کوئی بھی اگر یہ سمجھتا ہے کہ بلوچستان کی مشکلات مغربی طرز کی یہودی ریاست کے قیام کے ذریعے حل ہوسکتی ہیں تو وہ غلطی پر ہے۔ اگر کسی کا خیال ہے کہ پارلیمانی جمہوریت کے ذریعے کوئی بلوچوں کو 'بلوچستان' پلیٹ میں سجا کر پیش کردے گا تو مجھے اس پر شک ہے۔ قانون کے ذریعے یہ سب کچھ ہو، تو مجھے اس پر بھی یقین نہیں۔ اگر ہمیں اپنے حقوق چاہئیں تو یہ معمول کے مغربی طریقوں سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ میرے خیال میں سرمایہ دارانہ قوم پرستی متروک ہوچکی ہے۔ آج غریب اپنی آزادی کے لئے اپنے زمیندار یا جاگیردار کی رہنمائی تسلیم نہیں کرے گا۔ اسے یقین دلانا ہوگا کہ نئی ریاست میں اسے اقتصادی حقوق ملیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ لینن یا مارکس کی تعلیمات میں سے کچھ کو اپنانا ہوگا۔''

چند موضوعات جن پر میں مری کا نقطہ نظر معلوم کرنے میں ناکام رہا' میں سے ایک موضوع محاذِ آزادی کے چھاپہ ماروں سے اُس کے تعلقات تھے۔ یاد رہے کہ محاذِ آزادی کے چھاپہ مار اشتراکی نظریات کے حامل اور انہیں بلوچ معاشرے میں رائج کرنے کے ضمن میں مری کے ہم خیال ہیں۔ اُس نے محاذ سے متعلق سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے گول مول سا جواب دیا کہ وہ 'جبل' کا مستقل قاری نہیں اور اس کا کوئی شمارہ کبھی کبھار ہی دستیاب ہوتا ہے۔

محاذ کے ترجمان مراد خان کے خیال میں؛ ''مری تاحال اس مقام تک نہیں پہنچا کہ وہ موجودہ صورت میں محاذ کو حصہ بن سکے لیکن وہ قوتِ مزاحمت اور مزاحمت کی ہمت رکھنے والوں کی عزت کرتا ہے۔ وہ ہمارے طریقہ کار کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ عوام باخبر ہوں کہ یہ جنگ کیوں لڑی جارہی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اب عوام ماضی کی طرح بلوچ روایات کے مطابق صرف عزت و وقار کے لئے میدان میں آئیں۔''

میرا ذاتی خیال ہے کہ مری کے محاذ کے ساتھ اس ے پیش رَو 'فراریوں' کی طرح قریبی روابط ہیں لیکن چونکہ 1978ء میں وہ پاکستان ہی میں رہائش پزیر تھا، اس لئے وہ خود کو ایک مسلح متشدد گروہوں سے وابستہ کر کے حکومت کی طرف سے انتقامی کارروائی کے غیر ضروری خطرے سے دوچار نہیں ہونا چاہتا۔ مری واضح طور پر اور کھلم کھلا تسلیم کرتا ہے کہ بلوچ حقوق کے لئے مسلح جدوجہد ضروری ہے۔

مری کو امید ہے کہ بلوچستان چند بڑی سیاسی طاقتوں کی سیاسی کشمکش سے آزاد رہ سکتا ہے۔ اس کے مطابق؛ ''ہم اپنے آپ کو کسی منڈلی میں نہیں پھنسانا چاہتے۔ نظریات دوسروں تک پہنچائے جاتے ہیں، وہ انسانیت کا مشترکہ اثاثہ ہوتے ہیں اور کسی نظریے کی تقلید کے لئے ضروری نہیں کہ کسی ایک یا دوسری طاقت کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی کسی ایک یا دوسری طاقت کا حامی ہو جاتا ہے تو اسے اپنی کسی چیز سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔'' بلوچ خواہشات کے لئے امریکہ کے ہمدردانہ رویے کی اپیل کرتے ہوئے مری کہتا ہے کہ'' ضیا حکومت یا اس کے پیش رؤوں کی سپر پرستی بھی ہمارے لئے مسئلہ رہی ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ امریکہ، پنجابیوں کی امداد کرتا ہے اور ہمارا متبادل دوسرا کیمپ ہی رہ جاتا ہے۔''

گفتگو کے دوران مری نے کئی مرتبہ بڑی طاقتوں کی جدوجہد میں الجھی ہوئی چھوٹی قومیتوں کی غیر محفوظ حیثیت کا ذکر کیا۔ ایک پہلو کا بہت پریشانی سے ذکر کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر آپ ایک بلاک میں شمولیت اختیار کر لیتے ہیں تو آپ پوری طرح سے اس کے شکنجے میں کسے جاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے یہی طریقِ دنیا ہے۔ پھر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا؛ ''لوگوں کو کٹھ پتلیاں نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہم شریک ہونا چاہتے ہیں، ہمیں محافظوں کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خود فریبی میں بھی مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور ایک غلامی سے دوسری میں نہیں جانا چاہئے۔ یا کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم تو جیہی بنیادوں پر یہ یا وہ غلامی قبول کرتے ہیں، لوگ اکثر کہتے ہیں کہ 'پرانی برائی کی جگہ نئی برائی' قبول کر کے دیکھیں گے۔''

کوئٹہ میں اپریل 1978ء کی ہماری ملاقات کے وقت کابل کا کمیونسٹ انقلاب چار ماہ پرانا ہو چکا تھا۔ نئی انتظامیہ کی 'بلوچ سوچ' میں دلچسپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مری نے متفکرانہ انداز میں کہا؛ ''اس سے قبل کہ ہم بلوچ اپنے فیصلے خود کرنا سیکھیں، دوسروں کی مرضی سے اُن کی پسند کے مطابق ہماری قسمت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ قابلِ افسوس مقام ہے کہ اس سے قبل کہ ہم جنگ شروع کریں، ہماری آزادی ہم سے چھین لی جائے گی۔ یہ ہمارا امتحان ہوگا

۔''میر ہزار خان کے چھاپہ ماروں کو کابل کی جانب سے پناہ فراہم کرنے پر اُس کا ردِعمل تھا کہ:'بلوچ اس کے نتیجے میں خود کو کابل کا زیرِ احسان سمجھتے ہیں۔خطرہ ہے کہ افغان ہمارے فیصلے اور ہمارے مستقبل کے متعلق سوچ و بچار خود کرنے لگیں گے۔'اُس کے خیال میں اگر افغانستان، روس سے آزاد رہ سکتا ہے تو بلوچوں کے لئے کابل سے نزدیکی روابط شاید خطرناک ثابت نہ ہوں:'شاید ہم کسی طاقت کے پاس رہن ہوئے بغیر کسی اشتراکیت کو اپنا سکیں یا شاید رہن اتنا زیادہ نہیں کہ ہم ادا نہ کر سکیں۔'

گیارہ مارچ 1980ء میں دوسری ملاقات تک وہ خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر کے لندن جا چکا تھا۔روس نے افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کی کابل میں آزاد قومی اشتراکی انتظامیہ کے قیام کی امیدوں پر پانی پھر چکا تھا۔ میں نے اُسے بلوچوں کے انتخابِ مطلق پر نظرِ ثانی کے دوران برگشتہ مزاج پایا۔اس کا سوال تھا کہ:''ہم کیا کریں یا افغان کیا کریں بلکہ چھوٹی قومیں کر ہی کیا سکتی ہیں؟انہیں مدد کی ضرورت تو ہوتی ہے جب مدد قبول کر لی جائے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ انہوں نے گھیرا تنگ کر دیا ہے۔وہ آپ پر قبضہ کر لیتے ہیں، چھوٹی قومیں اسفنج کی مانند ہیں۔ایک وقت آتا ہے کہ وہ مزید مائع قبول نہیں کر سکتا اور ایک بڑے جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔یہ ہی صورت چھوٹی قوموں کی ہے، وہ کسی ایسے بڑے جسم کا حصہ بن جاتی ہیں جسے وہ قابو میں رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں۔چاہے روس ہو یا امریکہ؛ آپ کسی بڑی طاقت سے امداد لینے کے بعد اپنا تشخص برقرار رکھ سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے!اگر ہم اپنی جدوجہد کے لئے ان سے ہتھیار لیتے ہیں تو بہنے والا خون تو ہمارا ہی ہے۔کیا ہماری تحریک کے لئے بہنے والا خون ان کے ہتھیاروں سے زیادہ قیمتی نہیں ؟ بڑی طاقتیں ہمیں ہماری موجودہ حالت میں کیوں امداد فراہم نہیں کرتیں؟ چھوٹی قوموں کے لئے کسی مخصوص معیار پر پورا اترنا کیوں ضروری ہے؟!''

اُس نے بتایا کہ افغانستان پر روسی قبضے کے بعد بلوچ عوام سوچتے ہیں کہ' کیونکہ میں پنجابیوں کو پسند نہیں کرتا لہٰذا روسیوں کو آنے دو'لیکن جن لوگوں پر زیادہ ذمہ داریاں ہیں انہیں یہ سوچنا ہوگا کہ اگر روسی آ گئے تو ہمیں کیا حصہ ملے گا ۔پھر وہ غصے میں مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا:''ایسا کیوں ہے کہ امریکہ ہمیشہ قائم شدہ ڈھانچے کے تحت کام کرتا ہے؟ اگر امریکہ، پنجابیوں کو اسلحہ فراہم کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمیں اپنا ہاتھ دوسری سپر پاور کے سامنے پھیلانا ہوگا۔''

جنوری 1981ء میں مری نے کابل کا مختصر دورہ کیا جہاں اُس نے میر ہزار خان اور لبریشن فرنٹ کے دوسرے رہنماؤں سے جو جنوبی افغانستان میں خیمہ زن تھے، کے علاوہ افغان حکام سے بھی ملاقاتیں کیں۔لندن

واپسی پر اس نے فرنٹ سے اپنے روابط کو خفیہ نہیں رکھا۔ اس نے وضاحت کی کہ اس کا دورہ بعض معمولی مسائل کے سلسلے میں تھے جو گوریلوں اور کارمل حکومت کے درمیان تعلقات میں پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے افغانستان حکومت کی جانب سے گوریلوں کو پناہ گاہ فراہم کرنے پر اظہار تشکر کیا۔ اُس نے کہا کہ لبریشن فرنٹ نے کبھی بھی باقاعدہ طور پر نہ تو خلق کمیونسٹ دھڑے کی حمایت کا اعلان کیا جو 1978ء میں برسر اقتدار آئی تھی اور نہ ہی کارمل کی پرچمی حکومت کی حمایت کا۔ اور جب اُس سے سوال کیا گیا کہ کابل میں دو ہفتے قیام کے دوران اُس نے سوویت حکام سے ملاقات کیوں نہیں کی؟ تو اُس نے جواب دیا کہ 'شاید وہ ہماری مزاحمت کو غلط سمجھتے ہیں۔'

بعض اوقات بلوچ رہنما ایک ایسے غیر جانبدار اور آزاد بلوچستان کی بھی بات کرتے رہے ہیں جو نہ تو ماسکو کو فوجی اڈے فراہم کرے گا نہ واشنگٹن کو۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ بلوچ کیونکر ایسی درمیانی راہ اختیار کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی گوریلا جدوجہد کے لئے بیک وقت دونوں سپر پاورز اور دوسرے ممالک سے مدد حاصل کر سکیں؟ تو مری نے بلا کسی تردُد یہ کہا کہ ''اگر یہ بات کبھی حقیقت پسندی بھی تو اب نہیں ہے۔ آپ یا تو ایک کیمپ میں ہیں یا دوسرے میں۔ سوال یہ ہے کہ ہم کس کی امداد حاصل کر سکتے ہیں' کس کی امداد خود کو مکمل طور پر بیچے بغیر قبول کر سکتے ہیں؟''

جب میں نے تجویز پیش کی کہ سپر پاورز کے جوئے تلے آزادی حاصل کرنے کے مقابلے میں پاکستان سے تصفیہ قابلِ ترجیح ہے' تو مختصر وقفے کے بعد اُس نے جواب دیا کہ: ''اگر پنجابی یا پاکستانی حکومت بلوغت اور پختگی کے انداز میں حقیقت پسندی اور اس تفہیم کے ساتھ کہ بات چیت کے لئے تیار ہے تو پھر ہم بھی تصفیے کے لئے ہمیشہ کی طرح تیار ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے معاملات پر بات چیت کر کے وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں؛.....اُنہیں ہمیں قومی حیثیت دینے کے بارے میں مذاکرات کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ اور ایسے تعلقات کے بارے میں جو ہماری اِس حیثیت کی بنیاد پر ہوں؛ لیکن مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ مجھے ایسا کوئی پنجابی یاد نہیں پڑتا جو اِن خطوط پر بات کرتا ہو۔''

بے شک اختلاف رکھ کر پڑھیے مگر یہ سوچ کر پڑھیے کہ یہ ایک عام فرد اور ایک عام لیڈر کے انٹرویو نہیں ہیں۔ یہ بلوچستان سے انٹرویو ہیں، بلوچستان کی حالیہ تاریخ سے انٹرویو ہیں۔ اس لیے کہ یہ بندر عباس سے لے کر تونسہ تک کے بلوچوں کے مقبول ترین اور معتبر ترین شخص سے انٹرویو ہیں۔ بلوچوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کی سیاست، اہداف اور حکمت عملی کی بہت ساری جزئیات سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی انہی کی طرح سوچتی ہے۔ یہ ایسے شخص کے انٹرویوز ہیں جس کی قیادت پر اُن تمام لوگوں کو اعتماد ہے جنہیں ایک چیلنج درپیش ہے؛ انقلابی پراسیسوں اور آزادی پہ یقین رکھنے والا چیلنج، اور اس شخص نے اُن لاکھوں انسانوں کے اعتماد کو ابھی تک صحیح سالم رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی بلوچستان میں' جہاں الیٹ طبقہ اور سردار حب الوطنی کے کسی بھی احساس سے محروم ہیں اور جو خود ہی اپنے مادرِ وطن کے خلاف عمل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اُس طبقے سے خود کو جدا رکھنا اور ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کے اعتماد کو برسوں تک قائم رکھنا غیر معمولی کام ہوتے ہیں۔ خیر بخش ایک غیر معمولی انسان ہے۔ اس کے انٹرویوز اسی لئے غور سے پڑھنے چاہئیں۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری

صبا انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز